تحریر: محمد رضا انصاریؒ فرنگی محلی

نظر ثانی: فقیر اثر انصاری فیض پوری

اُتر پردیش اُردو اکاڈمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

دوسری تصانیف:

(۱) ادب الجاہلی: ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی کتاب الادب الجاہلی کا ترجمہ صفحات ۴۱۰ ۔ $\frac{۲۲×۱۸}{۸}$
(ناشر: انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سنہ ۱۹۳۶ء)

(۲) مجذوب اور ان کا کلام (ناشر: فرنگی محل کتاب گھر) صفحات ۱۲۸ ۔ $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$ سنہ ۱۹۵۶ء)

(۳) فتاویٰ فرنگی محل (ناشر: فرنگی محل کتاب گھر) صفحات ۲۷۵ ۔ $\frac{۲۰×۲۶}{۸}$ ۔ سنہ ۱۹۰۵ء)

(۴) حج کا سفر۔ (ناشر: فرنگی محل کتاب گھر) صفحات ۲۴۴ ۔ $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$ ۔ سنہ ۱۹۶۶ء)

باقیِ درسِ نظامی: ... ... صفحات ۲۰۴

طابع: ... ... نامی پریس۔ نخاس۔ لکھنؤ

خوش نویس: ... ... سید مظفر حسن عرف نواب صاحب

تعدادِ اشاعت: ۶۵۰

بار اوّل تاریخِ اشاعت: ... ... یکم دسمبر سنہ ۱۹۷۳ء مطابق ۶ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۳ھ

بار دوم: دسمبر سنہ ۲۰۰۱ء تعداد ۵۰۰ بار سوم: مئی ۲۰۰۳ء

قیمت: ... ... ۱۰۵ روپے

اہتمام: فیاض پریس لاہور پاکستان

ملنے کے پتے:

(۱) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پبلی کیشنز ڈویژن، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

(۲) صدق بک ایجنسی، کچہری روڈ، لکھنؤ

(۳) فرنگی محل کتاب گھر۔ ۹ فرنگی محل، لکھنؤ ۳

(۴) انصاری فاؤنڈیشن پاکستان حفیظ پور خورد ضلع شیخوپورہ پاکستان

نذرِ عقیدت و احترام

بحضور

اساتذۂ کرام

۱۔ حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی (م سنہ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) (بسم اللہ ان ہی کی زبان مبارک سے ہوئی)

۲۔ مولوی محمد بشیر مرحوم مدرس ناظرہ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل (پارۂ عمّ، دو آخر کے دو رکوع پڑھائے)

۳۔ حافظ واجد علی سیدن پوری مرحوم مدرس درجۂ حفظ مدرسہ نظامیہ (ستائیس پارے حفظ کرائے)

۴۔ حافظ غلام مصطفیٰ جہانگیر آبادی مرحوم " " " " (بقیہ پارے حفظ کرائے)

۵۔ عم ابی مولانا محمد سلامت اللہ فرنگی محلی مرحوم (م سنہ ۱۹۳۳ء) مدرس اعزازی مدرسہ نظامیہ (فارسی کی پہلی کتاب اور گلستاں بوستاں پڑھائی)

۶۔ والد ماجد مولوی محمد سخاوت اللہ مرحوم (م سنہ ۱۹۳۶ء) " " " (گلستاں بوستاں پڑھائی اور حساب سکھایا)

۷۔ عم ابی مولانا مفتی محمد عنایت اللہ مرحوم (م سنہ ۱۹۴۱ء) افسر مدرس مدرسہ نظامیہ (نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، صغریٰ کبریٰ، شرح تہذیب، قطبی مع میر، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد رسالہ، شرح چغمینی، شرح عقائد نسفی، شمائل ترمذی، موطا امام محمد، مشکوٰۃ، شرح عقائد جلالی، تفسیر بیضاوی، مسلم الثبوت اور حمد اللہ پڑھائی)

۸۔ ابن عمۃ ابی مفتی محمد عبدالقادر مرحوم (م سنہ ۱۹۵۹ء) مدرس مدرسہ نظامیہ (فصول اکبری، کنز الدقائق، شرح وقایہ اولین، مختصر المعانی، نور الانوار، ہدایۃ اخیرین، حمد اللہ، سراجیہ، مطول پڑھائی)

۹۔ ابن عمۃ ابی مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی مرحوم (م سنہ ۱۹۵۵ء) مہتمم مدرسہ نظامیہ (تفسیر مدارک پڑھائی)

۱۰۔ عمی مولانا محمد صبغت اللہ شہید انصاری مرحوم (م سنہ ۱۹۶۲ء) مدرس مدرسہ نظامیہ (اردو املا سکھایا اور

قصیدۂ بُردہ، مقاماتِ حریری، حماسہ، سبعۂ معلقہ، دیوانِ متنبی اور صدرا پڑھائی)

۱۱۔ مولانا سید علی زینبی مرحوم مدرس شعبۂ علوم شرقیہ لکھنؤ یونی ورسٹی ("عالم" اور "فاضل ادب" کا کورس یونی ورسٹی میں اور اپنے گھر پر پڑھایا)

۱۲۔ مولوی حافظ محمد روح اللہ ادیب فرنگی محلی مرحوم (م ۱۹۶۲ء) مدرس و نائب مہتمم مدرسۂ نظامیہ (میزان الصرف، پنج گنج، زبدہ، فقہ اور عقائد کی پہلی کتابیں اور بوستان پڑھائی)

۱۳۔ عمی و ابن عم ابی مولانا مفتی حافظ محمد شفیع حجت اللہ انصاری مدظلہ مدرس مدرسۂ نظامیہ (ابتدائی عربی، جاربردی، اقلیدس، تصریح، شرح جامی، ہدیہ سعدیہ، میبذی، رشیدیہ (مناظرہ) اور ملا حسن پڑھائی)

۱۴۔ مولوی قاری جلیل الرحمٰن اعظمی مدظلہ مدرس ادب مدرسۂ نظامیہ (عربی ادب کی ابتدائی کتب الطریقۃ المناظرہ، نیز کلیلہ و دمنہ پڑھائی۔

۱۵۔ مولانا سید علی نقی النقوی مجتہد مدظلہ ("عالم" اور "فاضل ادب" کا کورس لکھنؤ یونی ورسٹی میں اور اپنے گھر پر پڑھایا اور کتاب الاغانی کے چند ابواب پڑھائے)

۱۶۔ ڈاکٹر مولانا مصطفےٰ حسن علوی کاکوروی مدظلہ ("عالم" اور "فاضل ادب" کا کورس لکھنؤ یونیورسٹی میں پڑھایا)

۱۷۔ مولانا مولوی حیات اللہ انصاری مدظلہ (حساب و جغرافیہ مدرسۂ نظامیہ میں اور انگریزی کی ابتدائی کتابیں اپنے گھر پر پڑھائیں)

۱۸۔ مولوی محمد ثناء اللہ مدظلہ (ابتدائی اُردو کتابیں پڑھائیں حساب اور املا سکھایا)

۱۹۔ مولوی خواجہ نظام الدین مدظلہ (نقل نویسی اور خوش خطی سکھائی)

۲۰۔ قاری طالب الحق صاحب (دورانِ حفظ قرآن میں، چند ہفتے تجوید سکھائی)

۲۱ قاری اصغر حسین صاحب (" " " " ")

فہرست

حضرت علامہ مفتی علی احمد سندھیلوی راوی روڈ لاہور کے ذاتی کتب خانے میں کتاب بانیٔ درس نظامی دیکھی۔ جو کہ محمد رضا انصاری نے استاذ الہند ملا نظام الدین محمد انصاری فرنگی محلی کے حیات طیبہ پر لکھی۔ نامساعد حالات اور مالی بحران میں مجھے آل انصار کے بزرگ کے حالات زندگی چھپوانے میں میرا جنون ذوق کام آگیا۔ عجز آگیں: فقیر اشرف انصاری منیف پوری دسمبر سنہ ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اظہار ضروری

اس اعتراف میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہونا چاہیے کہ بانی درس نظامی، استاذ الہند ملا نظام الدین محمد (سہالوی ثم فرنگی محلی) کے سوانح نگار کے لیے، محض مضمون نگاری کی مشق اور اخبار نویسی کا تجربہ کافی سند جواز نہیں! فن درس و تدریس کی ایک تاریخ ساز شخصیت (جس) کی تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے اس بانی خاندان فرنگی محل اور اس کے تلامذہ و اخلاف کے علمی و تدریسی کارناموں کے تفحص، علوم عقلیہ و نقلیہ کے اس راہبر مصنف اور ارشاد و سلوک کی رفعتوں کو چھونے والے اس مرشد سالک پر قلم اٹھانے کا ارادہ کرنے سے پہلے، اصول تعلیم کی جس اہل نظر و تحقیق فن تاریخ کی جس نکتہ رسی، علوم قدیمہ میں جس اتقان و استحضار اور تصوف کی جس گہری مزاج شناسی کی ضرورت ہونا چاہیے ان میں سے کسی ایک کا بھی حق ادا کرنے کا دعویٰ اس قلم پر بالکل نہیں کھپتا جس سے یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں!!

حقیقت امر یہ ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اپنے دل کو اس تمنا سے کبھی خالی نہیں پایا کہ خاندان فرنگی محل پر اس انداز سے کچھ لکھا جانا چاہیے جو نسب نامے یا خوش اعتقادی پر مبنی ایسے واقعات سے جن کا دستاویزی ثبوت پیش نہ کیا گیا ہو، مختلف قسم کا ہو۔

خوش اعتقادی، تاریخ کے لیے قطعاً کوئی مضر چیز نہیں، بشرطیکہ تاریخ کا عنصر ہر طرح حاوی رہے، لیکن تاریخ کی گزرگاہوں میں اب وہ پیچ و خم پیدا ہو چکے ہیں کہ راہ بر اور دلیل راہ کے بغیر قطع مسافت خالی از خطر نہیں۔ اس راہ کے ایسے راہ رو کے بارے میں' جو بغیر رہبر و رہنما کے چل کھڑا ہوا ہو، منزلِ مقصود تک پہنچ جانے کی توقع عبث ہی ہوگی، مگر یہ کہ 'ولولۂ مہم جوئی' میسر کرتا ہے! عجب نہیں کہ پُر پیچ وادیوں سے بھی گزر دشوار نظر نہ آئے!! جس تمنا نے بار ہا دل میں اپنی جگہ بنائے رکھی اس نے رفتہ رفتہ دُھن کی شکل اختیار کر لی، یہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، اسی دُھن کا نتیجہ اس کو سمجھنا چاہیے ؎

عشق دشوار است و شوق رہنما　　راہ پُر خار است و آساں می روم

ملا نظام الدین محمد کی وفات (۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) پر ان سطور کے قلم بند ہوتے وقت' عیسوی کلنڈر سے پورے سوا دو سو سال گزر چکے ہیں' اور ان کے زمانۂ حیات کو بھی اس میں جوڑ لیا جائے تو پوری تین صدیاں بیتی نظر آئیں گی؛ نہیں کہا جا سکتا کہ ان تین سو برسوں میں بنیادی مآخذ کے کتنے اوراق اس طرح ادھر سے اُدھر ہو گئے ہوں کہ ان تک رسائی' اگر ممکن ہے تو صرف 'محققین' کی، نہ کہ میدانِ تاریخ میں پہلے پہل قدم رکھنے کی جسارت کرنے والے کی!!

اگر یہ حقیقت بھی تسلیم ہے کہ تاریخ و سوانح' سائنس بن جانے کے باوجود اپنے ہیولی کے اعتبار سے اصلاً علوم نقلیہ ہی کی شاخیں ہیں، اور نقل میں چاہے وہ زبانی ہو یا خطی' 'روایت' ہی کا سکہ چلتا ہے' تو پھر جہاں تک تراجم رجال کا معاملہ ہے، ان کے ان اخلاف کی جسارت حق بجانب قرار دی جا سکتی ہے جو خاندان میں موجود اور محفوظ "روایات" سے استفادے کی سہولتیں زیادہ رکھتے ہیں۔

اسی خیال کے تحت' منتشر مواد خاندانی' کو یکجا کرنے کا خواب' خاندان کے ایک ایسے فرد تک نے دیکھنے کا حوصلہ کیا جس کے اور سرگروہ خاندان کے درمیان تاریخ کے بحر زخار کی پوری تین صدیوں کا مد و جزر حائل ہو چکا ہے ؎

ہے آرزو کہ ابروئے پُرخم کو دیکھیے　　اس حوصلے کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے!

اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کے وسط میں' جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) کی مجلس دینیات نے اس وقت کے صدر شعبہ (کالج) مولانا عبد السلام قدوائی (موجودہ ناظم تعلیمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے ذریعے ملا نظام الدین فرنگی محلی اور ان کے 'درس' پر گھنٹہ سوا گھنٹہ کا ایک مقالہ پڑھنے کے لیے بلاوا دیا؛ طبیعت کو آمادہ ہونے میں ادنیٰ تأمل بھی اس لیے نہیں ہوا کہ دیرینہ تمنا کے تحت دانہ دانہ کر کے انبار تیار کرنے کا شغل ایک عرصہ ہوا شروع ہو چکا تھا۔ مجلس دینیات کے بلاوے اور اس کے جلسے کے انعقاد کے درمیان صرف ایک ہفتہ کی مہلت تھی' یہ مختصر مہلت بھی بار نہیں محسوس ہوئی، مگر ۲۰ اپریل کو ڈاکٹر سید عابد حسین کی صدارت میں ہونے والے جلسے میں جو مقالہ پڑھا اس کی حیثیت محض ارتجالی تھی' اسی لیے جب ماہنامہ 'جامعہ' کے رکن ادارہ اور قدیم دوست جناب عبد اللطیف اعظمی نے 'جامعہ' میں چھاپنے کے لیے اُسے طلب کیا تو ان کی تعمیل ارشاد بغیر مکمل نظر ثانی کیے مناسب نظر نہ آئی' دوبارہ نظر کرنے کے خیال سے ابھی مسودہ رکھا ہی ہوا تھا کہ برادر عزیز ڈاکٹر محمد غوث انصاری فرنگی محلی (پروفیسر انقرہ یا الجی، کویت یونی ورسٹی) کا بے شان و گمان ایک محبت نامہ ملا، جس میں مقالہ "تاریخ کا سفر" پر تبصرہ کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تھا کہ "اگر آپ اسی طرز تحریر میں' فرنگی محل کی علمی' سماجی اور سیاسی تاریخ پر ایک مختصر کتاب لکھ دیں تو ایک بڑی ضرورت پوری ہو جائے۔" ڈاکٹر غوث نے لکھنے کی ذمہ داری مجھ پر اور اُسے قارئین تک پہنچانے کی ذمہ داری اپنے سر رکھی، اپنی ذمہ داری کے سلسلے میں انھوں نے سبقت سے بھی کام لیا، تصنیف کے ابتدائی مراحل انھیں کے تعاون سے طے پائے۔

اس بے ساختہ تحریک کو تائید غیبی جانتے ہوئے "مقالہ" چھوڑ "تاریخ مختصر" کی تالیف کی طرف کوششوں کی باگ موڑ دی، کام شروع کیا تھا "مختصر تاریخ فرنگی محل" کے مقصد کو سامنے رکھ کر — جو پوری تین صدیاں' اپنے دائرے میں لیے ہوئے ہے — مگر جو راہیں کہ بانی اور سرگروہ خاندان فرنگی محل ملا نظام الدین محمد اور ان سے براہ راست متعلق بعض ضروری تذکرے دیتے چلے گئے

عنوان کتاب کو محدود کر دینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

بہر حال یہ محدود پیش کش بھی اصل مقصد کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو کسی سر بفلک عمارت کی تعمیر میں "نیو" اور "پہلی منزل" کا ہوتا ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ "تاریخ فرنگی محل" کی تالیف کا بیشتر کام مکمل ہو گیا ہے!!

اس سلسلے میں جو کچھ تیار ہوتا جاتا وہ دار المصنفین (اعظم گڑھ) کے ماہنامہ 'معارف' میں بالاقساط شائع بھی ہوتا جاتا، یہ سلسلہ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء سے مارچ سنہ ۱۹۷۱ء تک بلا ناغہ چلتا رہا، جس کا مجموعہ 'معارف' کے دو سو مطبوعہ صفحات سے بھی بڑھ گیا، (پھر بعینہٖ یہی قسطیں روزنامہ قومی آواز (لکھنؤ) کے ہفتہ وار ایڈیشن میں بھی شائع ہوئیں) اب 'ملا نظام الدین' پر کتاب کو پیش کرنے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی، جسے پورا کر کے طباعت کے مصارف کا تخمینہ جو ہوا وہ زیادہ سے زیادہ اندازے سے بھی بہت سوا نکلا۔

حسن اتفاق کہ جس سال (۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ) ملا نظام الدین پر کتاب تیار ہوئی وہ سال وہی تھا جس میں ملا نظام الدین کی ولادت پر تین صدیاں پوری ہو رہی تھیں، اس سال کی حیثیت "سہ صد سالہ" جشن ولادت کے سال کی تھی؟ اگر حالات سازگار رہتے اور اسی سال کتاب شائع ہو جاتی تو اس کی اہمیت موجودہ رجحانات کے پیش نظر اور ہی ہوتی!!! ایسی رکاوٹوں کی وجہ سے جن پر مرتب نیز محرک (ڈاکٹر عون سلمہٗ) کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا، مرحلۂ طباعت تک پہونچتے پہونچتے تین سال لگ گئے اور ان چند برسوں کے اندر ہندوستان میں ہر تخمینہ 'خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

نو تشکیل اتر پردیش اردو اکاڈمی نے مسودات کی اشاعت کے لیے مصنفین کے ساتھ 'مالی اشتراک' کی جو مد رکھی ہے اس کا ضابطہ یہ مقرر کیا کہ وہ تخمینے کے پچاس فیصدی سے زیادہ نہ ہوگا، اور "جس سب کمیٹی" کے جلسے میں اس مسودے کے لیے مالی اشتراک پر غور ہوا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی امداد ایک ہزار روپے سے زیادہ بہرحال نہ ہوگی (سوائے ایک آدھ صورت کے جس کو اس حد بندی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔)

اردو اکاڈمی کے 'مالی اشتراک' پر ـــــ جو اگرچہ تخمینے کے ایک تہائی کے برابر بھی نہیں ثابت ہوا ـــــ شکریہ ادا کرنا درخواست دہندہ کے اولین فرائض میں ہے!

مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر پروفیسر خلیق احمد نظامی (ڈین فیکلٹی دینیات مسلم یونیورسٹی) کے سامنے اس صورت حال کو پیش کیا، اس بجٹ کے ختم ہو چکنے کے باوجود' جو ممبران فیکلٹی کی تصانیف کی اشاعت کے لیے ہر سال رکھا جاتا ہے' انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے تعاون کا وعدہ کیا جس کی صورت یہ تجویز کی کہ مسلم یونیورسٹی کے "پبلی کیشنز ڈپارٹمنٹ" کے فنڈ سے کتاب کے اتنے نسخوں کی قیمت پیشگی ادا کر دی جائے جو اشاعت کے لیے درکار مابقی ضروریات کے لیے کفیل ہو جائے۔

مسلم یونیورسٹی اور پرو وائس چانسلر کے اس مصنف نواز تعاون کو جس نے راہ کی سب دقتوں کو دور کر دیا، رسمی شکریہ سے یقیناً بالاتر رہنا چاہیے! اس طرح کے تعاون کی نظیریں مسلم یونیورسٹی میں تیار کیے جانے والے تحقیقی مقالات (تھیسز) کے سلسلے میں تو ضرور پائی جاتی ہیں، مگر یہاں صورت حال ان نظائر سے یکسر مختلف تھی، اس بنا پر، مسلم یونیورسٹی نے تعاون کا جو ہاتھ بڑھایا ہے اسے اس کتاب کے حق میں شریک غالب قرار دینا محض رسمی بات نہیں ہے ؎

ما، بدان مقصدِ عالی نتوانیم رسید.
ہم، مگر پیش نہد، لطفِ شما گامے چند

محمد رضا انصاری فرنگی محلی
لکچرر شعبۂ دینیات (سنی)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

آفتاب ہوسٹل
وارڈن روم
علی گڑھ

۱۰ر اگست سنہ ۱۹۷۳ء
۱۰ر رجب سنہ ۱۳۹۳ھ

بنیادی مآخذ کے بارے میں

خاندانِ فرنگی محل کے افراد نے شروع ہی سے روایات اور چشم دید واقعات کو یک جا کرنے کا ذریعہ پیشِ نظر رکھا، ہمارے لیے ان واقعہ نگاروں میں مقدم ترین مولانا عبدالاعلیٰ (بن بحرالعلوم بن ملا نظام الدین) ہیں، جن کی وفات ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء میں ہوئی ــــ خاندان کے سہالی (ضلع بارہ بنکی) سے فرنگی محل (لکھنؤ) میں آباد ہونے کے پورے ایک سو دو سال بعد! انھوں نے پہلی پشت (ملا نظام الدین اور ان کے بھائیوں) کو تو بے شک نہیں پایا لیکن دوسری پشت کے بہت سے ان حضرات کا طویل عرصہ پایا جو پشتِ اول کے سائے میں پروان چڑھے تھے، مولانا نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ 'احوالِ خاندانی پر مع شئ زائد' تحریر کیا جس کا نام "الرسالۃ القطبیۃ فی بیان احوال الفِرق النظامیہ" ہے۔ (یہ فارسی تصنیف ہنوز مخطوطہ کی شکل میں ہے) مختصر ہونے کے باوجود یہ رسالہ جسے آئندہ "رسالۂ قطبیہ" کے نام سے یاد کیا جائے گا، تاریخ فرنگی محل کا بنیادی ماخذ ہے۔

مولانا عبدالاعلیٰ کی دوسری تصنیف محاسنِ رزاقیہ (فارسی) ہے یہ ملا نظام الدین کی تصنیف "مناقبِ رزاقیہ" (فارسی) کی شرح ہے، اس میں بھی بہت سے اہم خاندانی اذکار جستہ جستہ درج ہیں! پہلی تصنیف قطعاً اور دوسری تصنیف غالباً اسی صدی میں مکمل ہوئی جو ملا نظام الدین کی صدی تھی (بارھویں صدی ہجری یا اٹھارویں صدی عیسوی) ان دونوں تصانیف کے اختصار نے ان بہت سے سوالوں کو تشنہ چھوڑ دیا جو آج تاریخی گتھی کا روپ دھار چکے ہیں۔

مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے، (۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء تا ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) جنھوں نے نوجوانی میں علمائے فرنگی محل کی دوسری پشت کو پایا مگر یہ خود خاندان کی پانچویں پشت میں تھے. مناقبِ رزاقیہ (مصنفۂ ملا نظام الدین) کی از سرِ نو ترتیب کی، ملا صاحب نے یہ تصنیف اپنے پیر و مرشد کے احوال میں کی تھی، مولانا ولی اللہ نے اسی مواد کو بہت تفصیل سے صفحات پر پھیلایا اور ملا صاحب کے پیر و مرشد کے خلفاء کے حالات، نیز ملا صاحب کے والد ماجد ملا قطب الدین شہید سہالوی کے حالات کا بھی اس میں اضافہ کیا، ضمنِ خلفاء میں علمائے فرنگی محل کی پہلی پشت کے بعض اکابر (ملا نظام الدین اور ملا محمد رضا) اور دوسری پشت کے دو بزرگ ملا احمد عبدالحق اور اُن کے چھوٹے بھائی ملا عبدالعزیز کے اذکار بھی آ گئے، اس طرح علمائے فرنگی محل اور اُن کے مورثِ اعلیٰ کی تاریخ کے ابتدائی اوراق کچھ تفصیل کے ساتھ قلم بند ہو گئے، یہ تصنیف جس کا نام 'عمدۃ الوسائل للنجاۃ' (فارسی) ہے، فرنگی محل کے آباد ہونے (۱۱۰۵ھ/۱۶۹۴ء) پر ایک سو چار سال پورے ہوتے وقت مکمل ہوئی، (۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں) یعنی اس عیسوی صدی میں جس کو ملا نظام الدین کی صدی سے ہم نے تعبیر کیا ہے (اٹھارویں صدی عیسوی)، یہ بھی مخطوطہ کی شکل میں ہے!

مولانا ولی اللہ نے ایک اور فارسی رسالہ تصنیف کیا جس کا نام 'اغصان الاربعہ للشجرۃ الطیبۃ' ہے، یہ شجرۂ خاندانی کا درجہ رکھتا، اگر اس کا بڑا حصہ اپنے پیر و مرشد (اور جدِ حقیقی کے حقیقی چھوٹے بھائی) مولانا احمد انوار الحق (وفات ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء) کے تفصیلی حالات پر مشتمل نہ ہوتا جس کے ضمن میں، خاندان سے متعلق کچھ تاریخی مواد بھی اکٹھا ہو گیا، یہ رسالہ مع تکملہ (از مولانا انعام اللہ فرزندِ اکبر مصنفِ رسالہ) طبع ہو چکا ہے، 'اغصانِ اربعہ' کی تصنیف ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں مکمل ہوئی جب کہ مصنف کی عمر چوہتر سال کی تھی، اور ملا صاحب کی وفات پر نوے برس گزر چکے تھے!

علمائے فرنگی محل کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ وہ قدیم دستاویزیں ہیں جو شاہی فرامین و پروانہ جات اور محضر وغیرہ پر مشتمل ہیں، دونوں مذکور مؤرخینِ فرنگی محل نے ان سے استفادہ ضرور کیا ہوگا، مگر ان کو جیسے تاریخ کی روشنی میں نہیں لائے، ان دستاویزوں میں مددِ معاش کے فرامین و پروانہ جات

بھی ہیں اور عطائے حویلی فرنگی محل کا عالمگیری فرمان بھی، نیز شہادت ملا قطب الدین سہالوی کے فوراً بعد لکھا جانے والا محضر بھی، جسے پچھتر سے زیادہ دستخطوں اور مُہروں کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ یہ قدیم دستاویزیں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے اخلاف کے پاس محفوظ ہیں۔

اگلے صفحات میں محضر اور عالمگیری فرمان کے عکس پہلی بار پیش کیے جا رہے ہیں۔ محضر کا عکس نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے، اصل محضر کے حصول سے مایوسی کے بعد، اس کی مکمل نقل ہی پر اکتفا کرنی پڑی تھی، جو محض اتفاق سے مل گئی تھی، جب مسودہ پریس کے حوالے کیا جا رہا تھا اصل محضر کا ایک عکس اچانک ہاتھ آ گیا۔ اس عکس کا عکس شامل کیا جا رہا ہے۔

شمس العلماء مولانا محمد نعیم نے (وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء لگ بھگ ستر سال کی عمر میں) خاندانِ فرنگی محل کے نسب اور علمی خدمات پر بڑی تحقیق سے مواد شائع کرنے کے قصد ہی سے جمع کیا تھا، مگر یہ مقصد پورا نہ ہو سکا، شمس العلماء کے موجودہ جانشین مولانا ابوالفضل محمد ناصر فرنگی محلی کے پاس "بیاض" اور "کشکول" کی صورت میں یہ ہنوز موجود ہے، اس مواد نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی مدد پہنچائی، اسی میں ملا نظام الدین فرنگی محلی کے قلم کی لکھی بعض تحریریں بھی ہیں جن میں سے بعض کے عکس بھی اس کتاب میں شامل کر لیے گئے ہیں۔

مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء تا ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) کی علمائے فرنگی محل پر تصنیف "خیر العمل بتراجم علمائے فرنگی محل" (عربی) ہے، یہ مخطوطہ کی شکل میں رہی، یہاں تک کہ مفقود الخبر ہو گئی، اس کی ایک نقل مولانا عبدالحی کے شاگرد اور عزیز مولانا عبدالباقی فرنگی محلی، مہاجر مدنی کے کتب خانہ میں مدینہ منورہ میں ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء تک تھی، وہیں اس کو ایک نظر دیکھ لینے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ اس تصنیف میں علمائے فرنگی محل کی علمی اور تصنیفی خدمات کا ذکر خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی (۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء تا ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے علمائے فرنگی محل

کے حالات بہ لحاظ حروفِ تہجی عربی میں تحریر کیے تھے جو "آثار الاول من علماء فرنگی محل" کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، اس کی تصنیف کے وقت مولانا عبدالحی کی "خیر العمل" کا اصل مسودہ مولانا عبدالباری کے پیشِ نظر تھا، بعض بعض مقامات پر مصنفِ "آثار الاول" نے "خیر العمل" کی عبارتیں بطور اقتباس نقل بھی کر دی ہیں۔

مولانا عبدالباری نے اردو میں بھی ایک کتاب "تاریخ فرنگی محل" کے نام سے لکھی تھی، جو ایک دوسری تصنیف "فتاویٰ قیام الملۃ والدین" کے مقدمے کے طور پر لکھی گئی تھی، "فتاویٰ" میں علمائے فرنگی محل کے جواباتِ استفتا یکجا کیے جا رہے تھے، اسی لیے اُن علماء کے مختصر حالات بطور مقدمۂ فتاویٰ لکھے گئے تھے۔ "فتاویٰ" کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے اور "مقدمہ" ہنوز مسودۂ مصنف کی شکل میں موجود ہے۔

"تذکرۂ علمائے فرنگی محل" (اردو) اس سلسلے کی آخری کڑی ہے، اسے مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی (وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) نے ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں لکھا تھا، یہ شائع ہو چکا ہے، (مولانا کے پیشِ نظر بھی "خیر العمل" از مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا مسودہ تھا) "اسلاف و اخلاف" کا نسبی تذکرہ اس کا مرکزی نقطۂ خیال تھا، مگر علمائے فرنگی محل کی علمی خدمتوں کا بھی ذکر اس میں ہے، اور آخری دور میں علمائے فرنگی محل نے جو ملی اور ملکی سیاست کی خدمت کی، اس کا بھی حوالہ اس میں شخصی حیثیت سے ہے نہ کہ تاریخی حیثیت سے! "تذکرۂ علمائے فرنگی محل" کو شائع ہوئے چالیس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

مذکورہ تصانیف، علمائے فرنگی محل کے احوال و اذکار ہی کے موضوع سے مختص ہیں، ان کے علاوہ تراجم و احوالِ رجال کے موضوع پر جو دوسری تصانیف ہندوستان میں ہوئی ہیں اُن میں دیگر مشاہیرِ ہند کے دوش بدوش مشہور علمائے فرنگی محل کے اذکار بھی ہیں، ان میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (وفات ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء) کی تصانیف "سبحۃ المرجان" (مطبوعہ) اور "مآثر الکرام" (مطبوعہ)، مولوی رحمان علی کی تصنیف "تذکرۂ علمائے ہند" (مطبوعہ)، مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلوی (وفات

[illegible]ھ / ۱۹۰۲ء) کی عظیم و ضخیم تصنیف نزہۃ الخواطر (مطبوعہ)، مولوی وجیہ الدین اشرف لکھنوی کی ضخیم تصنیف بحر ذخار (مخطوطہ) اور مولانا فضل امام خیرآبادی (وفات ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء) کی تصنیف آمدنامہ کا ایک باب جو علمائے جوار کے حالات میں ہے (مخطوطہ) قابل ذکر ہیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور مخطوطے کا ذکر بھی ضروری ہے، جس کا نام اغصان الانساب (فارسی) ہے، مصنف رضی الدین محمود انصاری فتح پوری۔ یہ جو علمائے فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ملا قطب شہید کے بنی اعمام کی اولاد میں ہے ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں اپنے خاندان کی شاخ کے حالات لکھے تھے، ہم نسبی اور باہمی ازدواج کے تعلق کی وجہ سے 'اغصان الانساب' کے مصنف نے بیشتر علمائے فرنگی محل کے حالات بھی اس میں درج کیے ہیں۔

ایک مختصر مخطوطہ قرۃ الابصار فی نسب قطب الانصار، از مولانا عبدالباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی (وفات ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء) میں علمائے فرنگی محل کے نسب نامے پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے، اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ترک وطن

لُٹا ہوا کنبہ جس کا مورث اور سرپرست، اشقیا کی اچانک یلغار میں اپنے گھر کے اندر گھر والوں کی نگاہوں کے سامنے شہید ہو چکا تھا جب دار البوار سے مسکنِ عافیت کی طرف جا رہا تھا تو اس میں ایک چودہ سالہ یتیم بھی تھا جو اپنے بڑے بھائی، والدہ، اور چھوٹے بھائی بھتیجوں کے ساتھ ایسی سمت گامزن تھا جس کی منزلِ مقصود خواہ طے پا چکی ہو، لیکن اس ہجرت اور ترکِ وطن کا مستقبل پورے دھندلکے میں تھا۔

اس یتیم کی، اس آوارۂ وطن قافلہ میں اس سے زیادہ کیا اہمیت ہو سکتی تھی کہ ایک مظلوم خاندان کا ایک بچہ جس کا مستقبل پورے خاندان کے مستقبل کی طرح غیر واضح اور غیر یقینی ہے۔

یہ لُٹا ہوا کنبہ مُلّا قُطبُ الدّین شہیدؔ سہالوی کا تھا۔

وَالِدِ مَاجِد

مُلا قطبُ الدّین شہید سہالویؒ

فدائے قوم والملت فخر الحکماء والعلماء جناب استاذی مولی
ڈاکٹر حکیم احمد علی صاحب انصاری المتخلص حبیب کاکوری ضلع لکھنؤ

حسب خواہش

حکیم عبدالحکیم وحکیم عبدالحلیم انصاری قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ یوپی (انڈیا)

اصلی نسخہ کے ہو بہو عین مطابق

ناشر: انصاری فاؤنڈیشن پاکستان اثر منزل انصاری ہاؤس محلہ جابر پورہ
فیض پور خورد ضلع شیخوپورہ نزد لاہور، شرقپور روڈ، پنجاب، پاکستان

حاجی ذکاؤالدین انصاری جنرل سیکریٹری جمعیت الانصار میانوالی
محمد ممتاز عالم انصاری D-118/1 اورنگی ٹاؤن کراچی
محمد اسلم انصاری سیکرٹری نشرواشاعت انجمن فلاح الانصار مزنگ فیروز پور روڈ لاہور
ڈاکٹر مقصود علی انصاری چیف ایڈیٹر ہفت روزہ الانصار اڈہ خرم جلال پور جٹاں ضلع گجرات
محمد اکبر مدنی انصاری ایڈیٹر آواز انصار ممتاز مارکیٹ نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ

ملا قطب الدین کی شہادت ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۶۹۲ء کو قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی میں اُس وقت ہوئی جب وہ طلوع آفتاب کے بعد اپنی حلسرا کے دیوان خانہ میں جو "مدرسہ" کہلاتا تھا، درس وتدریس کے لیے بیٹھے تھے، اور طلباء کی محدود تعداد اُس وقت تک حاضر ہو پائی تھی۔

بعادت قدیمہ از نماز فجر ووظائف
فراغ اندوختہ درمدرسہ آمدہ بدرس
جمعے از فضلاء حاضر الخدمت مشغول شدند
چوں دو گھڑی روز بماند اسداللہ وغیرہ
زمینداراں گرد وپیش خانۂ مولوی را
محاصرہ نمودند واز چہار طرف دیوار
نقبہا زدہ اندرون درآمدند ومولوی
را ایک زخم تیر ویک زخم تفنگ وہفت
ضرب شمشیر بہ ورسانیدہ شہید ساختند
وشیخ غلام محمد نبیرہ زبدۃ الاولیاء
بندگی شیخ نظام الدین ساکن امیٹھی

روزانہ کے معمول کے مطابق ملا قطب الدینؒ
فجر کی نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر
اپنے مدرسے میں آئے اور حاضر خدمت
فاضلین کو درس دینے میں مشغول
ہو گئے، جب دو گھڑی دن گزر چکا تھا اچانک
اسداللہ وغیرہ جو آس پاس کے زمیندار
ہیں، آئے اور ملا صاحب کے مکان کا
محاصرہ کرلیا، چاروں طرف سے دیواروں
میں نقب لگا کر گھر کے اندر گھس آئے،
ملا صاحب کو تیر کا ایک زخم، گولی کا ایک
زخم اور چہرے پر تلوار کے سات زخم پہنچائے

و دیگر شیخ عزت اللہ ساکن سندیلہ کہ بخواندن فاتحۃ الفراغ در خدمت بودند نیز از دست ظلمۂ مذکورین شہید شدند محمد آصف چودھری پرگنہ سہالی کہ برائے مدد مولوی رسیدہ با ہمراہیان خود شہید شدند، نبیرہ محمد سعید و جمعے از طلبا و شیخ فضل اللہ برادر و نائب قاضی عبداللہ قاضی پرگنہ سہالی وغیرہ زخمی شدند

اور اُن کو شہید کر ڈالا، زبدۃ الاولیاء بندگی شیخ نظام الدینؒ ساکن امیٹھی کی اولاد میں شیخ غلام محمد اور سندیلہ کے شیخ عزت اللہ جو فاتحۃ الفراغ پڑھنے کے لیے حاضر خدمت تھے، مذکورہ ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوئے، پرگنہ سہالی کے چودھری محمد آصف جو ملا صاحب کی مدد کے لیے ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے، اپنے ہمراہیوں سمیت شہید ہوئے، فرزندی محمد سعید در فرزند دوم، ملا قطب الدین شہید اور کچھ طلبا نیز پرگنہ سہالی کے قاضی عبداللہ کے بھائی اور نائب شیخ فضل اللہ بھی اس ہنگامہ میں زخمی ہوئے۔

ملا قطب الدین کی شہادت کی یہ سب سے قدیم اور مستند روئیداد ہے، یہ اُس محضر کا اقتباس ہے جو ملا قطب شہید کے فرزندوں نے مرتب کیا تھا اور جوار کے معززین نیز عمال شاہی کے تصدیقی دستخط اس پر لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا تھا، اس محضر سے جو ہنوز موجود ہے، (اور مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محلی فرزند مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی ملک میں ہے)، اس حادثے کی دیگر تفصیلات پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے، اس چشم دید بیان کے پیش نظر ان قیاس آرائیوں یا روایتوں کی حاجت نہیں رہتی جن کے لیے تذکرہ نویسوں نے بار بار زحمت اٹھائی ہے۔

قصبۂ سہالی کے خان زادوں اور شیوخ عثمانی اور انصاریوں کے درمیان زمیندارانہ نزاع کو

ملا صاحب کی عداوت کا سبب قرار دینا کوئی دُور رس تحقیق نہیں مانی جا سکتی، اس لیے کہ ایسی نزاع اور رقابت قصبات کی زندگی میں عادتاً اور روز مرہ رہی ہے، قصبۂ سہالی میں بھی یہ نزاع ہو سکتی تھی اور تھی، لیکن ملا قطب شہید کا اس میں موثر فریق کی حیثیت رکھنا تو کوئی تاریخی ثبوت کا محتاج ہے، اسی محضر کے ذریعہ ملا قطب کے معمولات زندگی پر جو روشنی پڑتی ہے، اس سے زمیندارانہ نزاعوں میں اُن کی عملی شرکت کا عدم امکان بھی واضح ہو جاتا ہے:-

بر اصاغر و اکابر ایں دیار روشن و مبرہن است کہ مولوی مذکور کہ موصوف بکمالات انسانیہ و فضائل علمیہ و عملیہ و حافظ قرآن مجید بودند و غیر اشتغال تدریس و تکرار با طلبۂ علوم دینیہ و عبادات و طاعت کارے نداشتند و در اوقات فراغ از درس و عبادت بتصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول می پرداختند ......

اس جوار کے تمام چھوٹے بڑے بخوبی جانتے ہیں کہ ملا قطب الدین شہید جو کمالات انسانیہ اور خلقی اور عملی فضائل سے متصف اور حافظ قرآن مجید تھے، علوم دینیہ کے طلبہ کے درس و تدریس اور عبادت خداوندی کے علاوہ ان کا کوئی اور کام ہی نہ تھا اور عبادت سے فرصت کے اوقات میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے ایسے علوم میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔

---

* "غیر اشتغال تدریس و تکرار و عبادات و طاعت کارے نداشتند" کے الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ملا قطب کے معمولات روز و شب کو پیش کر دیتے ہیں، ان علمی مصروفیتوں اور روحانی مشغولیتوں میں جائداد کے جھگڑوں اور زمیندارانہ نزاع کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی، یہ قیاس کسی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کہ شورہ پشتوں کے ظلم و جور کے ارمانوں کے ابھارنے میں ملا صاحب کی وجاہت اور اصاغر و اکابر میں ان کی مقبولیت سدّ راہ رہی ہوگی، اس لیے کہ اورنگ زیب عالمگیر تک ملا صاحب کے علم و فضل، زہد و اتقا اور قناعت و گوشہ نشینی کی خصوصیتوں سے کما حقہٗ واقف تھا،

اس نے بار بار ملا قطب سے ملاقات کی درخواست بھی کی تھی، مگر قطب نے اپنی جگہ سے ہلنے سے ہمیشہ انکار کیا۔

فرحۃ الناظرین (مخطوطہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے الفاظ میں:۔

ملا قطب الدین شہید سہالوی در علوم معقول و منقول بسبقت از ہم سران ربودہ و پائے قناعت در دامن عزلت چسپیدہ پیش اغنیاء نمی رفتند و پیوستہ بدرس طلبۂ علوم و کسب علوم معنوی پرداختہ در قصبۂ سہالی کہ از مضافات لکھنؤ است بسر می بردند بارہا عالمگیر بادشاہ بقصد دید ملا آمد ملا گر وید ملتمس اورا بدرجۂ اجابت نفرمود اکثرے را از مرتبۂ شاگردی باوج استادی رسانیدند...... توصیف از احاطۂ تقریر و تحریر خارج، بالآخر باغوائے بعضے مفسدہ در سنہ چہل و ہفت عالمگیری در قصبۂ مذکور شہید شدند۔[۱]

ملا قطب الدین شہید سہالوی علوم عقلیہ و نقلیہ میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے، اور گوشہ نشینی کے دامن میں پائے قناعت کو لپیٹے رہتے، امیروں اور دولتمندوں کے پاس وہ نہیں جاتے تھے اور برابر طلبائے علم کو پڑھانے نیز علوم معرفت کے کسب میں مصروف، قصبۂ سہالی میں جو لکھنؤ کے مضافات میں ہے، زندگی گزارتے رہے، عالمگیر بادشاہ نے بارہا ملا صاحب کو ملاقات کی زحمت دی مگر ملا صاحب نے انکی خواہش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، انھوں نے بہت سے لوگوں کو شاگردی کے نچلے درجے سے اٹھا کر استادی کے اعلیٰ مرتبے تک پہونچایا .... ملا قطب شہید کے تمام اوصاف بیان کرنا تقریر و تحریر کے امکان سے خارج ہے، بالآخر کچھ شر پسندوں کی سازش سے عالمگیر کی

۱؎ فرحۃ الناظرین قلمی ص ۲۰

جلوس کے ۴۷ ویں[۱] سال قصبۂ مذکور (قصبۂ سہالی) میں ملا قطب الدین شہید ہو گئے

فرحۃ الناظرین کا مصنف محمد اسلم بن حفیظ اللہ انصاری بارھویں صدی ہجری کے آخر کا ہے جس نے اپنی کتاب سنہ ۱۱۸۴ھ میں فیض آباد میں مکمل کی، اسی صدی کے آغاز میں واقعۂ شہادت پیش آیا تھا، تیرھویں صدی ہجری کے آغاز کی ایک تصنیف میں جس کے مصنف ملا محمد ولی اللہ انصاری فرنگی محلی (وفات سنہ ۱۲۷۰ھ) ہیں، جو چار واسطوں سے ملا قطب شہید کے پوتے ہیں، ملا قطب شہید کے ساتھ عالمگیر کی عقیدت مندی کا حال اس طرح لکھا ہے:۔

چو آوازۂ علم و فضل مولانا قطب الدین در ان دیار اشتہار تمام پیدا کرد بلکہ بہ تمامہ ممالک ہندوستان انتشار یافتہ و خبر جودت فضیلت و تکمیل فراغ بیاری از درمان بخدمت ایشان بسمع اورنگ زیب بادشاہ غازی رسید بادشاہ نیک خصال بجہت رسم نامہ و پیام بخدمت مولانا می داشت و رسوخ کمال بخدمت ایشان پیدا ساخت ازیں جہت اکثر امیران بادشاہی را بخدمت

جب ملا قطب الدین کے علم و فضل کا شہرہ اطراف و دیار میں خوب ہو چکا بلکہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا اور ملا صاحب کی ذہانت اور فضیلت، نیز ان کی خدمت میں پڑھنے والوں کے بہت جلد فارغ التحصیل ہونے کی خبر نیک خصال اورنگ زیب بادشاہ غازی کو پہونچی تو اس نے سلسلۂ مراسلت، ملا صاحب سے برابر جاری رکھا اور انتہائی عقیدت اسے ملا صاحب سے ہو گئی

۱؎ "چہل و ہفت عالمگیری" بظاہر غلط ہے، "سی و ہفت جلوس والا" کے الفاظ اس عالمگیری فرمان میں موجود ہیں جو ملا قطب شہید کی اولاد علمائے فرنگی محل کے سلسلے میں جاری کیا گیا تھا، اس فرمان کی رو سے جو جلوس عالمگیری کے ۳۸ ویں سال جاری ہوا ہجری سال ۱۱۰۵ھ ہوتا ہے۔ واقعۂ شہادت اس سے دو سال قبل پیش آیا تھا یعنی جلوس کے ۳۶ ویں سال ملا قطب کی شہادت ہوئی، گو ۴۷ ویں سال، [illegible] شہادت صحیح ہو یعنی ۱۱۰۳ھ (جلوس ۳۵)۔ محمد رضا انصاری

می فرستاد[1]

یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب اپنے اُمرا اور حکام کو ملا قطب الدین شہید کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔

اور عالمگیر کی عقیدت مندی ہی اصل وجہ ملا قطب الدین کی شہادت کی بھی ہوئی، جیسا کہ ملا ولی اللہ فرنگی محلی اس کے آگے لکھتے ہیں:-

ایں معنی محل خطرہ در خواطر اشقیا گشتہ کہ مبادا ایں بدنہادیہائے ما بسمع بادشاہ رسد و بقہر سلطانی ہلاک شدیم باہم مشورت کردند کہ مولوی را از میان برداریم تا ایں خطرہ دور شود و رفاہ ہم حاصل گردد[2]

عالمگیر کی اتنی عقیدت مندی اور امرائے شاہی کی ملا صاحب کی خدمت میں برابر آمد ورفت اشقیاء کے لیے سبب خوف بن گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان شورہ پشتوں کی بدمعاشیاں بادشاہ کے علم میں آجائیں اور اُن پر قہر شاہی نازل ہو جائے۔ ان اشقیاء نے باہم صلاح و سازش کی کہ ملا قطب الدین کو درمیان سے ہٹا دینا چاہیے تاکہ یہ اندیشہ رفع ہو جائے اور پوری طرح سکون حاصل ہو جائے۔

ان شورہ پشتوں کو محض شک ہوا یا واقعہ بھی یوں ہی پیش آیا کہ قصبۂ سہالی میں ان لوگوں نے جو فساد عرصے سے برپا کر رکھا تھا اُس کی اطلاع ملا صاحب کے ذریعہ بادشاہ کے کانوں تک پہنچ گئی اور قبل اس کے کہ یہ اشقیا قہر سلطانی میں گرفتار ہوں وہ ملا صاحب سے بدلہ لینے کے لیے ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کے الفاظ میں "بطریق ڈاکہ" گھر پر چڑھ آئے[3]

[1] عمدۃ الرسائل للنجاۃ مخطوطہ فرنگی محل لکھنؤ ص ۹۶ [2] ایضاً ص ۹۶ [3] ایضاً ص ۹۶

واقعہ سے متعلق چشم دید بیان یعنی بادشاہ کو پیش کیے جانے والے محضر کے یہ جملے بھی اس سلسلے میں بیحد اہم ہیں:-

و نعش مولوی را جابجا مدفون کردند بر آوردند آخر بعد سہ روز ہر دو دست بریدہ گرفتند و نعش بہ قصبۂ سہالی فرستادند۔

ملا قطب الدین کی لاش کو ایک جگہ دفن کرتے پھر نکالتے پھر دوسری جگہ دفن کرتے پھر نکالتے رہے بالآخر تین دن کے بعد ملا صاحب کی لاش کے دونوں ہاتھ کاٹ کر رکھ لیے اور لاش قصبۂ سہالی بھجوا دی۔

لاش کے دونوں ہاتھ کاٹ لینے کو محض "مثلہ" کی شقاوت تک محدود نہیں رکھا جا سکتا، یہ وحشیانہ حرکت ضمناً اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اشقیا کے غیظ و غضب کا جو سبب تھا اس میں ملا صاحب کے ہاتھوں کا دخل ان اشقیاء کی نظر میں کم از کم ضرور تھا۔

سند اور قیاس سے یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب کی کسی تحریر سے یا اُن اُمرائے شاہی کی زبانی جو ملا صاحب کی خدمت میں بادشاہ کے بھیجے ہوئے آیا کرتے تھے، قصبۂ سہالی کے ان شورہ پشتوں کا حال بادشاہ کے علم میں آچکا تھا، اسی لیے:-

وقائع نگار چوں واقعہ بہ بادشاہ کہ دراں ایام بہ دکن رونق بخش بود نوشت فی الفور احکام بادشاہی بصوبہ داران آں نواح رسید کہ زود قاتلان مولانا قطب الدین مرحوم را بسزا رسانند و خانہائے ایشاں برکنند و ہرگز از آنجا پایند بگذرند[1]

جب شاہی خبر رسانوں نے ملا قطب کے واقعہ شہادت کی اطلاع بادشاہ عالمگیر کو جو اس زمانہ میں دکن میں تھا لکھ بھیجی تو فی الفور شاہی احکام صوبہ داران علاقہ کو موصول ہوئے کہ ملا قطب الدین کے قاتلوں کو جلد از جلد سزا دی جائے، ان کے گھروں کو

[1] عمدۃ الرسائل للنجاۃ مخطوطہ فرنگی محل لکھنؤ ص ۹۶

مسمار کر دیا جائے اور قاتلوں میں سے جو بھی

ہاتھ آئے اس کو قتل کر دیا جائے۔

ملا ولی اللہ فرنگی محلی جن کی کتاب عمدۃ الوسائل (قلمی) کے اقتباسات اُوپر دیے گئے ہیں اسی صدی کے آخر میں پڑھ لکھ کر فارغ ہو چکے تھے جس صدی کے آغاز میں حادثۂ شہادت پیش آیا تھا، محضر اور ملا ولی اللہ فرنگی محلی کی تصریحات، زیرِ بحث مسئلہ میں اس لیے قابلِ ترجیح ہیں کہ ایک [illegible] بیان ہے، دوسرا [illegible] مؤرخ اور تراجم و رجال کا ماہر عالم اور مصنف ہے جن کی ثقاہت [illegible] ہے، رسالۂ قطبیہ (قلمی) کے مصنف بھی ملا قطب الدین شہید کے احفاد میں ہیں اور ملا ولی اللہ سے ایک پشت اوپر ہیں، لیکن رسالۂ قطبیہ کی تصنیف اور ملا ولی اللہ کی اس تصنیف کے درمیان صرف ۹ سال کا فرق ہو، رسالۂ قطبیہ ۱۱۲۰ھ میں تمام ہوا اور ملا ولی اللہ کی کتاب [illegible] میں مکمل ہوئی اور بحیثیت مصنف و مؤرخ ملا ولی اللہ ثقہ اور اثبت ہیں۔

بے جا نہ ہوگا اگر تاریخی دستاویز کی حیثیت سے اس محضر کو مکمل طور پر یہاں نقل کر دیا جائے جو اورنگ زیب کو پیش کیا گیا تھا، اس لیے بھی اس کی نقل کو محفوظ کر لینا مناسب ہے کہ تقریباً تین صدی قدیم اس محضر کا کاغذ اپنی عمر پوری کر چکا ہے، امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کم مگر دیمک کی وجہ سے بہت زیادہ بوسیدہ ہو جانے کے بعد اب اس کا حرف بحرف پڑھنا سخت دشوار ہوتا جا رہا ہے، کچھ دنوں کے بعد تو محال ہی ہو جائے گا اور یہ قدیم دستاویز کالعدم ہو جائے گی۔

محضر کا پورا متن بچھتر عمائدینِ جوار اور ارکانِ وقت کے دستخط کے ساتھ حسبِ ذیل ہے:۔

متن کے بارے میں ایک بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ اس میں ہر جگہ ملا نظام الدین کا نام "نظام الدین محمد" قلم بند ہوا ہے۔ خود ملا نظام الدین نے ہر اس جگہ اپنا نام تحریر کیا ہے جیسے خطوط وغیرہ میں، وہاں "نظام الدین احمد" تحریر کیا ہے، اس لیے اصلی نام وہی قرار پاتا ہے جو خود انھوں نے تحریر کیا ہے، محضر میں غلطی ہو سکتی ہے۔ بہرحال منقول متن میں ان کے نام کی حد تک "احمد" کی جگہ "محمد" لکھ دینے کی جسارت کی گئی ہے۔

عبارت محضر حضرت ملا محمد سعیدؒ ملا نظام الدینؒ محمد و ملا محمد رضاؒ پسران ملا قطب الدین شہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

بحکم آیۂ کریمہ لا تکتموا الشہادۃ و من یکتمہا فانہ اٰثم قلبہ

سوال می کنیم و گواہی میدہیم ما جماعۂ ستم رسیدگان محمد سعید و نظام الدین محمد و محمد رضا پسران شیخ قطب الدین ساکن قصبۂ سہالی سرکار لکھنؤ صوبۂ اودھ از قضاتِ اسلام و مشائخ کرام و جمہور انام برایں معنی کہ بر اکابر و اصاغر ایں دیار روشن و مبرہن است کہ مولوی مذکور کہ موصوف بکمالات انسانیہ و فضائل علمیہ و عملیہ و حافظ قرآن مجید بودند، و غیر از اشتغال بدرس و تکرار با طلبۂ علوم دینیہ و عبادت و طاعت کاری نداشتند، در اوقات فراغ از درس و عبادت بتصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول می پرداختند۔ بتاریخ نوزدہم شہر رجب المرجب ۲۵ سنہ مطابق روز دوشنبہ بر عادت قدیمہ از نماز فجر و وظائف فراغ اندوختہ در مدرسہ آمدہ بدرس جمعی از فضلاء حاضر الوقت مشغول شدند۔ چون دو گھڑی روز بر آمد، اسد اللہ و باستر و حمایت اللہ و غضنفر و بیرم وغیرہ زمینداران پرگنہ فتحپور دیوی و علی اکبر عرف بھولے و محمد شفیع و محمد تقی و شاہ پور، حامد، باقر و پیر محمد سکنہ روزہ علاء پرگنہ سہالے و نور محمد و غلام محی الدین و لبادن و سہادن ساکنان قصبۂ سہالی و فقیر اللہ و شفیع اللہ متوطن قصبہ دیوی با نور ساکن موضع اسینی معمولہ پرگنہ محلود وغیرہ زمینداران گروہ و پیش مدرسہ و خانہ مولوی را محاصرہ نمودند و از ہر چہار طرف دیوار نقبہا زدہ

اندرون در آمدند و مولوی را یک زخم تیر و یک زخم تفنگ و ہفت ضرب شمشیر ورودی
رسانیدہ شہید ساختند و شیخ غلام محمد نبیرۂ زبدۃ الاولیا بندگی شیخ نظام الدین
ساکن امیٹھی دو نگو و شیخ عزت اللہ ساکن سندیلہ کہ برای خواندن فاتحۃ الفراغ در
خدمت بودند نیز از دست ظلمۂ مذکورین شہید شدند، و محمد آصف چودھری سہالے
بازکس برای مدد مولوی رسیدہ با ہمراہیان خود شہید شد، بندہ محمد سعید و جمعی از طلبۂ شیخ
فضل اللہ برادر نائب قاضی عبداللہ قاضی سہالے وغیرہ زخمی شدند پس از انکہ ظلمہ
مذکورین از قتل و سفک دما فارغ شدند بنہب اموال واسعہ کہ در حویلی بود پرداختند
چنانچہ اثری ازان نگذاشتند و کتب مولوی را و غیرہ مردم کہ بتقریب درس قریب ہنصد جلد
مجتمع بود اکثری ازان آتش دادہ سوختند و دران میان مصحف مجید چہار جلد و مشکوۃ وغیرہ
از کتب حدیث و مصنفات مولوی حاشیۂ توضیح و شرح عقاید نسفیہ و تعلیقات بر دوی
و حاشیۂ مطول وغیرہ و کتب کہ کثیرا بقلم و خشتی بر فواید جمہ بودند ہمہ سوختہ شد و ہمہ
را بہ داشتہ بردند و با مستورات مولوی و برادران با انواع جنگ حرمت پیش آمدند پس
ازیں مراتب بر خانۂ شیخ حسام الدین و عم زادۂ حقیقی مولوی وغیرہ برادران و مردم غربای
سلنہ سہالے نیز ریختہ مال و متاع ہرچہ بود بغارت بردند چون وقت دو پہر از کارہای مسطور
فارغ شدند و مراجعت بمسکن خود ہا کہ موضع بیتی پور معمولہ پرگنہ فتحپور دیوی وغیرہ باشد
نمودند بندہ نظام الدین محمد پسر خورد مولوی را اسیر کردہ ہمراہ گرفتہ و نعش مولوی و سر محمد
آصف چودھری نیز با خود ہا بموضع مذکور بردند بعد از سہ چہار روز از الحاح و عجز بعضی از
شرفای فتحپور دیوی بندہ نظام الدین محمد را اخلاص نمودہ و سر محمد آصف را دادند و نعش
را جا بجا دفن میکردند وی بر آوردند آخر بعد شدہ روز ہر دو دست بریدہ گرفتہ و نعش را
بقصبۂ سہالی فرستادند چنانچہ جمعی از مسلمین نماز جنازہ خواندہ بتاریخ بست و ہفتم شہر
مذکورہ در قصبہ سہالے مدفون ساختند۔

(۱) گواہ شد مسعود
(۲) مہر جو کرم خوردگی سے ضائع ہوگئی
(۳) مہر بسیر حصہ
(۴) گواہ شد، مہر خلیل الرحمن رضا جد
(۵) مہر ابو الخیر نبیرہ شاہ عالم مسطور حق
ولاریب است
(۶) مہر عبارت کرم خوردہ
(۷) انچہ دریں مسطور (آگے ضائع ہوگیا)
(۸) مہر و عبارت ضائع شدہ
(۹) شہد بما فیہ (مہر پڑھی نہ جا سکی)
(۱۰) در قتل مولوی مقتول حسب الحق شک
نیست مہر محمد فاضل
(۱۱) حسام الدین عثمانی خاکپا، احمد است.
در قتل مولوی مرحوم وغیرہ از طلبۂ علوم
و نہب اموال و احراق کتب و مصاحف
و دیگر قبائح از جماعت مسطورہ ریب و
شکے نیست
(۱۲) شہد بما فیہ غلام نظام الدین
(۱۳) مہر شاہ عالم ذالک الکتاب لاریب فیہ
(۱۴) مہر قل ان الفضل بید اللہ یوتیہ
من یشاء، انچہ در متن مسطور است
بیان واقع است
(۱۵) الواقع کذلک (مہر پڑھی نہ جا سکی)
(۱۶) مہر عبد الرب فدوی شاہ عالمگیر
(۱۷) مہر عبد الرحمن بقیا الشرع، در شہادت
مولوی مرحوم وغیرہ از طلبۂ علوم و نہب
اموال و کتب و غیرہ و دیگر قبائح از
فجرہ و فسقہ شکے و شبہ نیست
(۱۸) مہر امان اللہ صدر عالمگیر شاہی، در
صدور قتل مجتہد زمانہ مولوی مرحوم وغیرہ
از طلبۂ علوم و نہب اموال و احراق
مصاحف مجیدہ و کتب و غیرہ و دیگر از
قبائح مسطورۃ المتن از فجرہ و فسقہ و
مسطورین شکے و شبہ نیست
(۱۹) مہر عبد اللہ خادم شرع رسول اللہ،
مسطور متن بیان واقع است
(۲۰) مہر دولت خادم شرع محمدی، المسطور
فی المتن حق
(۲۱) مہر مسعود ابن قاضی نعمت اللہ خادم
شرع رسول اللہ مسطور متن واقع است
(۲۲) مہر محمد نافع بندہ بادشاہ عالمگیر،
الواقع کذا

(۲۳) مہر عبد الکریم خادم الطلبہ شہد بما فیہ

(۲۴) مہر رحمت اللہ و برکاتہ گواہ شد

(۲۵) مہر نور محمد شہد بالمسطور فی المتن

(۲۶) مہر نصر اللہ حمایت اللہ، واقعہ
شہادت قطب عالمیان قدس!
جماعۃ فضلا وغیرہم المسطور فی
المتن از دست مفسدین الفاجرین
المرتومین راست وحق است و
سوختن کلام اللہ واحادیث وغیرہ
بیان واقع است کتبہ نصر اللہ
حمایت اللہ فتحپور

(۲۷) مہر ظہور بالعالم فیہ بیقین وجہ الحق
شہد بما فیہ

(۲۸) مہر محمد تقی، شہد بما فیہ

(۲۹) محمد شریف، گواہ شد

(۳۰) محمد فریدالدین فتحپوری، شہد بما فیہ

(۳۱) مہر محمد یوسف اعظم عثمانی (قلم سے بھی
نام لکھا ہے) شہد بما فیہ

(۳۲) مہر محمد کمال الدین

(۳۳) مہر یا کریم القدیر الواقع کذالک
عبد الکریم فتحپوری

(۳۴) الواقع کذالک کتب العبد الحقیر
محل الدین محمد فتحپوری

(۳۵) مہر عبدہ مبارک محی الدین، وقف علیہ
محی الدین فتحپوری

(۳۶) مہر محتسب از زانفے ابن نعمت اللہ
خادم شرع رسول اللہ مسطور المتن
حق است وبیان واقع۔

(۳۷) اطلع علیہ فقیر محمد نعیم عفی عنہ الکریم

(۳۸) مہر ہدایت اللہ قادر گواہ شد

(۳۹) چوں بیان واقع است بنابران گواہ شد
محمد حیدر رسولپوری

(۴۰) مہر عبدہ جعفر ابن زین الدین حسینی

(۴۱) گواہ شد شیخ قطب متولی پرگنہ سلک
(نیچے مہر جو پڑھی نہ جا سکی)

(۴۲) مہر ولی میاں غلام احمد مصطفےٰ۔
شہد بما فیہ

(۴۳) گواہ شد محمد ماہ عرف اوبادی ساکن
رسولپور (مہر محمد ماہ حسینی)

(۴۴) مہر تاج محمود (چوں بیان
واقع است بنابران گواہ شد۔
تاج محمود مارات کنتوری)

(۴۵) در تعدی زمینداران مسطور وشہید
کردن مولوی وغیرہ طلبۂ علوم مذکور ہیچ
شک وشبہ نیست بنابران گواہ شد سید
نور اللہ چشتی۔

(۴۶) مہر آل علی اکبر گواہ شد سید
علی اکبر کنتوری

(۴۷) مہر عصمت اللہ بندۂ درگاہ،
گواہ شد عصمت اللہ ساکن موضع تیرہ

(۴۸) مہر یا جامع المتفرقین گواہ شد
سید جامع کنتوری

(۴۹) مہر نور اللہ بندہ نور محمد۔ گواہ شد
حاضر الوقت نور محمد سوداگر

(۵۰) مہر کریم الدین (مہر کا اوپر کا حصہ
پڑھا نہیں جا سکا) گواہ شد کریم الدین

(۵۱) مہر غلام حسین۔ گواہ شد سید
غلام حسین کنتوری

(۵۲) مہر لطف محمد امین شد ظریف۔
گواہ شد محمد ظریف سہ مہدی

(۵۳) مہر عبدہ درسول۔ گواہ شد
عبد الرسول رسولی

(۵۴) مہر رحمت عزیز۔ گواہ شد علی محمد (لفظ کا
لفظ پڑھا نہ جا سکا) مولوی محمد علی

(۵۵) مہر عطاء اللہ شہد بما فیہ شیخ
عطاء اللہ

(۵۶) گواہ شد امان اللہ بسرم

(۵۷) مہر غلام محی الدین۔ گواہ شد
غلام محی الدین اوناسی

(۵۸) مہر مبارک شریف گواہ شد مبارک جیوری

(۵۹) شہد بما فیہ محبت اللہ برادر قاضی
ولی محمد (آخری لفظ پڑھا نہ جا سکا)

(۶۰) ما فی المتن بیان واقع کتب
رفیع الدین بلگرامی مہر عبدہ رفیع الدین

(۶۱) شہد بما فیہ (مہر محمد برکت مصطفےٰ)

(۶۲) گواہ شد سید محمد عارف بلگرامی

(۶۳) مہر صدیق اکبر مکارم بروئے بیان
واقع است

(۶۴) شہد بما فیہ شکر اللہ چودھری پرگنہ
حسام پور

(۶۵) مہر عبد الجلیل عیوض محمد شہد بما فیہ
عبد الجلیل عیوض محمد ابن نظام الدین بہتم

(۶۶) مہر صابر علی بخشش حق از حق یافت
گواہ شد صابر بیگ متوطن قصبہ سہالی

(۶۶) مہر حسام الدین عالم (دستخط ناخواندہ جا سکا) شہد بجانبہ

(۶۸) گواہ است شاہ میر شاہ عالم ساکن قصبہ سہالی مسطور

(۶۹) الواقع کذالک کتبہ شیخ احمد سندیلوی بخطہ

(۷۰) الواقع کذالک میر شاہ محمد سندیلوی بخطہ۔

(۷۱) مہر شاہ محمد ہدایت اللہ

(۷۲) گواہ شد عزت اللہ سندیلوی

(۷۳) مہر جس میں لفظ لطف سمیع پڑھا جا سکتا ہے

(۷۴) گواہ شد محمد معصوم ساکن سندیلہ

(۷۵) مہر بندہ دوست محمد۔ گواہ شد دوست محمد فتحپوری[۱]

نسب ملا قطب الدین شہید، نسباً انصاری سکناً سہالوی اور اصلاً مدنی تھے، خاندانی شجرے کی نقلوں کے درمیان جزوی اختلافات کے باوجود یہ امر متفقہ ہے کہ ملا قطب الدینؒ میزبان رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حضرت ابو ایوب انصاری مدنی رضی اللہ عنہ کی نسل میں بواسطہ شیخ الاسلام ابو اسماعیل حضرت عبد اللہ انصاری ہروی تھے۔

نسب ناموں میں جزوی اختلافات بہت عام بات ہے۔ علمائے فرنگی محل نے ان اختلافات کو رفع کرنے میں "تحقیق بسیار و تدقیق بے شمار" سے ہر زمانے میں کام لیا ہے، جس کی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں، بہرحال ملا قطب الدین شہید کے والد ماجد کا نام ملا عبد الحلیم تھا ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بعض کتابیں آج بھی محفوظ ہیں، جن میں سے ایک مخطوطہ کا ترقیمہ یہ ہے:۔

"تمام شد نسخۂ سبعیات[۲] بخط احقر الانام عبد الحلیم بن عبد الکریم بن شیخ احمد بن شیخ حافظ انصاری ساکن قصبۂ سہالی سرکار لکھنؤ بتاریخ ۵ ماہ شہر محرم یوم سہ شنبہ وقت ظہر در مقام

---

[۱] کرم خوردہ اور خفی شکستہ خط میں لکھا ہوا یہ محضر عام طور پر پڑھا نہیں جاتا۔ الحاج چودھری محمد عظیم الدین اشرف (سابق تعلقدار سپیاد ضلع بارہ بنکی) نے بڑی محنت اور دقت نظر سے کام لے کر اس کو پڑھا اور نقل کیا اور اس کی نقل مجھے مرحمت فرمائی۔ محمد رضا انصاری

[۲] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

لاہور ۱۰۲۹ھ"

خاتمۂ کتاب پر ملا عبد الحلیم کی مہر ہے جس کی عبارت اس طرح ہے "خاک راہ اہل حق عبد الحلیم بن عبد الکریم" اسی طرح ان کی لکھی ہوئی دوسری کتاب کا ترقیمہ یہ ہے: "هذا الکتاب المسمیٰ مقصود الفاصدین بخط عبد الحلیم بن شیخ عبد الکریم فی وقت الظهر من یوم السابع عشر من ذی القعدة ۱۰۲۸ھ بلدہ لاهور"

خاتمۂ کتاب پر مہر بھی ہے جس کی عبارت وہی "خاک راہ اہل حق عبد الحلیم بن عبد الکریم" ہے۔

ملا قطب الدین شہید کے آباؤ اجداد میں سے چار مسلسل ناموں کا علم ملا عبد الحلیم کی اس تحریر سے ہوا، یعنی عبد الحلیم (باپ) عبد الکریم (دادا) شیخ احمد (پردادا) اور شیخ حافظ انصاری (سگڑدادا) یہی ملا حافظ وہ ہیں جو کہ خاندان فرنگی محل میں "دادا حافظ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ "دادا حافظ" کے نام جو بڑے عالم اور مدرس تھے، اور جن کے پاس دور دور سے طلبہ تحصیل علم کے لیے آتے تھے، شہنشاہ اکبر نے بڑے رقبۂ زمین کی معافی کا ایک فرمان جاری کیا تھا، جو اب تک خراب و خستہ حالت میں مولانا جمال میاں صاحب کے پاس محفوظ ہے، اس اکبری فرمان میں شیخ حافظ انصاری کا نام شیخ حافظ ولد فضل اللہ لکھا ہے، اس طرح ملا قطب شہید کے نسب نامہ میں پانچواں نام یعنی شیخ فضل اللہ بھی مستند ذرائع سے شامل ہو گیا۔[۱]

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) "سبعیات" شیخ ابو نصر محمد بن عبد الرحمن الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جس میں سات کے عدد کی اللہ تعالیٰ کے یہاں اہمیت اور فضیلت کو ثابت کیا گیا ہے، مثلاً بحث اس طرح ہے کہ سات چیزیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں سے مزین کیا ہے، پھر ان سات چیزوں کو دوسری سات چیزوں سے مزین کیا، تاکہ عالموں یا عاملوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سات کے عدد کی کیا اہمیت ہے۔

[۱] اکبر کے ذکر، فرمان کا خاندانی تذکروں میں بھی ذکر ہے اور اپنے بچپن میں میں نے بچشم خود اس کو دیکھا تھا جو مولانا عبد الباقی فرنگی محلی کے فرزند مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محلی کے پاس تھا۔ جمال میاں صاحب کے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد (باقی اگلے صفحہ پر)

مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصان اربعہ (مطبوعہ)[1] میں لکھا ہے:۔

باید دانست کہ حضرت مولانائے شہید در خاتمۂ کتاب تلویحات کہ بخط خاص خود رقم فرمودہ است نسب خود بایں طور نوشتہ قطب الدین ابن عبدالحلیم بن عبدالکریم بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدھ بن نظام الدین بن علاء الدین الانصاری تا اینجا در نسب اختلاف نیست۔ جد ہم وے قدس سرہ شیخ علاء الدین را از احفاد خواجہ عبداللہ الانصاری کہ شیخ [illegible] و پیر طریقت و حضرت خواجہ معروف است مزار وے در شہر ہرات واقع است زیارتگاہ متبرک۔ وے را قدس سرہ شیخ الانصار ہم می گویند و نسب شریفش را تا بہ ابوایوب انصاریؓ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسانیدہ اند[1]

ملا قطب الدین شہید نے کتاب تلویحات کے خاتمہ پر جو خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اپنا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے قطب الدین بن عبدالحلیم بن عبدالکریم بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدھ بن نظام الدین بن علاء الدین الانصاری۔ یہاں تک نسب نامے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور حضرت ملا صاحب شہید نے شیخ علاء الدین انصاری کو خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد سے جن کو شیخ الطائفہ، پیر طریقت اور حضرت خواجہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، بتایا ہے۔ حضرت خواجہ کا مزار ہرات میں ہے جو زیارت گاہ اور متبرک ہے۔ حضرت خواجہ کو شیخ الانصار بھی کہتے ہیں۔ ان کا (حضرت خواجہ کا) نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ تک جو آنحضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) .... مولانا محمد میاں صاحب کے پاس تمام دستاویزیں اور فرامین محفوظ ہیں مگر اکبر کا یہ فرمان ان کی فہرست میں دستیاب نہیں ہوا ممکن ہے جو جمال میاں صاحب کے ساتھ منتقل ہو گیا ہو۔ جمال میاں صاحب کے مسلسل اصرار نیز ہندوپاکستان کے درمیان مراسلت کی غیر یقینی صورت حال نے فرمان کے سلسلے میں اس وقت جب کہ ضرورت واقعی ہوئی ہے مزید استفسار کا موقعہ ہاتھ آنے نہیں دیا۔ محمد رضا انصاری

[1] اغصان اربعہ مطبوعہ (مطبع کارنامہ واقع دارالعلوم (اصل) فرنگی محل ۱۲۹۸ھ) ص۳

صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف میں میزبان تھے، پہونچایا ہے۔

ملا محمد عبدالباقی الانصاری فرنگی محلیؒ مہاجر مدنی (وفات ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء) نے اپنے رسالہ قرۃ الاعیان[1] فی نسب قطب الانصار (قلمی) میں لکھا ہے:۔

نیز راقم الحروف بخط ملا قطب الدین شہید ہم در خاتمۂ شرح چغمینی کہ بقلم خود تحریر فرمودہ اند ہم بالاشارہ دیدہ[1]

میں نے بھی یہی نسب نامہ جو ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصان اربعہ میں ملا قطب الدین شہید کی لکھی ہوئی کتاب تلویحات سے نقل کیا ہے، ملا قطب الدین شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا شرح چغمینی کے آخر میں خود دیکھا ہے اور یہ شرح چغمینی ملا قطب الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

ملا عبدالباقی فرنگی محلی نے اسی رسالے میں استاذ الہند ملا نظام الدین کا ایک محققانہ جواب بھی اس سلسلے میں نقل کیا ہے:۔

گفتہ اند کہ نسابۂ از ہرات پیش حضرت ملا نظام الدین آمدہ بود گفت کہ عبداللہ انصاریؒ پسرے نداشت آرے یک بچہ را از سادات پرورش نمودہ چونکہ شیخ الاسلام مشہور بود آں بچہ را بوے نسبت نمودند فی الحقیقت اولاد سادات ہستند ملا فرمودہ

ہرات سے ایک ماہر نسب ملا نظام الدین کے پاس آیا اور اس نے کہا شیخ الاسلام حضرت عبداللہ الانصاری کے کوئی صاحبزادے نہیں تھے، انھوں نے ایک بچہ کو جو سادات میں تھا پرورش فرمایا تھا چونکہ شیخ الاسلام مشہور شخصیت تھے اس بچے کو ان ہی سے

[1] قرۃ الاعیان فی نسب قطب الانصار از ملا عبدالباقی فرنگی محلی مخطوطہ ص۳

اگر ایں درست است روز قیامت اما سود باشد کہ در حدیث است کل نسب وصہر منقطع یوم القیامۃ الا نسبی وصہری در دنیا گفتہ یک کس کہ حال صدق وکذب او ہم مجہول است نسب مشہور را چرا بطور تغیر دہم[1]

منسوب کر دیا گیا تھا، در حقیقت وہ سادات کی اولاد تھا، ملا نظام الدین نے فرمایا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا نفع روز قیامت اٹھایا جائے گا، اس لیے کہ حدیث میں ہے: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز سب نسب اور سب رشتے سوائے میرے نسب و رشتے کے ٹوٹ جائیں گے۔" دنیا میں محض ایک شخص کے کہنے سے جس کے صدق و کذب کا حال بھی تحقیق سے معلوم نہیں، میں کیسے مشہور نسب نامہ میں تغیر و تبدیل کر دوں؟

ملا نظام الدین کے بڑے پوتے ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی (وفات سنہ ۱۲۰۰ھ) نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اور ملا صاحب کا جواب مختصر طور پر اس طرح نقل کیا ہے:

مولانا عارف جواب داد کہ خبر مشہور را بخبر واحد نباید گذاشت[2]

مولانائے عارف (یعنی ملا نظام الدین) نے جواب دیا کہ خبر واحد کی بنا پر خبر مشہور کو ٹھکرایا نہیں جانا چاہیے۔

ملا قطب شہید کے اجداد میں ملا نظام الدین بن ملا علاء الدین (ساتویں پشت) سب سے پہلے سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں آکر قیام پذیر ہوئے، سہالی ہی میں ان کا مزار ہے جو ان کی نسبت سے "روضہ" کہلاتا ہے۔

---

[1] قرۃ الاعیان فی نسب قطب الاقطاب مخطوطہ فرنگی محل ص

[2] " " قطب مخطوطہ ص

ملا قطب کی ولادت اسی قصبہ سہالی میں ہوئی اور تخمیناً سنہ ۱۰۴۰ھ ان کا سنہ ولادت ہے، تذکرہ نویسوں نے تاریخ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی نے رسالۂ قطبیہ (قلمی) میں ملا قطب شہید کے بارے میں لکھا ہے:

اکثر دعائے شہادت خود می کرد، و در طلب عمر مسنون می نمود، مستجاب شد[1]

ملا قطب شہید اکثر اپنی شہادت کی تمنا کرتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کی دعا فرمایا کرتے تھے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔

ملا قطب کی شہادت سنہ ۱۱۰۳ھ میں ہوئی، اس میں سے ۶۳ سال جو عمر نبوی ہے، وضع کرنے سے قریب قریب سنہ ۱۰۴۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

ملا قطب شہید کے والد ملا عبد الحلیم سنہ ۱۰۴۹ھ اور سنہ ۱۰۵۱ھ میں یقیناً لاہور میں تھے، جیسا کہ انکی مخطوطہ کتب کے ترقیموں سے ظاہر ہے، انھوں نے لاہور میں ملا عبد السلام دیوی سے جو لاہور کے مدرسے میں مدرس تھے، پڑھا تھا، اور پھر انہی کے مدرسے میں مدرس بھی ہو گئے، مولانا عبد الباری فرنگی محلی (وفات سنہ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے تاریخ فرنگی محل (قلمی) میں لکھا ہے:

"ملا عبد الحلیم نے ملا عبد السلام ساکن قصبہ دیوا سے تحصیل علوم کیا، اور لاہور کے مدرسے میں مدرس رہے، بلکہ ان کا لکھا ہدایہ لاہور میں تمام ہوا ہے جس کے آخر میں لکھتے ہیں (ترجمہ عربی عبارت کا یہ ہے)

"تمام ہوا النصف آخر ہدایہ بخط عبد ضعیف محتاج الی رحمۃ ربہ الغنی العظیم محمد عبد الحلیم بن عبد الکریم الانصاری ساکن قصبہ سہالی من مضافات شہر لکھنؤ ساتھ پڑھنے ہدایہ کے خدمت میں استاد علمائے عصر حجۃ الفضلاء الفحول فی المعقول والمنقول لاسیما فی الفقہ والاصول حضرت شیخ

---

[1] رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص

عبدالسلام الاعظمی بوقت عصر بروز چہارشنبہ ۲۰ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۰۵۰ھ بلدۂ دار السلطنت لاہور میں ہوا، اور اس پر ان کے حواشی بھی ہیں۔ ان کی فقہ و زہد کی طرف بہت توجہ تھی، اس وجہ سے ان کو علمائے ربانیین میں شمار کرتے ہیں، وفات فرمائی انھوں نے سہالی میں اور وہیں دفن ہوئے۔[1]

ملا قطب شہیدؒ بچپن میں اپنے ننھیال قصبہ گڑھی بجلول (ضلع بارہ بنکی) میں بھی رہے یعنی اپنی عمر کے گیارھویں بارھویں سال تک اور اسی عمر میں ننھیال ہی میں شاہ حمید ابدالؒ کی توجہ خاص سے مختص ہوئے۔

ثقات گفتہ اند کہ مولانا در ایام طفولیت بخانۂ جد خانہ خود کہ ملک حمزہ نام داشت رفتہ بود و ملک مذکور بخدمت شاہ حمید ابدال رسوخ و نیاز تمام داشت بداں جہت مولانا را نیز ہمراہ خود بخدمت ایشان بردہ، شاہ حمید قدس سرہ چوں شکل مولانا از دور دید بغایت شادمانی نزد خود طلبید و در آغوش خود گرفت الطاف فراواں نسبت ایشان مبذول داشتہ پس دست بر شکم مولانا نہادہ فرمود کہ علم در شکم ایں طفل پر ساختہ ام چند انگشت در پشت در خانۂ ایں ہمیں عنوان طریقۂ علم خواہد ماند بعد ازاں

معتبر حضرات کا بیان ہے کہ مولانا قطب الدین بچپن میں اپنے نانا کے یہاں جن کا نام ملک حمزہ تھا (قصبہ گڑھی بجلول ضلع بارہ بنکی) گئے ہوئے تھے، ملک حمزہ کو شاہ حمید ابدال کی خدمت میں انتہائی عقیدت اور رسوخ تھا، اسی لیے جب وہ شاہ حمید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نواسے ملا قطب الدین کو بھی ہمراہ لے گئے، شاہ صاحب نے دور ہی سے مولانا کی شکل دیکھتے ہی دعا دی کہ مولانا کا بچپن تھا، انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ پاس بلایا اور اپنی گود میں لے لیا،

---

[1] تاریخ فرنگی محل منظوم بخط مصنف حضرت ادہمی مخطوطہ کا حوالہ مولانا عبدالباریؒ نے دیا ہے، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے "فرنگی محل کلکشن" میں محفوظ ہو۔

پرسیدند شما چہ می خوانید مولانا عرض ساخت کافیۂ شیخ ابن حاجب ..... شاہ صاحب موصوف قدس سرہ بعد ازاں مولانا را چیزے بطریق تبرک عنایت فرمودہ رخصت نمودہ تاکید کسب علوم فرمودند۔[1]

بے اندازہ شفقتیں فرمائیں، اس کے بعد مولانا قطب کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اس بچے کے پیٹ کو علم سے بھر دیا گیا ہے، پشت در پشت اس کے گھرانے میں اسی طرح سے علم کا چلن رہے گا۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا "کیا پڑھتے ہو؟" مولانا نے جواب میں عرض کیا "شیخ ابن حاجب کی کافیہ"...... اس کے بعد شاہ حمید ابدال قدس سرہ نے بطور تبرک کوئی چیز مرحمت فرما کر مولانا کو جانے کی اجازت دی اور تحصیل علم کی سخت تاکید فرمائی۔

ملا قطب شہید جو کافیہ شیخ احمد بن حاجب تک پڑھ چکے تھے، اپنے والد ماجد کے پاس بغرض تکمیل تعلیم لاہور گئے۔

تا مدتے ہمراہ والد خود در لاہور ماندہ دراں ملک تحصیل نمودہ و بتدریس اکثر علوم در مدرسہ ملا عبدالسلام دیوی کہ درآں ایام درس آنجا بود تکمیل فرمود غرض در ہر فن از اصول و فقہ و معانی و منطق و طبیعی و الٰہی و ریاضی

ایک مدت تک اپنے والد کے پاس لاہور میں تحصیل علم کرتے رہے، اکثر علوم کی تعلیم ملا عبدالسلام دیوی (دیوہ ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے) کے مدرسہ میں کی، غرض تمام فنون اصول، فقہ، معانی، منطق، طبیعی

---

[1] عمدۃ الوسائل النجاۃ مخطوطہ ص ۔

دیگر فنون غریبہ کماحقہ و حدیث کمال شد۔[1]

الٰہی، ریاضی نیز دوسرے نادر فنون ریاضی علوم، اور حدیث میں کمال حاصل کر لیا۔

اساتذہ | ملا قطب کے اساتذہ میں ان کے والد ماجد ملا عبدالحلیم کے علاوہ ملا دانیال چوراسی کا اور بعض تذکروں میں ملا عبدالسلام دیوی کا بھی ذکر ہے۔ ملا عبدالسلام دیوی کا "استاد ملا قطب شہید" کے ضمن میں مصنف رسالۂ قطبیہ نے ذکر کرتے ہوئے، خاص باتیں ان کے بارے میں لکھی ہیں:

(۱) مروج علم اصول در ہند بود

(۲) خلاف روایات فتاوی فتوی می داد ہرگاہ با اصول منطبق نمی یافت[2]

(۱) ہندستان میں علم اصول فقہ کو انھوں نے رواج دیا۔

(۲) فتاویٰ کی کتابوں میں درج فتووں کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، اس لیے کہ کتابوں میں درج فتوے اصول فقہ پر منطبق نہیں پاتے تھے۔

بہر حال ملا قطب الدین شہید کا سلسلۂ تلمذ اس طرح ہے: ملا عبدالحلیم و ملا دانیال چوراسی، دونوں نے ملا عبدالسلام دیوی سے، انھوں نے ملا عبدالسلام لاہوری سے، انھوں نے میر فتح اللہ شیرازی سے، انھوں نے خواجہ جمال الدین محمود شیرازی سے، انھوں نے علامہ جلال الدین دوانی سے، انھوں نے علامہ محی الدین کوشکناری اور خواجہ حسن شاہ بقال سے، انھوں نے میر سید شریف جرجانی سے، انھوں نے مبارک شاہ سے اور انھوں نے علامہ قطب الدین رازی سے پڑھا۔[3]

ملا قطب شہید، تذکرہ نویسوں کی صراحت کے مطابق تیس سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون ظاہری میں فارغ ہو کر اپنے والد ماجد کے ہمراہ لاہور سے وطن واپس آ کر قصبہ سہالی میں مسند درس پر بیٹھے اور چالیس سال کی عمر میں حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی چشتی زجودی کے خلیفہ و جانشین قاضی گھاسی

---

[1] عمدة الوسائل النجاة مخطوطہ ص [illegible]۔ [2] رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص [illegible]۔ [3] تذکرۂ علمائے فرنگی محل مصنفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم مطبوعہ مطبع انتظامی العلوم (۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء) ص [illegible]

... وی سے جن کا نام قاضی صدرالدین تھا علوم باطنی حاصل کیے اور سلسلۂ چشتیہ میں ان کے مرید اور مجاز ہوئے، تخمینی حساب سے یہ ۱۱۰۰ھ ہوگا، درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ ملا قطب کا اس قدر وسیع ہوا کہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے بیان کے مطابق:

ہم اساتذہ و مقتدائے جہابذہ معدن معقولات خزانہ نقلیات ملا قطب الدین عمرہا انجمن درس آراست و جہان جہان ارباب تحصیل را بپایۂ تکمیل رسانید و امروز سلسلۂ استفادہ اکثر علمائے کشور ہندوستان بہ او منتہی می شود (ماثر الکرام مطبوعہ)

اساتذہ کے سرگروہ، دانشوروں کے پیشوا، معقولات کی کان، اور منقولات کے خزانے ملا قطب الدین نے ایک عرصے تک مسند درس کو رونق بخشی اور جگہ جگہ کے طلبۂ علم کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ آج مملکت ہندستان کے بیشتر علماء کا سلسلۂ تلمذ ملا قطب الدین تک پہنچتا ہے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے ملا قطب کے سال شہادت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

شخصے مصراع تاریخی در بحر خفیف یافتہ کہ در آں ترکیب توصیفی قطع می شد لہذا فقیر مصراع مادہ در وزن رباعی بردہ سہ مصراع دیگر ضم ساخت۔

ایک شخص نے بحر خفیف میں مصرعۂ تاریخ وفات دریافت کیا تھا جس میں ترکیب توصیفی منقطع ہو گئی تھی، اس لیے فقیر (علامہ آزاد بلگرامی) نے اس مصرع کو رباعی کے وزن میں منتقل کر کے تین مصرعے اس میں اضافہ کر دیے۔

علامۂ بحر زاخر فضل و ہنر | در دامن ارباب طلب ریخت گہر
دل خون شدہ تاریخ وفاتش فرمود | قطب عالم شدہ شہید اکبر (۱۱۰۳ھ)

فضل و ہنر کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، علامۂ روزگار جس نے ارباب طلب کے دامنوں کو موتیوں سے بھر دیا، دل نے خون ہو کر ان کے وفات کی تاریخ یہ کہی: قطب عالم شدہ شہید اکبر (۱۱۰۳ھ)

ملا قطب شہید کی ایک خصوصیت کا تقریباً سب تذکرہ نویس مشترک الفاظ میں ذکر کرتے ہیں،

یعنی "ارباب تحصیل را بہ پایۂ کمال رسانید" (غلام علی آزاد بلگرامی)، "اکثرے را از مرتبۂ شاگردی بدرج استادی رسانیدند" (فرحۃ الناظرین)، "تحصیل فراغ بسیاری از مردان بخدمت ایشان" (عمدۃ الوسا[illegible] جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملا صاحب کا اپنے عہد میں اصلی امتیاز خوبی درس و تدریس تھا، اور اس درس کی خوبی "تحصیل فراغ بسیاری" یعنی جلد فارغ التحصیل کرادینا تھی، "تحصیل فراغ بسیاری از مردان بخدمت ایشان" کا یہ مطلب میں نے سمجھا ہے، دوسرا مطلب "بسیارے از مردان" بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی بڑی تعداد میں لوگ ملا صاحب کی خدمت میں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ اس سے بھی خوبی درس پر ہی روشنی پڑتی ہے۔

تلامذہ! ملا صاحب شہید کے درس کی خوبی، متانت اور اتقان کو ان اجلۂ علماء کے کارناموں سے بھی جانچا جا سکتا ہے، جو ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرکے اُستادی کے درجے تک پہونچے۔ اُن میں سے چند نام تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں:-

(۱) قطب الدین شمس آبادی سکناً و امیٹھوی موطناً (۲) حافظ امان اللہ بنارسی صاحب محکم الاصول (۳) قاضی محب اللہ بہاری صاحب سلم و مسلم (۴) قاضی شہاب الدین گوپاموی (۵) حاجی صفت اللہ خیرآبادی (۶) زین العابدین سندیلوی (۷) قاضی دولت سہالوی (۸) ملک بہاء الدین بلگرامی (۹) میر عبدالہادی بن میر عبدالواحد بلگرامی (۱۰) ملا محمد غوث کاکوروی (۱۱) مولوی اسمٰعیل اورنگ آبادی (۱۲) ملا محمد اسعد فرزند اکبر ملا قطب شہید (۱۳) ملا محمد سعید (فرزند دوم ملا قطب شہید) اور (۱۴) ملا علی قلی جانشی (غالباً)

یہ تمام تلامذہ اپنے علمی اور تدریسی کارناموں کی بنا پر علیحدہ علیحدہ عنوانِ گفتگو بننے کے مستحق ہیں۔ مگر اس کا یہ محل نہیں ہے۔ ملا قطب کے ایک شاگرد کا جو دوسرے پہلو سے تاریخ میں محفوظ رہ گئے اور ان علمی شخصیتوں کے ساتھ تذکرہ نگاروں نے نام نہیں لیا ہے، یہ ہیں غلام مصطفےٰ متخلص بہ انسان کنبوہ مرادآبادی "سرو آزاد" میں علامۂ بلگرامی نے ان کا بحیثیت شاعر ذکر کرتے ہوئے ان ہی کی زبانی ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے:-

شیخ غلام مصطفےٰ انسان کامل بود و در علوم عقلی و نقلی ممتاز از اماثل، تحصیل معقولات بیشتر از ملا قطب الدین سہالوی نمود و چندے در خدمت شیخ غلام نقشبند لکھنوی تلمذ کرد

شیخ غلام مصطفےٰ انسان علوم عقلیہ و نقلیہ پر حاوی ہونے میں درجۂ کمال کو پہونچے ہوئے تھے، اور ہم عصروں میں ممتاز مانے جاتے تھے، اکثر علوم عقلیہ کی تحصیل ملا قطب الدینؒ سہالوی کی خدمت میں کی اور تھوڑا بہت شیخ غلام نقشبند لکھنوی کی خدمت میں پڑھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

فرمود در ایام طالب علمی با جوانے تعلق خاطر پیدا شد، جوانے در قصبۂ از قصبات سکونت داشت خود را بمسکن محبوب کشیدم و دست از تحصیل باز کشیدم قضارا جوانے فوت شد و من سر بصحرا دادم و رفتے ملا قطب الدین را گزرے بہ آں قصبہ افتاد و از مردم متفقد حال بندہ نمود صورت واقعہ بعرض رسانیدند، فرمود کسے بہ او برود و او را بیارد مردم گفتند او بآبادی زنہار نمی آید حضرت ملا قلم گرفتہ بر شقہ نوشت "اطرق کراء اطرق کراء ان النعامۃ فی القری" ایں کلام افسون عرب است کہ آں جانوران وحشی را صید کنند استعمال ایں کلام دریں مقام نظر بحال شیخ و حضرت ملا کا افتادہ بود

شیخ غلام مصطفےٰ نے خود بیان کیا کہ طالب علمی کے زمانے میں ایک نوجوان سے مجھے عشق ہو گیا تھا، یہ جوان ایک قصبہ کا رہنے والا تھا، میں خود کو اپنے محبوب کے وطن میں کھینچ لایا اور پڑھنے پڑھانے سے دست کش ہو گیا، بدقسمتی سے وہ جوان فوت ہو گیا اور میں جنگل کی خاک چھاننے لگا، ایک دفعہ ملا قطب الدینؒ اس قصبے میں تشریف لائے اور لوگوں سے میرا حال دریافت کیا، جو معاملہ تھا لوگوں نے عرض کر دیا، ملا صاحب نے فرمایا کہ کوئی جا کر اسکو یہاں لے آتا، لوگوں نے کہا کہ وہ بستی میں کبھی نہیں آتے، حضرت ملا صاحب نے قلم اٹھایا اور ایک پرزے پر حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے "اطرق کراء، اطرق کراء ان النعامۃ

بسیار بو خته واقع شد. بمجرد دیدن شقہ سعادت طاعت بخدمت ملا شتافتم و سعادت ملازمت دریافتم۔

فی القری' دیے الفاظ ایک منتر ہیں جن کے ذریعہ اہل عرب جنگلی جانوروں کو قابو میں کیا کرتے ہیں، اس جگہ اس منتر کا استعمال شیخ غلام مصطفےٰ اور حضرت ملا صاحب کے حال کو دیکھتے کہ وہ ان کے استاد تھے نہایت برمحل تھا) یہ پڑھ کر دیکھتے ہی میں دوڑا ہوا ملا صاحب کی خدمت میں بسر و چشم جا حاضر ہوا اور سعادت قدم بوسی حاصل کی۔

شیخ غلام مصطفےٰ انصاری کی وفات علامہ بلگرامی کی صراحت کے مطابق ۱۱۳۲ھ میں ہوئی، ان کی قبر املیوپور میں ہے۔

تصانیف | ملا قطب الدین شہید کی تصانیف کے مطالعہ سے دنیا محروم رہ گئی صرف ان کے نام باقی رہ گئے علامہ آزاد بلگرامی کا کہنا ہے:-

ملا بشرح عقائد علامہ دوانی حاشیۂ دقیقے تعلیق کردہ بود، فتنہ جویان وقت شب خون خانۂ ملا را آتش زدند حاشیۂ مذکور در ضمن اثاث البیت طعمۂ آتش بیداد گردید

(مآثر الکرام)

ملا قطب الدین نے شرح عقائد علامہ دوانی پر بڑی دقت نظر سے ایک حاشیہ لکھا تھا، فتنہ پردازوں نے جب ملا صاحب کے گھر پر شب خون مارا تو گھر کے سامان کے ساتھ یہ حاشیہ بھی بے رحم آگ کا لقمہ بن گیا۔

ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

در ہر فن رسالۂ مضبوط و کتاب مستحکم تالیف فرمودہ اشہر آں حاشیۂ توضیح و شرح عقائد نسفیہ و تعریفات بزدوی و حاشیۂ مطول و رسالۂ

ہر فن میں ایک مضبوط تصنیف اور مستحکم کتاب انھوں نے تحریر فرمائی تھی، ان کی مشہور تصانیف میں حاشیۂ توضیح، حاشیۂ شرح عقائد

تحقیق دار الحرب وغیرہ کتب کثیر الحجم کہ از دست ظلمۂ فتنہ برباد رفتہ شدند۔

نسفی، تعریفات بزدوی کی شرح، حاشیۂ مطول اور دار الحرب کی تحقیق میں ایک رسالہ ہے، یہ سب بڑی ضخامت والی تصانیف ظالم بدمعاشوں کے ہاتھوں برباد ہو گئیں۔

مصنف رسالۂ قطبیہ ملا عبد الاعلیٰ نے لکھا ہے:-

تصانیفش بسیار بود ہمہ مفقود شدند حاشیۂ شرح حکمۃ العین کہ در کتب خانۂ مولائے کامل موجود است و چند اجزائے مسودۂ رسالۂ امور عامہ نیز احیاناً یافتہ شدند و حاشیۂ توضیح تا وقت مولانائے عارف موجود بود حالا مفقود است[1]۔

ملا قطب الدین کی بہت سی تصانیف تھیں سب مفقود ہو گئی ہیں، شرح حکمۃ العین کا حاشیہ ملا بحر العلوم کی کتابوں میں موجود ہے اور امور عامہ کے متعلق ایک رسالے کے چند اجزاء بھی پائے جاتے ہیں، حاشیۂ توضیح ملا نظام الدین کے زمانے تک موجود تھا، اب لاپتہ ہو گیا ہے۔

یہ صورت حال بارھویں صدی ہجری کے آخر کی ہے جو مصنف رسالۂ قطبیہ نے لکھی ہے، محضر جو ملا قطب شہید کے فرزندوں کی طرف سے عالمگیر کو پیش کیا گیا تھا، تحریر ہے:-

قریب نہ صد جلد مجمع بود اکثرے از آں آتش دادہ سوختند دراں میان مصحف مجید چار جلد و مشکوٰۃ وغیرہ از کتب حدیثیہ و مصنفات مولوی حاشیۂ توضیح و شرح عقائد نسفیہ و تعریفات بزدوی و حاشیہ

ظالموں نے ملا صاحب کے کتب خانہ کو جس میں نو سو کے قریب کتابیں تھیں ان میں سے اکثر کو آگ لگا کر جلا ڈالا جن میں قرآن شریف کے چار نسخے، مشکوٰۃ اور حدیث کی دوسری کتابیں اور ملا قطب شہید کی تصانیف حاشیہ

---

[1] صفحہ ۱، رسائل عجالۂ مخطوطہ فرنگی محل [2] رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص

مطول وغیرہ کتب کثیرہ اکثر مشتمل بر فوائد جلیلہ
ہمہ سوختہ شدہ و ہمہ را برداشتہ بردند

توضیح، شرح عقائد نسفیہ، شرح تلویحات
بزدوی اور حاشیۂ مطول وغیرہ شامل تھیں
اور جو بڑی ضخیم اور بہترین مباحث پر مشتمل
تھیں، سب جل گئیں اور جلد اور سب اٹھا
لے گئے۔

بہرحال اس وقت ملا قطب شہید کی کوئی تصنیف نہیں پائی جاتی ہے، ان کی افسوسناک بربادی کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، اس سے علمی دنیا ایک ایسے مصنف اور مدرس کے نقطۂ نظر سے محروم ہو گئی جو تدریسی پہلو سے بلاشبہ عہد آفریں تھا، ملا قطب کے علمی عہد کا آغاز ایسے وقت ہوا جب ہندوستان کے بڑے بڑے مصنفین زندہ تھے جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، میرزاہد ہروی اور حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی قابل ذکر ہیں، ان سب حضرات کا رجحان تصنیف جداگانہ ہے، اگر ملا قطب شہید سہالوی کی تصانیف باقی رہتیں تو علمی حلقوں کو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ ہوتا کہ طریقۂ تدریس میں انقلاب لانے والی اس مقدس ہستی کا رجحان تصنیف کیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "فرنگی محل یا نظامیہ بغداد یا ہندوستان کا کیمبرج" میں ملا قطب الدین شہید کو اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے:-

"تمام ہندوستان بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دو سو برس تک متواتر اور مسلسل بلافصل ان کی نسل سے علماء ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔"

علامہ شبلی نے یہ مضمون جس کا اقتباس دیا گیا ہے ۱۹۱۰ء میں لکھا تھا۔

ملا قطب شہید کا ددھیال سہالی ضلع بارہ بنکی میں اور ننہال گڑھی جھلول ضلع بارہ بنکی میں تھا ان کے نانا ملک حمزہ شہید[1] عباسی گڑھی جھلول کے چودھری تھے، ملا صاحب کی شادی قصبہ بھیرہ ضلع

---

[1] ملک حمزہ عباسی دادا قطب الدین شہید کے حقیقی نانا اپنے سگے بھائی ملک مبارز کے ساتھ حسب حکم بادشاہ وقت شاہجہاں
(باقی اگلے صفحہ پر)

بارہ بنکی میں احرار خاندان میں ہوئی تھی۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنے اسی مضمون میں لکھا ہے کہ "ملا صاحب کی شادی چودھری محمد آصف سہالوی کی لڑکی سے ہوئی تھی" یہ صحیح نہیں ہے۔ چودھری آصف کی بیٹی سے ملا صاحب کے منجھلے بیٹے کا عقد ہوا تھا۔

اولاد | ملا قطب شہید کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، بیٹیوں کی شادیاں گڑھی جھلول اور گھسکر میں ہوئی تھیں۔

بڑے بیٹے ملا اسعد، منجھلے ملا محمد سعید، سنجھلے ملا نظام الدین اور چھوٹے ملا محمد رضا تھے، ملا اسعد اور ملا سعید نے اپنے والد ماجد ہی سے تحصیل علم کی تھی، بڑے بیٹے ملا اسعد اپنے والد کی حیات ہی میں اورنگ زیب کے پاس چلے گئے تھے، اور اپنی بیوی اور خورد سال بیٹے غلام محمد مصطفےٰ کو اپنے والد کے پاس چھوڑ دیا تھا، وہ عالمگیر کے پاس تھے کہ والد ماجد کی شہادت کی خبر موصول ہوئی۔ ملا اسعد پھر وطن واپس نہیں آئے، اغصان اربعہ کے اندراج کے مطابق (ص ۳۳) ملا اسعد برہان پور کے صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کا سال وفات اور مرقد تک معلوم نہیں ہے، ان کا علمی کارنامہ علامہ دوانی کے حاشیۂ قدیمہ پر حاشیہ موجود ہو جو ان کی علمی قابلیت کی قاطع دلیل ہو، جس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے تذکرۂ علمائے فرنگی محل کے مصنف مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہو کہ انھوں نے یہ حاشیہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے کتب خانے میں دیکھا تھا مگر اب مولانا عبدالحی کے ذخیرے میں جو آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی میں منتقل ہو چکا ہے اس کا پتہ نہیں چل پایا۔

منجھلے صاحبزادے ملا محمد سعید ملا قطب کی شہادت کے وقت موجود تھے اور اس معرکے میں زخمی بھی ہوئے تھے، واقعۂ شہادت کے بعد ہی بیٹے محضر لے کر عالمگیر کے پاس گئے تھے، جو اس وقت دکن میں تھا، عالمگیر نے جو صورت واقعہ سے پہلے ہی مطلع ہو چکا تھا، ملا قطب شہید کے کنبے کی اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہواری کی غیر مسلم برادری کے جھگڑے کے تصفیہ کے لیے گئے تھے جہاں دھوکے سے دونوں بھائی شہید کر دیے گئے۔ ماخوذ از کتاب حالات و روایات چودھریان گڑھی (مخطوطہ فرنگی محل ص ۳۳) ملک حمزہ کی صرف اولاد دختری تھی: ایک دختر قصبہ سہالی میں کتخدا ہوئیں جن کی اولاد میں علمائے فرنگی محل ہیں۔ دوسری دختر قصبہ محمود آباد گھسکر میں منسوب ہوئیں۔
(چودھریان گڑھی مخطوطہ ص ۳۴)

خواہش کی کہ وہ اب سہالی میں رہنا نہیں چاہتا، معلوم کرکے ان ہی ملا محمد سعید کے ذریعہ کروری بلدۂ لکھنؤ کو فرمان بھیجا کہ:۔

ہر مکانیکہ ملا محمد سعید فرزندار جمند مولانا
قطب الدین شہید برائے سکونت خود و دیگر
فرزندانِ شہید مذکور در بلدۂ لکھنؤ تجویز نمایند
آں را سپردہ و بقبضۂ او در آورد۔[1]

ملا قطب الدین شہید کے فرزند ارجمند ملا
سعید اپنے اور ملائے شہید کے دوسرے
بیٹوں کے رہنے کے لیے جو مکان بھی لکھنؤ
میں پسند کریں، وہ ان کے سپرد کرکے اس
پر ان کا قبضہ دلایا جائے۔

کروری بلدۂ لکھنؤ اس زمانے میں شیخ حسام الدین تھے جو ملا قطب شہید کے چچیرے بھائی تھے، وہ خود اگرچہ لکھنؤ میں تھے لیکن ان کا گھر بار سہالی میں تھا، ان کا گھر بھی ملا قطب شہید کے قاتلین کے ہاتھوں تاراج ہوا تھا۔

ملا محمد سعید عالمگیر کا یہ فرمان لے کر کروری بلدۂ لکھنؤ کے پاس آئے اور اپنے کنبے کے لیے فرانسیسی تاجر کی اس کوٹھی پر ان کی نظرِ انتخاب پڑی جو اجارے کی مدت ختم ہو جانے کے بعد سرکاری ملک میں آ گئی تھی، اس کوٹھی میں جو "حویلی فرنگی" کہلاتی تھی، اپنے گھر والوں کو بسا کر ملا سعید خاص اس حویلی کا فرمان حاصل کرنے کے لیے دوبارہ بادشاہ کے پاس دکن گئے اور جدید فرمان لے کر جس میں "یک منزل حویلی فرنگی" کے الفاظ ہیں (اور جو اب تک محفوظ ہے) واپس وطن آئے۔[2]

ملا محمد سعید کچھ عرصہ وطن میں قیام کرکے پھر عالمگیر کے پاس چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا، سالِ وفات اور مرقد کے سلسلے میں وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہم قسمت ہی ثابت ہوئے۔

اب ملا قطب شہید کے کنبے کی سربراہی ملا قطب کے منجھلے فرزند کے ذمہ آ گئی جو والد ماجد کی شہادت کے وقت صرف ۱۶ سال کے تھے، ان کی تعلیم بھی متوسطات سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی، اور یہی چودہ سالہ یتیم تھا جو آوارۂ وطن قافلۂ اولادِ ملا قطب شہید کے ہمراہ سہالی سے مشکوک اور غیر یقینی مستقبل کے دھندلکے میں لکھنؤ کی سمت روانہ ہوا تھا۔

---

[1] احسان اودھ جلد دوم ص ۱۳۲ [2] ایضاً

لکھنؤ

تاریخی تحقیقات کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے، کسی تاریخی مقام یا لفظ کی تحقیق میں برسوں صرف کر دینے والے مؤرخ کے نتیجے کو، بارہا ایسا ہوا کہ کسی نئی شہادت کی اچانک دستیابی نے باطل ٹھہرا دیا۔ "لکھنؤ" کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔

اس سوال پر ہمیشہ غور و خوض ہوتا رہا ہے کہ "لکھنؤ" کا مطلب اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور در اصل یہ لفظ کیا تھا اور کس لسانی ارتقاء سے گزر کر یہاں تک پہونچا؟ اور موجودہ لفظ "لکھنؤ" تاریخ کی کتابوں میں سب سے پہلے کب آیا؟

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا ہے:۔

"تاریخوں میں سب سے پہلے میری تلاش میں تیمور کے حملے کے بعد ۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء میں ملتا ہے، تیمور کی واپسی کے بعد جب ملک میں طوائف الملوکی کا دور ہوا اور ظفر خاں نے گجرات میں، خواجہ جہاں کے بیٹے مبارک شاہ نے قنوج، اودھ، کڑہ اور جونپور میں، اور خضر خاں نے لاہور، دیبالپور و ملتان میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں، تو اقبال خاں نے دوآبہ میں اپنی ریاست جمانی چاہی، مبارک شاہ نے پورب میں اس کے پاؤں جمنے نہ دیئے، اسی سلسلے میں لکھنؤ کا نام پہلی دفعہ سننے میں آتا ہے، فرشتہ میں ہے۔ "لو اقبال خاں بہ قنوج رفتہ خواست کہ جونپور و لکھنؤ در آید[1]"

---

[1] حیات شبلی ص ۱۲ (مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

تاریخ فرشتہ متاخر تصنیف ہے، اس میں "لکھنؤ" کا نام درج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تیمور کے حملے کے بعد پھیلی ہوئی طوائف الملوکی کے زمانہ میں بھی، یعنی پندرھویں صدی عیسوی میں بھی لکھنؤ کو اسی نام سے موسوم کیا جاتا تھا، فرشتے کے بیان سے اسی قدر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے زمانے میں جو کافی متاخر ہے، لکھنؤ کے نام سے اس بستی کو یاد کرنے لگے تھے۔

ایک سراغ ایسا ملا گیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ لکھنؤ کا نام تاریخ میں چودھویں صدی عیسوی کے اول نصف میں آچکا تھا، یعنی لو اقبال خاں کی سرگرمیوں سے بھی تقریباً سو سال قبل۔

کتاب "رحلۃ ابن بطوطہ" (عربی مطبوعہ) کے مطالعہ کے دوران دوسری جلد کے ٹائٹل پر بائیں گوشے کے اوپر "ذکر لکھنؤ ص ۶۳" لکھا ہوا ملا، یہ کتاب مولانا عبدالحئی (فرنگی محلی) کی خرید کردہ تھی اور ان کے مطالعہ میں رہ چکی تھی، یہ ان ہی کے قلم کی تحریر تھی، جس نے بتایا کہ لکھنؤ کا ذکر ابن بطوطہ کے سفرنامے (عربی مطبوعہ) کے صفحہ ۶۳ پر آیا ہے، ابن بطوطہ سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ۷۳۴ھ (۱۳۳۳ء) میں ہندوستان آیا تھا، اور ہندوستان کے طول و عرض میں دس سال کے قریب اس نے بسر کیے، سلطان کے ایک گورنر عین الملک کی بغاوت کے سلسلے میں اس نے لکھا ہے:۔

وامیرھا عین الملك بن ماھر ومن مدنها مدینة عوض ومدینة ظفرآباد ومدینة اللکنو وغیرھا۔ (ص ۶۳ مطبوعہ قاہرہ سنۃ ۱۳۰۸ھ)

سفرنامے کی پوری عبارت کا اردو میں مفہوم یہ ہے:۔

"جب ملک میں قحط پھیل گیا تو بادشاہ (سلطان محمد بن تغلق) دریائے گنگا کے کنارے جس کو ہندو متبرک خیال کرتے ہیں اور ہر سال حج کے طور پر وہاں جاتے ہیں، چلا گیا، دلی سے دس منزل پر تھا...... میں بھی بادشاہ کے کیمپ میں ان ہی دنوں پہونچا تھا، دریائے گنگا کے مغرب میں جو شہر تھے اور جہاں سلطان مقیم تھا، سخت قحط زدہ تھے اور مشرق میں جو شہر تھے ان میں ارزانی تھی، اس علاقہ کا حاکم امیر عین الملک بن ماہر تھا، اسی علاقے میں اودھ کا شہر ظفر آباد کا شہر اور لکھنؤ کا شہر ہے۔"

دوسری کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قحط محمد بن تغلق کے دولت آباد سے ۷۴۲ھ میں واپسی کے زمانے میں شمالی ہندوستان میں پڑا تھا، مگر پورب کا علاقہ اس مصیبت سے محفوظ تھا، اسی لیے سلطان نے اجازت دے دی تھی کہ جس کا جی چاہے پورب کے علاقے میں جا کر مصیبت کے یہ دن کاٹے، اور خود سلطان محمد تغلق اپنے لشکر کے ساتھ شمس آباد (ضلع فرخ آباد) کے قریب ایک مقام "سرگ دوار" چلا گیا۔[1]

مشہور ہے کہ لکھنؤ، رام چندر جی کے بھائی لچھمن کی جاگیر تھا، اور اس خطہ کا نام پہلے لچھمن پور یا لچھمن پوری تھا، مگر یہ ماقبل تاریخ کی باتیں ہیں، پھر بھی ایک عرفانی اشارہ ایسا ملتا ہے جس سے لکھنؤ کے لچھمن جی سے تعلق کی بات بالکل بے اصل نہیں رہتی۔

یہ روایت "کرامات رزاقیہ" کی ہے، جو حضرت شاہ سید عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء) کے ملفوظات اور کرامات پر مشتمل ہے۔ مصنف محمد خان صاحب رزاقی شاہجہانپوریؒ نے صاحب ملفوظ کے پوتے شاہ غلام علی رزاقی (متوفی [illegible]) سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ غلام دوست محمدؒ (متوفی [illegible]) سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ رحمۃ اللہ علیہ سے سن کر بعینہٖ ان ہی الفاظ میں جو حضرت سید بانسویؒ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، ملفوظ کو مرتب کیا ہے۔

اسی لیے کتاب "کرامات رزاقیہ" اگرچہ دو سو برس پرانی تصنیف ہے، لیکن اس کی زبان تین سو برس پرانی ہے، کیونکہ مصنف نے "بے کم و کاست" ان ہی الفاظ کے قلم بند کرنے کا التزام رکھا تھا، جو حضرت سید صاحب بانسویؒ کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوئے تھے، اور بعینہٖ نقل ہوئے تھے، بہرحال کتاب "کرامات رزاقیہ" میں شاہ غلام علیؒ کی زبانی نقل ہے کہ:-

"ایک دفعہ حضرت (سید صاحب بانسویؒ) دکن میں تھے، ایک روز اپنے مکان کو تشریف لے چلے وہاں دو راہیں تھیں، ایک آبادی کی، ایک جنگل کی، کہیں یہ (سید صاحب بانسویؒ) تشریف لے

[1] تاریخ بدایونی مطبوعہ۔

جانے میں آبادی کی راہ چھوڑ کر جنگل کی راہ چلے گئے، اس جنگل میں ایک تالاب دیکھا، اترے، وضو کیا تو ایک شخص آیا، حضرت سے پوچھا "کہاں رہتے ہو" حضرت نے فرمایا "شہر لکھنؤ میں" اُن نے کہا کہ "ہمارا لچھنو؟" تو فرمایا کہ "ہمارا تمہارا تو میں نہیں جانتا ہوں، ایک شہر ہندوستان میں ہے، وہاں رہتا ہوں۔" تو اُن نے کہا کہ آج یہاں رہو ہمارے تم مہمان ہو۔" یہ کہہ کے وہ شخص چلا گیا، ریچھ اور باگ آ کر بیٹھے، اُن کے جی میں خطرہ آیا، جو ایک لمحے کے وہ شخص آئے حلوا لے کے، یہ بات کہی کہ "اس کو کھاؤ۔" اور حلوا سو من بھوگ اس قدر تھا کہ آپ نے کھایا اور گھوڑے کو کھلایا اور کہا کہ "یہ ریچھ اور باگ جو بیٹھے ہیں سو تمہاری چوکی کے واسطے بیٹھے ہیں، تم اپنے جی میں خطرہ نہ کرو اور رام لچھمن سنتے ہو گے تو ہمیں ہیں صبح کو راہ بتا دیں گے۔"[1]..........

بے شک اس واقعہ کو تاریخ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس کی حیثیت مکاشفے کی ہے، جس کا تعلق عالم اجساد سے نہیں ہے عالم امثال سے ہے، پھر بھی لکھنؤ کے موجودہ لفظ کے ابتدائی مرحلے پر ضمنی روشنی اس سے ضرور پڑتی ہے، اور "لچھنو" سے "لکھنؤ" ہونے کے قیاس کو کافی مدد پہنچتی ہے۔

لکھنؤ کی تاریخ کچھ بھی رہی ہو۔ ملا قطب الدین سہالویؒ کا لٹا ہوا کنبہ اسی لکھنؤ کی طرف نقل سکونت کر رہا تھا، اس طرح ملا قطبؒ کی ایک پیشین گوئی بھی پوری ہو رہی تھی جو اپنے اسی منجھلے بیٹے کے سلسلے میں جو لٹے ہوئے کنبے میں چودہ پندرہ سالہ یتیم کی حیثیت سے شامل تھا، انھوں نے کی تھی۔

اس بیٹے کے بارے میں روایت ہے کہ:

در سن صغر سالگی بغایت بیمار شدند بحدیکہ	بچپن میں انتہائی شدید بیمار ہوئے کہ لوگوں کو
مردمان امید از زیست وے بریدہ شدند و	امید زیست باقی نہ رہی، گھر کی عورتوں اور
زنان و مردمان خانہ گریہ آغاز کردند و نوحہ گر	مردوں نے رونا دھونا شروع کر دیا، ان کی

[1] کرامات رزاقیہ مطبوعہ ص طبع دوم

وزاری چوں بسمع مولانا رسید بجانہ تشریف
آوردند و تفحص حال فرزند ارجمند خود ساختند
بدریافت شدت مرض و درد او حال ملاحظہ
اضطراب و اختلال مزاج ملا نظام مبارک
راہ یافتہ اند کہ سر بجیب تفکر فرو بردہ اند
بعد اللہ خود گفتند کہ ہیچ جائے وسواس نیست
انشاء اللہ تعالیٰ ازیں مرض صحت خواہد یافت
و بہ لکھنؤ استقامت خواہد ورزید[1]

گریہ وزاری جب ملا قطب شہید کی سماعت
میں آئی تو مکان کے اندر تشریف لائے اور
فرزند ارجمند کے مزاج کا حال پوچھا، مرض
کی شدت اور حالت کے بگڑنے کو دیکھا اور
گھر والوں کی گھبراہٹ اور بدحواسی ملاحظہ
فرمائی تو قلب مبارک پر اثر ہوا، تھوڑی دیر
سر جھکائے رہے، پھر سر اٹھا کر اپنی والدۂ
ماجدہ سے فرمایا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے
انشاء اللہ اس بیماری سے یہ اچھا ہو جائے گا
اور لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کرے گا۔

پھر یہ شدید بیمار بیٹا" صحت یاب بھی ہوا، اپنے والد ماجد سے پڑھا بھی اور جب والد ماجد کی شہادت واقع ہوئی تو ان کا یہ فرزند جو اب چودہ سالہ یتیم تھا، اپنے باپ کی لاش کے ساتھ دشمنوں کی حراست میں کئی روز سہالی سے دور رہا، قرب و جوار کے شرفا جو سہالی سے تین تین چار چار میل پر واقع فتح پور اور دیوا کے زمیندار تھے، خوشامد درآمد کر کے اس چودہ سالہ ستم زدہ کو پنجۂ اشقیاء سے چھڑا کر لائے، یہ شعور کی عمر ہوتی ہے، اس چودہ سالہ یتیم کے یہ چار پانچ دن کیسے گزرے ہوں گے؟ کہ ایک طرف اس عالی مرتبت باپ کے بے گور و کفن لاشے کے ساتھ کشاں کشاں ادھر سے ادھر لے جایا جا رہا ہے، دوسری طرف اپنی آنکھوں سے گھر بار کو لٹ پھکتا، حقیقی بھائی کو زخمی اور ماں، دادی، بھاوج کو بے حرمت ہوتے دیکھ چکا تھا جس کے تصور سے روح لرزنے لگتی ہے جس دینے والا ہی ایسے حادثات پر توفیق صبر نہ دے تو دنیا کی بڑی آبادی غموں ہی سے ہلاک ہو جائے۔

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ فرنگی محل ص ۶۲

قضا و قدر کے فیصلے بھی بظاہر عجیب ہوتے ہیں، کوئی سوچ سکتا ہے کہ وہ بڑے بھائی جن کی رسائی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دربار تک تھی، جن کی تعلیم والد ماجد کے ہاتھوں جو استاد کامل تھے، پایۂ تکمیل کو پہونچ چکی تھی، جو بال بچوں والے ہو کر باپ کے معاملات میں رفیق اور سہیم کی حیثیت رکھتے تھے، وہ تو بادشاہ تک رسائی حاصل کر کے تاریخ میں گمنام ہو جائیں، اور یہ چودہ سالہ یتیم جو ہر طرح بے دست و پا ہو، اس طرح باپ کا جانشین اور ان کے نام کو روشن کرنے والا ثابت ہو کہ باپ ہی کا نہیں، بھائیوں کا، ان کی اولاد کا اور پورے کنبے کا نام تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے ثبت کر جائے، نہ صرف اپنے کنبے کا نام اونچا کرے، بلکہ علمی دنیا کو ایسی راہ دکھا جائے کہ تین سو سال کے بعد بھی اور علمی دنیا میں سیکڑوں انقلابات آنے کے باوجود، بار بار نہ سہی تو گاہ گاہ علم کے طلب گاروں کی نگاہیں اس راہ کو تکتی نظر آئیں۔

ملا قطب شہید کا یہی چودہ سالہ یتیم ہے جسے آج دنیا بانیِ درسِ نظامی، استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کے نام کے ساتھ عقیدت و احترام سے یاد کرتی ہے۔

مُلّا نظام الدّین محمّد

(اُستاذ الہند)

ظاہری حالات پر نظر ڈالیے تو وہ یہ تھے کہ ملا قطب الدین شہید سہالوی کا یہ یتیم جو باپ کی شہادت کے وقت چودہ سال کا تھا، عالمگیری فرمان کے بموجب، جو حادثۂ شہادت کے پورے دو سال کے بعد یعنی شوال ۱۱۰۵ھ میں باضابطہ جاری ہوا، ایک منزل حویلی فرنگی، باستثنائے آں واقع بلدۂ لکھنؤ مضاف بصوبۂ اودھ" کی ایک وسیع عمارت میں اپنی دادی، والدہ، دو بھاوجوں، تین خورد سال بھتیجوں اور ایک چھوٹے بھائی کے ساتھ رہ رہا ہے، اب خود اس کی عمر سولہ سال کی ہو چکی ہے، حویلی کے فرمان کے ساتھ کچھ مددِ معاش بھی بادشاہِ وقت کی طرف سے مقرر ہے، ہر طرح فراغت کا دور ہے، عنفوانِ شباب سے دوچار قطب شہید کے خاندان کا یہ یتیم دونوں بڑے بھائیوں کی نگرانی اور تربیت کے دباؤ سے بھی آزاد ہے، وہ دونوں اس سے اور گھر بار سے بہت دور، اورنگ زیب عالمگیر کی سپرد کردہ علمی اور انتظامی خدمتوں پر مامور ہو کر وطن کی خبر دل سے، اور اہلِ وطن ان کی خبروں سے لاعلم ہو چکے ہیں، ایسے حالات کا تقاضا یہی ہے کہ وہ رئیس زادے کی سی زندگی گزار کر اپنے خاندان کا نام ڈبو دے، لیکن جو ہوا وہ ظاہری تقاضوں کے بالکل برعکس ہوا، ماں، دادی اور شفیق بھاوجوں کے سایۂ عاطفت کو اس نے خیرباد کہا، خاندان کے بڑے ہونے کی ذمہ داریوں کی پروا نہ کی، گھر میں پڑھائی کا مناسب بندوبست ممکن نہ پا کر یا کسی سبب سے جس کی تحقیق اب ممکن نہیں ہے، اس نے ترکِ وطن کا عزم کر لیا، اگرچہ ترکِ وطن آبائی وطن سہالی کو چھوڑنے سے مختلف انداز کا تھا، وہ مجبور ہو کر گیا تھا، یہ پورے اختیار کے ساتھ۔

تاریخ میں ہے کہ ملا قطب الدین شہید کے کنبے کے لکھنؤ منتقل ہونے اور حویلی فرنگی میں

اطمینان کے ساتھ آباد ہونے میں کم و بیش دو سال کا عرصہ لگا، اور جب مستقر اور قیام گاہ کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو نظام الدین محمد بن ملا قطب الدین شہید سولہ سال کی عمر میں بغرضِ حصولِ تعلیم گھر سے نکلے اور کم و بیش دس سال میں تعلیم مکمل کر کے واپس لوٹے، (مجھے مدتِ تحصیلِ تعلیم کی اس تعیین سے اختلاف ہے، وجوہ آگے بیان ہوں گے)

اساتذہ اساتذہ میں سب سے پہلے خود والد ماجد ملا قطب الدینؒ تھے، جن کی حیات میں شرح ملا جامی تک ان کی تعلیم ہو چکی تھی، گو پوری قطعیت کے ساتھ، سند اور ثبوت کے بغیر یہ کہنا ممکن نہیں کہ ملا صاحب کی حیات میں جس قدر تعلیم ہوئی وہ سب ان ہی سے حاصل کی، لیکن قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اور معلم باپ نے ہونہار فرزند کی تعلیم کو ترتیب بذاتِ خود دی ہو گی ...... والد ماجد کی شہادت کے بعد دیوہ (ضلع بارہ بنکی)، جائس (ضلع رائے بریلی)، بنارس اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کی روایتیں ملتی ہیں، لیکن دیوہ میں پڑھانے والے کا نام کہیں نہیں ملتا، دوسرے اساتذہ کے نام تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں، لکھنؤ کے قریب ہی قصبہ جائس (ضلع رائے بریلی) میں ایک صاحبِ درس ملا علی قلی جائسی کے درس کی شہرت تھی، اسی قصبے میں ملا محمد باقر بھی مسندِ درس بچھائے ہوئے تھے، قطب شہید کا یہ فرزند پہلے ملا باقر ہی کی خدمت میں حاضر ہوا، جنھوں نے اسے ہدایت کی کہ وہ ان کے تلامذہ سے پڑھنا شروع کرے، عام رواج کے لحاظ سے یہ کوئی نامناسب بات نہ تھی، لیکن نظام الدین محمد نے جن کی قسمت میں درس و تدریس کی بادشاہی لکھی تھی، "تودۂ کلاں" ہی سے استفادہ پسند خاطر رکھتے ہوئے اس صورتِ حال کو قبول نہیں کیا اور ملا علی قلی جائسی کے پاس حاضری دی، اور ان ہی سے اکثر کتبِ درسیہ پڑھیں، اس کے بعد بنارس جا کر والد ماجد کے ایک صاحبِ درس اور صاحبِ تصانیفِ مفیدہ شاگرد ملا امان اللہ بنارسی سے شرح مواقف جو علم کلام کی انتہائی کتاب ہے اور بعض دوسری انتہائی کتابیں پڑھیں، لکھنؤ واپس آ کر ملا غلام نقشبند سے جو شاہ پیر محمد صاحبؒ کے مزار پر (واقع کنارۂ دریائے گومتی) فرائضِ درس اور فریضۂ رشد و ہدایت انجام دے رہے تھے، اور بیک واسطہ شاہ پیر محمد صاحبؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے، فنِ حدیث

کی آخری کتاب رسالۂ توشجیہ پڑھی اور فارغ التحصیل ہو کر ملا نظام الدین محمد بن ملا قطب الدین شہید ہو گئے، اور فرنگی محل (لکھنؤ) میں جوان کے خاندان کی قیام گاہ اٹھ دس سال ہوئے بن چکا تھا، درس و تدریس کا آبائی شغل شروع کر دیا۔ علامہ سید عبدالحئی الحسنی جو تراجم کے سلسلے میں صاحب ترجمہ کی حقیقی خصوصیتوں کی نشاندہی میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ ملا نظام الدین کو الامام العالم الکبیر، العلامۃ الشہیر، صاحب العلوم والفنون غیث الافادۃ الھتون العالم بالربع المسکون، استاذ الاساتذۃ امام الجہابذۃ الذی تفرد بعلوم واخذ لواءھا بیدہ لم یکن لہ نظیر فی زمانہ فی الاصول والمنطق والکلام کے شاندار القاب و خطابات سے نذرانۂ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔[۱]

۱؎ نزہۃ الخواطر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد ششم

فرنگی محل

"فرنگی محل" کا نام پڑھنے اور سننے والے بجا طور پر سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ فرنگی محل کے نام اور اس کے کام میں وجہ مناسبت کیا ہو سکتی ہے، خوش عقیدگی، قیاس کی مدد لے کر اس کو "فرہنگی محل" کی بگڑی ہوئی شکل قرار دے چکی ہے، "فرہنگ" بمعنی علم و دانش اس کے خیال میں کثرتِ استعمال سے فرنگ ہو گیا۔[1]

---

[1] قبل اس کے کہ اس نام کی اصلیت کی جستجو تاریخ کے صفحات پر کی جائے، اس سلسلے کے ایک لطیفہ کا ذکر کرنا غلط ہوگا، ۲۲-۲۰ سال پہلے کی بات ہے، فرنگی محل میں مسلم ایکاڈمی کا جلسہ تھا، یہ وہ علمی و ادبی انجمن تھی جس کو مولانا عبدالحلیم شررؔ لکھنوی ایڈیٹر دلگداز اور شہر کے ممتاز علما و ادبا نے ... خاندان نے ۱۹۲۰ء میں قائم کیا تھا، عموماً ہر مہینے اس کی نشست کسی ایک ممبر کے یہاں ہوتی تھی جس میں کوئی عالم یا اہل قلم علمی، ادبی یا تاریخی مقالہ پڑھتا تھا جس پر تبادلۂ خیال ہوتا تھا، اس کے بعد میزبان ممبر کی طرف سے شرکائے جلسہ کی ضیافت کی جاتی تھی، جو شروع شروع تو عام ضیافت رہی لیکن بعد باقاعدہ پرتکلف دعوتیں ہونے لگیں، جن میں ممبروں کے علاوہ معززین شہر بھی مدعو ہونے لگے۔ اسی قسم کی پرتکلف دعوت والا ایک جلسہ فرنگی محل میں ہوا، جس میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے "رباعی" پر مقالہ پڑھا تھا۔

مقالہ کے بعد تمام مہمان دسترخوان پر یکجا ہوئے، میزبان ہمدرد و استاذی مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم مع راقم، خود گھر کے لڑکوں کے ساتھ کھانا کھلانے کی خدمت انجام دے رہا تھا، ڈاکٹر وحید مرزا (سابق صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) نے مولانا عنایت اللہ صاحب سے پوچھا کہ فرنگی محل کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ قبل اس کے کہ مولانا مرحوم کچھ کہیں مسٹر محمد وسیم بیرسٹر ایٹ لا نے (جو حکومت پاکستان کے ایڈوکیٹ جنرل ہو کر ۱۹۶۰ء میں وفات پا گئے) اس بے تکلفی کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

ملی تاریخ کے علاوہ مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ (وفات ۱۹۲۶ء) کی رہنمائی میں جب فرنگی محل ملکی اور ملی سیاست کا ایک بڑا مرکز بن گیا اور سیاسی تاریخ میں بھی اس کا نام بار بار آنے لگا تو اس بنا پر کہ فرنگی محلی سیاست کا بنیادی خیال فرنگیوں کی مخالفت تھا اور "خلافت" تحریک جس کو لوگ "مخالفت" کا مرادف سمجھتے تھے) بڑی حد تک مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی ذات سے وابستہ تھی، فرنگی محل کے نام کی عجیب عجیب توجیہیں کی جانے لگیں، ان سب کا مفہوم مشترک یہ تھا کہ یہ "محل" فرنگیوں کی مخالفت کا مرکز اور مقام ہے۔

بہر حال اس مرکز علمی کے نام میں "فرنگی" کا جزء ایک سوال بن کر خاص و عام کے ذہن میں عجیب و غریب گل کھلاتا رہا، اسی صورت حال سے لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کی ذہانت نے بھی فائدہ اٹھایا، جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد یو، پی کے گورنر سر جان ہر سکاٹ ہیویٹ نے رکھا تو انھوں نے جس طرح طبع آزمائی کی اس کو علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے الفاظ میں سنئے:-

"عجب حسن اتفاق ہے ہندوستان کا سب سے بڑا دارالعلوم لکھنؤ کا "فرنگی محل" تھا، جو درس نظامی کا بانی ہے، اور جس کے دامن فیض سے مولانا بحر العلوم، ملا حمد اللہ، ملا حسن وغیرہ تعلیم پا کر نکلے، "یہ فرنگی محل" اس لیے کہلاتا تھا کہ ایک فرنگی کی کوٹھی تھی،

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حق سے جو ان کو مولانا مرحوم اور دوسرے علمائے فرنگی محل سے تھی، کہا: "وجہ تسمیہ بس یہی ہو کہ یہاں کے کسی عالم نے ایک فرنگن سے نکاح کر لیا تھا، اس لیے فرنگی محل ہو گیا۔" لکھنؤ کے مشہور معالج ڈاکٹر عبدالمجید نے جو پاس ہی بیٹھے تھے، برجستہ کہا "جی ہاں! جس طرح اب ڈالی باغ "فرنگی محل" ہو گیا ہے۔" اس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا جس میں وسیم صاحب بھی پوری طرح شریک ہوئے، اسی زمانہ میں ڈالی باغ میں (جو وسیم صاحب مرحوم کی عالی شان رہائشی کوٹھی تھی) رہنے والے ایک نوجوان لندن سے بیرسٹری کر کے آئے تھے اور ان کی منکوحہ انگریز خاتون بھی ان کے ہمراہ آئی تھیں اور وہیں وہ بھی رہا کرتی تھیں۔ (محمد رضا انصاری)

اور اس لیے "محل" اس کی طرف منسوب ہوگیا، شاہ عالمگیر کی سند میں یہ نام درج ہے۔ اس جدید دارالعلوم (ندوۃ العلماء) کی بنیاد سر آنز لفٹیننٹ گورنر نے رکھی کہ وہ بھی اہلِ فرنگ ہیں، میر اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی نے اس موقع پر اس حسنِ اتفاق سے شاعرانہ کام لیا، لکھتے ہیں :-

رکھی بنائے ندوہ سر آنز نے آ کے خود
سچ پوچھئے اگر تو "فرنگی محل" ہے یہ [1]

شعر و شاعری میں 'فرنگی محل' کی نمود مختلف انداز میں ہوئی، قدیم لکھنؤ سے واقفیت نہ رکھنے والے چکر میں پڑ گئے جب انھوں نے آتش کا یہ مطلع پڑھا:

ڈھلتی ہے عاشقانہ ہماری غزل تمام — چھائے ہوئے ہیں کوئے فرنگی محل تمام

یا منیر شکوہ آبادی کا یہ مقطع دیکھا:

آفت کے ہیں بتانِ فرنگی محل منیر — ہر وقت لکھنؤ میں دکھاتے ہیں شام زلف

تاریخ ادب میں "کوئے فرنگی محل" کی تلمیح کی کوئی تشریح نہ پا کر قدیم و جدید ادب کے رمز شناس محترم مولانا عبد الماجد دریابادی سے اس سلسلے میں کئی سال قبل رجوع کیا تھا، مولانا نے تحریر فرمایا تھا:

"فرنگی محل پہلے چوک سے ملحق تھا اس کی شہرت وہی تھی جو بعد کو چوک کی ہوئی، قلق کا بھی مشہور مصرع ہے۔ ع "جب دیکھئے قلق کو فرنگی محل میں ہے"۔

خدا جزائے خیر دے ریختی گو شاعر جانؔ صاحب کو (جن کا پورا نام میر یار علی ہے) ان کی وجہ سے شاعری میں 'فرنگی محل' کی آبرو بنی رہی، وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے ہیں :-

فرنگی محل گوری بی صاحب! — ہے دنیا میں جنت کا تختہ اجی
سلامت خدا رکھے اس باغ کو — اسی باغ کے گل ہیں سب جنتی
جو باغی ہیں ان کے رہیں خار خار — یہاں کے نہ غنچے کو ہو بے کلی

۱؎ حیاتِ شبلی ص [illegible]

بڑے چھوٹے سب دین کے رہنما — یہ ہادی ہیں مرشد ہیں کامل ولی
قسم باجی! مریم کے سر کی مجھے — کہ جس شمع سے لو ہے میری لگی
میں سو جان سے کیوں نہ پروانہ ہوں — رہے ان کے اقبال کی روشنی
وہ میرے مسیحا ہیں گردوں جناب — عنایت مرے حال پہ ہے بڑی
چلو جانؔ صاحب مرے ساتھ تم — رہے گی وہاں دو گھڑی دل لگی
عطا مجھ کو فرمائیں گے آبرو — ہیں ہر علم کے قدرداں جوہری [1]

قدیم تاریخ سے بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ فرنگی تاجر کی کوٹھی جو سرکاری املاک میں آچکی تھی اورنگ زیب عالمگیر نے ملا قطب الدین شہید سہالویؒ کے خاندان برباد کنبے کو رہنے کے لیے دی تھی۔ اس سلسلے میں شاہی فرمان جو نافذ ہوا تھا، وہ ہنوز محفوظ ہے، جس کی نقل یہ ہے :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم (طغرا) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ مہر: ابو المظفر محمد محی الدین عالمگیر بادشاہ غازی ([illegible])

"دریں وقت میمنت اقتران فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ یک منزل حویلی فرنگی باملحقہ آں واقع بلدہ لکھنؤ مضافات صوبہ اودھ کہ از امکنۂ نزولی است برائے بودن شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم، باید کہ حکام و عمال و متصدیان مہمات حال و استقبال و جاگیرداران و کروریان آں بنام مشار الیہما دانستہ و مرفوع القلم دانستہ بہیچ من الوجوہ مزاحم و متعرض نشوند و اندریں باب بلند مجدد طلبند۔"

(مرقوم غرۂ ذیقعدہ سال سی و ششم جلوس والا نوشتہ شد)

۱؎ قطعۂ تاریخ طبع "گلستانِ طریقت" مصنفہ مولوی محمد حسین متین فرنگی محلی مطبوعہ مطبع نجم العلوم لکھنؤ (سنہ ۱۳۰۲ھ) از میر یار علی جان صاحب شاگرد نواب محمد عاشور علی خاں۔

فرمان کی پشت پر جو عبارت ہے، اس کا اقتباس یہ ہے:۔

"شرح یادداشت واقع بتاریخ روز پنجشنبہ ۲۰ شعبان المعظم سنہ ۳۸ جلوس والا موافق سنہ ۱۱۰۵ھ مطابق مرداد ماہ برسالۂ صدارت و شیخت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار رحمت و احسان صدر رفیع القدر فاضل خاں و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلافت پناہ حسام الدین حسین قلمی می گردد کہ بعرض مقدس و معلی رسید کہ شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید ساکن قصبۂ سہالی بسبب شہادت پدر خود قصبۂ مذکور را گزاشتہ جلاوطن گردیدند و کرام مکانہائے سکونت ندارند الخ۔

بلاشبہ "حویلی فرنگی" ملا نظام الدین کے قیام اور نصف صدی تک سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھنے کے نتیجے میں علامہ شبلیؒ کے الفاظ میں "اسلامی علوم کی یونیورسٹی بن گئی" لیکن فرمان میں فرنگی محل کے نام سے کسی مدرسہ کے قیام کا کوئی ذکر نہیں ہے، فاضل اور لائق عالم اور مصنف مسٹر آصف بن علی اصغر فیضی نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جس کا اردو ترجمہ "ہندوستان میں مذہب اسلام پر نظر ثانی کی ضرورت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، لکھ دیا ہے:۔

"سنہ ۱۱۰۵ھ (مطابق ۱۶۹۳ء) میں جبکہ وہ (ملا نظام الدین فرنگی محلی) پندرہ سال کے تھے اورنگ زیب کے فرمان سے ایک مدرسہ "فرنگی محل" کے نام سے قائم ہوا اور کچھ زمین و مکانات ملا نظام الدین کے دو بڑے بھائیوں کے نام اس مدرسے کے لیے وقف کیے گئے، تکمیل تعلیم کے بعد ملا نظام الدین اس مدرسے میں معلم ہو گئے، اور اپنے والد ملا قطب الدین کے ساتھ "مددگار مدرس رہے"۔ (صفحہ ۱ اردو ترجمہ)

فرنگی محل کے نام سے مدرسہ[1] قائم کرنے کی بات تو کسی مغالطے پر مبنی قرار دی جا سکتی ہے

---

[1] مدد اورنگ زیب کا ایک غیر ملکی باشندہ برنیئر تھا، جو دارا شکوہ سے قریبی تعلق رکھتا تھا، اس نے اپنے سفرنامے میں اورنگ زیب کی سخت مذمت کی ہے۔ اس سفرنامے کے حوالے سے زینہ ناتھ لانے اپنی کتاب "پوروشی آف فرنگ

(باقی اگلے صفحہ پر)

مگر ملا قطب الدین شہید کو اس مدرسہ کا صدر مدرس اور ملا نظام الدین کو مددگار مدرس قرار دینا تاریخی امر واقعہ کے یکسر خلاف ہی نہیں بلکہ بالکل خلاف واقعہ ہے، ملا نظام الدین کی تعلیم کی تکمیل سے دس سال قبل ہی ان کے والد ملا قطب الدینؒ شہادت پا چکے تھے۔

مولانا عبدالحلیم شررؔ لکھنوی نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ذمہ دارانہ انداز نہیں ہے۔ "گزشتہ لکھنؤ" میں مولانا لکھتے ہیں:۔

"شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے کسی ضرورت سے اجودھیا کا سفر کیا، واپسی کے وقت لکھنؤ میں ٹھہرنا ہوا دہلی گیا......... اور غالباً اسی موقع پر اس نے فرنگی محل کے مکانات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اینڈ اس کی ڈیرنگ مغل رول" میں لکھا ہے کہ "اورنگ زیب نے ایک دفعہ ایک ڈچ باشندہ کی حویلی جو فرنگی محل میں تھی، ضبط کر لی، اور ایک مسلمان کے حوالے کر دی ایک مدرسہ قائم کرنے کے لیے"۔ یہی عبارت مسٹر اے اے فیضی کی غلط فہمی کا باعث بنی ہے، ضبط کرنے کے الزام کی تردید تو دوسرے ذرائع سے ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی ہے، اس سے یہاں بحث نہیں ہے، لیکن مدرسہ بنانے کے لیے "فرنگی محل" دینے کی بات اسی فرمان کی روشنی میں بے بنیاد ہو جاتی ہے "برائے بودن" کے الفاظ بہت صاف ہیں، یعنی رہائش کے لیے دی گئی تھی۔

خود برنیئر نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے "ڈچ باشندے بہت بڑے پیمانے پر کپڑوں کی خریداری کا کام بھی کرتے تھے، نہ صرف ہالا پور میں بلکہ لکھنؤ میں بھی"۔ (صفحہ ۲۹۲ ترجمہ انگریزی سے)

اس انگریزی عبارت پر ایک حاشیہ بھی ہے، جس میں کہا گیا ہے "فرنگی محل یا فرنگیوں کا کوارٹر" میں جو لکھنؤ شہر کا ایک محلہ یا ایک وارڈ ہے، فیکٹری تھی، یہ عمارتیں اورنگ زیب کے زمانے میں ضبط کر لی گئیں، اور ایک مسلمان کو مدرسہ یا کالج بنانے کے لیے دے دی گئیں۔ (انگریزی ترجمہ)

اس صراحت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ "فرنگی محل" کا دوسرا نام "فرنگیوں کا کوارٹر" بھی تھا، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نیل یا گھوڑوں کی تجارت کے بجائے جیسا کہ مشہور ہو گیا ہے، یہاں کپڑوں کی تجارت ہوتی تھی، اور ایک کارخانہ بھی یہیں تھا، کپڑے ہی کا کارخانہ ہوگا۔ اس وقت کارخانے کا جو مفہوم ہو سکتا ہے وہی یہاں سمجھنا چاہیے۔ محمد رضا انصاری

ملا نظام الدین کی نذر کیے ہوں گے:

فرنگی محل کے مکانات نذر کرنے کا "قیاس" شاہی فرمان کی موجودگی میں بالکل بے محل ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ اورنگ زیب کے لکھنؤ آنے کا زمانہ اس کی حکومت کا ابتدائی زمانہ ہے تخت نشینی ہونے کے ابتدائی ۲۲-۲۳ سال تو اورنگ زیب نے خود شمالی ہندوستان میں گزارے، لیکن آخری ۲۵-۲۶ سال اس کے دکن میں صرف ہوئے اور ان آخری برسوں میں اس کے لکھنؤ آنے کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ فرنگی محل کے فرمان شاہی پر تخت نشینی کے ۳۰ ویں سال کی تاریخ پڑی ہے اس وقت یقیناً اورنگ زیب دکن میں تھا۔ اور لکھنؤ آنے کا کوئی موقع اس کے لیے نہیں تھا۔

فرنگی محل کے مکانات نذر کرنے کے سلسلے میں ملا نظام الدین کا نام لینا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ملا نظام الدین شاہی فرمان کے صدور کے وقت سولہ سالہ ایک یتیم تھے، فرمان میں ان کے دونوں بڑے بھائیوں کے صرف نام ہیں، ملا نظام الدین اور ان سے بھی چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کے نام نہیں ہیں۔

بے شک ملا نظام الدین کی مسند درس بچھنے کے بعد ملا صاحب کی علمی خدمتوں نے مولانا شرر کے الفاظ میں:-

"چند ہی روز میں فرنگی محل کو ہندوستان کی ایک ایسی اعلیٰ یونیورسٹی بنا دیا کہ سارے ہندوستان کے علماء اور فضلاء کا مرکز لکھنؤ کا یہی چھوٹا سا محلہ قرار پایا......... ان دنوں لکھنؤ ایک گمنام شہر تھا، مگر ایسے ایک گمنام مقام کا اتنی بڑی یونیورسٹی بن جانا کہ ہندوستان تو درکنار بخارا، خوارزم اور ہرات و کابل اس کے آگے سر جھکائیں، بہت ہی حیرت کے قابل ہے، ساری اسلامی دنیا ہمیں کی شاگردی پر فخر کر رہی تھی۔" (گزشتہ لکھنؤ)

میر شیر علی جعفری افسوس نے آرائش محفل میں فرنگی محل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"اور چوک سے متصل، مکن طرف "فرنگی محل" وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد سلطنت میں اس مکان کے بیچ ایک فرانسیسی سوداگر اترا تھا، چونکہ بے اذن حضور اعلیٰ

کے یہ امر وقوع میں آیا ملازمان حضور کو گراں ہوا آخر اس کو اخراج کیا، پھر اورنگ زیب کے وقت میں حسب الحکم بادشاہی مکان مسطور ملا قطب الدین شہید کے فرزندوں کو ملا، چنانچہ اب تک بھی ان کی اولاد کی سکونت وہیں ہے، لیکن وجہ معاش جو ان کی بند ہو گئی یہ صرف قصور طالع کا ہے، والا نواب وزیر کی سرکار سے ہزاروں پرورش پاتے ہیں، وارد و صادر یہاں سے بہتیرا لے جاتے ہیں، پھر یہ تو استحقاق زیادہ رکھتے ہیں، کیونکہ آباؤ اجداد سے اس خاندان عالی کے تک خوار و شکر گزار ہیں جس وقت مزاج جناب عالی کا تک ایک متوجہ ہوا یہ قلیل تو کیا چیز ہے اور ان کے نہائے کثیر پائیں گے اور مدت العمر کو بے نیاز ہو جائیں گے، لیکن حکم امر مرہون باوقاتہا" بیت

قادر نہ رسد وعدہ ہر کار کہ ہست ۔۔۔ سو ئے نہ کند بار ہر بار کہ ہست

حاصل یہ کہ مکان مذکور قدیم مدرسہ ہے، بڑے بڑے فاضل مدرس وہاں گزرے ہیں بلکہ اب تک بھی سررشتہ درس و تدریس کا جاری ہے، چنانچہ سوائے شہر کے طلبہ، اطراف و اکناف سے وہاں تحصیل کے واسطے آتے ہیں اور فیض اٹھاتے ہیں، حق تو یہ ہے کہ اس شہر میں چرچا علم و فضل کا بہ نسبت اور بلاد کے زیادہ ہے کیونکہ فریقین کے فاضل یہاں موجود ہیں، لیکن سنیوں کے فرقے میں متشرع مولوی حسین صاحب اور فرقۂ ناجیۂ امامیہ میں مولانا سید دلدار علی سلمہ اللہ تعالیٰ وحید عصر ہے[1]

میر افسوس کی "آرائش محفل" کا زمانۂ تصنیف سنہ ۱۲۲۰ھ مطابق سنہ ۱۸۰۵ء ہے، اس وقت لکھنؤ میں نواب وزیر سعادت علی خاں کی حکومت تھی اور فرنگی محل کے قیام کو ایک سو پندرہ سال گزر چکے تھے، ملا مبین فرنگی محلی (جن کو مولوی مبین صاحب" کے نام سے میر افسوس نے یاد کیا ہے) اس وقت علمائے فرنگی محل میں سب سے زیادہ نامور تھے، جو ملا نظام الدین بانیٔ درس نظامی کے بیک واسطہ شاگرد تھے۔

---

[1] آرائش محفل ص ۱۱۰-۱۱۱ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۹ء)

ملا نظام الدین کے فرزند ملا بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی "میر افشوں" کے زمانۂ ورود لکھنؤ کے وقت مدراس میں قیام پذیر ہو چکے تھے اور فرنگی محل چھوڑے انھیں تقریباً پچاس سال ہو گئے تھے۔

جب ملا نظام الدین نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آبائی مشغلہ "درس و تدریس" اختیار کیا، اس وقت لکھنؤ واقعی ایک قصبہ تھا، اورنگ زیب کا عہد ختم ہو رہا تھا اور صوبۂ اودھ جس کی طرف لکھنؤ مضافات منسوب تھا، کسی خصوصی حیثیت کا مالک نہیں تھا، برہان الملک کی نوابی قائم ہونے میں ابھی دیر تھی، عدلیہ، انتظامیہ اور بلدیہ کے حکام کا براہ راست مغل شہنشاہ کے دربار سے تقرر ہوتا تھا، شیخ زادوں کی سرکش حکمرانی کے دور سے لکھنؤ اس وقت گزر رہا تھا۔ "حویلی فرنگی" یا فرنگی محل کا درجہ ملا قطب الدین شہید کے کنبے کی رہائش گاہ اور قصبۂ لکھنؤ کے عام محلے سے بلند ہو کر ملا نظام الدین کی درسگاہ یا مدرسہ "ملا صاحب" تک جب پہونچا تو اٹھارہویں صدی عیسوی کا عین آغاز تھا۔ مغل خاندان کا آخری مطلق العنان شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر دکن میں اپنی عمر کے آخری چار سال گزار رہا تھا۔ وہ ۱۱۱۸ھ (مطابق ۱۷۰۷ء) میں اپنی عظیم سلطنت کو کمزور ہاتھوں کے لیے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ شاہ عالم محمد معظم شاہ، تخت نشین ہوا، وہ بھی چار سال حکومت کر کے (۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء) دنیا سے رخصت ہوا۔ مہینہ پندرہ دن کے لیے تخت پر بیٹھنے والے کئی "مغل شہنشاہوں" سے قطع نظر فرخ سیر کے چھ سالہ دور حکومت (۱۷۱۳ء/۱۱۲۴ھ سے ۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ تک) اور محمد شاہ کے تیس سالہ دور حکومت (۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ سے ۱۷۴۸ء/۱۱۶۱ھ تک)، کو ملا نظام الدین فرنگی محلی کی مسند درس کی تابانیوں سے نمود نصیب رہا۔

کم و بیش پچاس سال تک ملا نظام الدین فرنگی محل میں درس دیتے رہے اور اس حویلی کی شہرت کو بام عروج پر پہونچاتے رہے، مورخین کی نظر میں فرنگی محل "اسلامی علوم کی یونیورسٹی" اور "ہندوستان کا سب سے بڑا دار العلوم" بنتا چلا گیا، لیکن تقریباً سو سال بعد تک اس حویلی کی نسبت سے "فرنگی محلی" لکھنے کا کوئی سراغ نہیں ملتا، خود ملا نظام الدین اپنی تصانیف میں اپنے کو "سہالوی" لکھتے رہے۔ ان کے نامور فرزند ملا عبد العلی بحر العلوم (وفات ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) نے بھی اپنی تصانیف میں کہیں "فرنگی محلی"

اپنے کو نہیں لکھا، ملا بحر العلوم کے ہم عصر اور وفات کے اعتبار سے ہم سال ملا محمد مبین فرنگی محلی نے بھی، نیز ان کے نامور جد امجد ملا احمد عبد الحق بن ملا محمد سعید نے بھی اپنی تصانیف میں فرنگی محل کی نسبت سے اپنا تعارف کہیں نہیں کرایا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں "فرنگی محل" ذریعۂ تعارف و امتیاز نہ تھا، بلکہ لکھنؤ کا ایک محلہ تھا جس طرح دوسرے محلے کسی قصبے کے ہوا کرتے ہیں۔

معاصر مؤرخ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ملا نظام الدین سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں تو فرنگی محل کا کوئی حوالہ وہ بھی نہیں دیتے ہیں:-

انا دخلت فی التاسع عشر من ذی الحجة	میں ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۶ء میں لکھنؤ گیا
الحرام سنة ثمان واربعین بعد مأة	اور ملا نظام الدین سے ملاقات کی میں نے
والف واجتمعت بالملا نظام الدین	ان کو سلف صالحین کے طریقے پر پایا،
فوجدته علی الطریقة السلف الصالحین	ان کی پیشانی پر بزرگی کا نور
وکان یلمع علی جبینه نور المتقدمین	تاباں تھا۔

(سبحۃ المرجان)

علامہ بلگرامی کی دوسری کتاب مآثر الکرام میں ملا نظام الدین کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:-

وہم در لکھنؤ رحل اقامت افگند و تمام عمر	لکھنؤ ہی میں قیام اختیار کر لیا اور تمام
بہ تدریس و تصنیف اشتغال ورزید و اشتہار	عمر درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں
عظیم یافت امروز علمائے اکثر قطر	گزار دی اور عظیم شہرت کے مالک ہوئے
ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند	آج کل ہندوستان کے اکثر اطراف کے
وکلاہ گوشۂ تفاخر می شکنند وکسے کہ سلسلۂ	علماء ملا نظام الدین سے شاگردی کی
تلمذ با وی رساند بین الفضلا علم امتیاز	نسبت رکھتے ہیں اور تاج فخر و مباہات
می افرازد و مردم انبیادرا دیدہ شد	زیب سر کرتے ہیں، جو شخص ملا نظام الدینؒ

آں حیرانند اگرچہ استاد اول علمائے زمانۂ حال ملا نظام الدین مرحوم کہ فرنگی محل را در لکھنؤ از ذات او شرف است لیکن پیر طریقت شاں......[1]

سلسلہ ان ہی پر منتہی ہوتا ہے، ان کے شاگرد ملا کمال الدین سہالوی نے ایک کتاب "عروۃ الوثقیٰ" لکھی تھی جس کے دقائق و غوامض حل کرنے سے بڑے بڑے علماء عاجز ہیں، اگرچہ زمانۂ حال کے علماء کے استاد اول ملا نظام الدین مرحوم تھے، جن کی ذات سے لکھنؤ میں "فرنگی محل" کو شرف و عزت حاصل ہے، لیکن ان کے پیر طریقت ......

اس کے آگے مرزا قتیل کی عبارت خبط ہو گئی، پیش نظر "ہفت تماشا" کا مطبوعہ نسخہ (نول کشور پریس) ہے، اس کا کوئی قلمی نسخہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا ورنہ یہ گتھی صاف ہو جاتی، مطبوعہ "ہفت تماشا" میں اس کے آگے جو عبارت ہے وہ یہ ہے:-

ہمیں ملا کمال الدین بود

"لیکن ان کے پیر طریقت بھی ملا کمال الدین گزرے ہیں۔"

یہ سراسر غلط بھی ہے اور سیاق و سباق سے یہ ٹکڑا مطابقت بھی نہیں رکھتا، بیچ میں کچھ عبارت منحذف ہو گئی ہے، مرزا قتیل کہنا یوں شروع کرتے ہیں کہ "زمانۂ حال کے علماء کے استاد اول اگرچہ ملا نظام الدین مرحوم تھے" اس کا اختتام یہ ہونا چاہیے تھا۔ "لیکن ان کے پیر طریقت اس کے برعکس کم علم بلکہ امی محض تھے" اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ ملا نظام الدین اور ان کے فاضل شاگرد ملا کمال الدین سہالوی دونوں کے پیر طریقت تذکروں کی صراحت اور خود ملا نظام الدین کے بیان کے مطابق "امی محض" تھے۔ قتیل کی عبارت سے اگر اس کو تحریف شدہ یا مخبوطانہ سمجھا جائے "تاریخی

---

[1] ہفت تماشا مطبوعہ نول کشور پریس (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) ص ۱۳۵

کہ تحصیل جہات دیگر کردند برائے اعتبار فاتحہ فراغ از وی گرفتہ۔

شاگردی کا تعلق رکھتا ہے وہ فضلائے عہد کے درمیان امتیاز و خصوصیت کا پرچم بلند کرتا ہے، بہت سے لوگوں کو دیکھا ہو کہ دوسری جگہوں میں تحصیل علم کی لیکن اپنا اعتبار بڑھانے کے لیے فاتحہ فراغ آکر ملا نظام الدین ہی سے پڑھا۔

فقیر بتاریخ نوزدہم ذی الحجہ ۱۱۶۰ھ در بلدۂ لکھنؤ یک صحبت مولوی را دیدم طریقۂ سلف صالحین داشت و مشعشعۂ تقدس از ناصیۂ ہمایوں می تافت

فقیر (علامہ آزاد بلگرامی) نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ء) کو شہر لکھنؤ میں ملا صاحب کی ایک صحبت دیکھی ہے، سلف صالحین کا انداز رکھتے ہیں اور بزرگی کی دمک ان کی مبارک پیشانی سے پھوٹ رہی تھی۔

"مولی فرنگی" یا "فرنگی محل" یا "فرنگیس کوارٹرس" نے تاریخ میں جو جگہ حاصل کی وہ ملا نظام الدین ہی کے پچاس سالہ غلغلۂ درس و تدریس کی بدولت حاصل کی، مرزا محمد حسن قتیل (وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) ملا نظام الدین کو محمد شاہ بادشاہ کے زمانے کے "سرآمد علماء" قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ملا نظام الدین پسر ملا قطب الدین سہالوی کہ استاد استاد محب اللہ بہاری بود در زمان دولت محمد شاہ بادشاہ سرآمد علما بود چنانچہ حالا ہم در ہند سلسلۂ فضلاء و طلبہ علوم باو انتہا می پذیرد و ملا کمال الدین سہالوی شاگردش کتابے موسوم بہ عروۃ الوثقیٰ نوشتہ کہ نحاریر علماء در کشف غوامض و حل دقائق

ملا قطب الدین سہالوی کے (جو ملا محب اللہ بہاری کے استاد کے استاد تھے) بیٹے ملا نظام الدین محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں سرآمد علماء تھے، چنانچہ آج بھی (یعنی ملا نظام الدین کی وفات کے ستر بہتر سال بعد بھی جو ہفت تماشا کا زمانۂ تصنیف ہے) ہندوستان میں فاضلوں اور عالموں کا

اس عمر کے کئی اور فارغ التحصیل ذی استعداد اساتذہ اور بھی ہوں گے، پھر ملا نظام الدین کی طرف طلبۂ علم کی کشش کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس کا مجمل جواب تو یہی ہے کہ ان کے طریقۂ درس کی شہرت اس وجہ سے بہت جلد ہو گئی کہ ان کے نصاب تعلیم کے فوائد، جس کو ان ہی کی نسبت سے "درس نظامی" کہا جانے لگا بہت تیزی سے ظاہر ہونے لگے تھے، سب سے بڑا فائدہ تو یہی تھا جس کی طرف ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے ملا قطب الدین شہید کی وجہ شہرت کے سلسلہ میں اشارہ کیا ہے، یعنی "تحصیل فراغ بسیاری از مردمان بمدت اندک" (بہت کم مدت میں طلبہ کو فارغ التحصیل کر دینا)، ملا نظام الدین کے درس سے کتنی جلد طلبہ فارغ التحصیل ہو جاتے تھے، اس کی ایک حیرت انگیز مثال ان کے ارشد تلامذہ ملا کمال الدین سہالوی کے احوال سے ملتی ہے۔

ملا کمال کا ستر سال (کم و بیش) کی عمر میں ۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۱ء میں (۱۴ محرم الحرام کو) انتقال ہوا[1] اس حساب سے ان کی پیدائش لگ بھگ ۱۱۰۵ھ میں ہوئی، ان کی ابتدائی تعلیم متوسطات تک ان کے وطن ثانی فتحپور میں ہوئی، ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد جس طرح اولاد ملا قطب نے سہالی چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا تھا، اسی طرح ملا کمال کے والد ماجد قاضی دولت سہالوی نے بھی جو ملا قطب کے شاگرد اور متبنیٰ تھے، سہالی چھوڑ دیا تھا اور اپنی سسرال فتحپور میں اقامت اختیار کر لی تھی:۔

چون قضۂ شہادت ملا قطب الدین شہید
از دست قوم خانہ زاد بظہور رسید و
بے سبب و ناحق ملائے شہید را شہید کردند
قاضی محمد دولت را بود و باش قصبۂ سہالی
ناگوار افتادہ و ناچار قاطبۃً ترک کردند

جب خانہ زادوں کے ہاتھوں ملا قطب الدین
شہید کا واقعۂ شہادت ظہور پذیر ہوا کہ بے سبب
اور ناحق ان کو شہید کر دیا، قاضی محمد دولت
کو سہالی میں بود و باش ناگوار ہو گئی، مجبوراً
سہالی کو کلیۃً ترک کر کے فتحپور میں

[1] "از عمر ہفتاد سال تجاوز کردہ تا بتاریخ چہاردہم ماہ محرم الحرام سنہ یک ہزار و یک صد و ہفتاد و پنج ہجری داعی حق را لبیک گفتہ" از اغصان الانساب مصنفہ مولوی محمد رضی الدین محمود انصاری فتحپوری ص ۱۲۷ (مخطوطہ فرنگی محل)۔

حقیقت بدل کر رہ جائے گی۔ اس کے علاوہ "اگرچہ استاد اول تھے" کے جملۂ شرطیہ کی شرط اپنی جزا "کے پیر طریقت بھی ملا کمال الدین سہالوی گزرے ہیں" سے بالکل نہیں کھاتی، اس لیے کہ ملا کمال بھی علمائے عصر کی ایک بڑی تعداد کے استاد تھے، ان کے پیر طریقت ہونے میں اس قدر حیرت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

مرزا قتیل اس کے بعد ملا کمال الدین کے اجلۂ تلامذہ ملا برکت الہ آبادی، ملا حمد اللہ سندیلوی، ملا حسن فرنگی محلی، ملا حسن چریا کوٹی اور ملا عالم سندیلوی کا ذکر کرنے اور ملا نظام الدین کے نامور فرزند ملا عبد العلی بحر العلوم کو (جن کی وفات کو اس وقت تک دو سال بھی نہیں ہوئے تھے) خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

این بزرگان کہ شمار دہ آمدند شیخ سلسلہ
علماء بودہ اند جابجا در ہند علم معقول
از ہمینہا منتشر شدہ ہیچ فاضلے و طالب علمے
نیست کہ از حلقۂ شاگردی اینہا بیرون باشد
بعضے بشش واسطہ بعضے بہ ہفت واسطہ
و بعضے بکم ازین در تلمذ علمی باینہا می رسند
لیکن بعضے بنجابیان و علویان شدہ

یہ سب بزرگ جن کا تذکرہ کیا گیا سلسلۂ علماء
کے شیوخ گزرے ہیں، ہندوستان میں علم
معقول جابجا ان ہی حضرات سے پھیلا،
کوئی طالب علم اور کوئی فاضل ایسا نہیں ہے
جو ان کی شاگردی کے حلقے سے باہر ہو، کوئی
چھ واسطوں سے کوئی سات واسطوں سے
اور بعض اس سے بھی کم واسطوں سے ان حضرات
سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔[1]

فارغ التحصیل ملا نظام الدین محمد کی سند درس نکلنے کے بعد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلبۂ علوم کی توجہ اس طرف کب اور کیسے مبذول ہوئی۔ ایک پچیس سالہ فارغ التحصیل استاد کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے کی بات اور ہے لیکن اس استاد کی اہمیت محسوس کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی تھی جب کہ اس نوجوان کی علمی اور تدریسی استعداد کا اظہار ابھی صغر کے درجہ سے آگے نہیں بڑھ پایا ہے۔

[1] ہفت تماشا مطبوعہ نول کشور ص ۱۳۵

ودر قصبۂ فتحپور ...... اقامت گزیدند[1]

...... قیام اختیار کیا۔

اغصان الانساب کے مصنف مولوی رضی الدین محمود انصاری فتح پوری نے جو ملا کمال کے ہم عصر ہیں، لکھا ہے:۔

در ابتدائے حال کتب مختصرہ از میران کمال الدین ساکن بنگالہ کہ شاگرد ملا نظام الملۃ والدین محمد قدس سرہ بودند خواندہ[2]

(ملا کمال الدین سہالوی نے) شروع میں چھوٹی کتابیں بنگال کے رہنے والے میران کمال الدین سے پڑھیں جو ملا نظام الملۃ والدین محمد کے شاگرد تھے۔

اور میران کمال الدین بنگالی کے بارے میں بہت صراحت سے صاحب اغصان الانساب نے لکھا ہے:۔

چوں میران کمال الدین از استاد خود کتب درسیہ خواندہ فارغ شدند در فتحپور آمدہ تدریس آغاز نمادند[3]۔

میران کمال الدین بنگالی جب اپنے استاد (ملا نظام الدین محمد) سے کتب درسیہ پڑھکر فارغ التحصیل ہو گئے تو فتحپور آکر انھوں نے پڑھانا شروع کر دیا۔

ملا کمال الدین کے بارے میں یہ بھی قریب قریب طے ہے کہ وہ ۲۱-۲۲ سال کی عمر میں ملا نظام الدین سے مطولات پڑھ کر فارغ التحصیل ہو چکے تھے، یعنی سنہ ۱۱۲۶ھ میں وہ ایسے فاضل ہو گئے تھے کہ اپنے استاد کامل ملا نظام الدین پر ایک ناخواندہ پیر کے مرید ہو جانے پر معترض ہونے لگے تھے، نیز جس کرامت کی بنا پر ملا نظام الدین ایسے پیر کے مرید ہوئے تھے اس کرامت کو ملا کمال اس لیے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے تھے کہ جو معجزہ نبی سے صادر ہو چکا ہو وہی کرامت کی شکل میں کسی ولی سے صادر نہیں ہو سکتا۔ ان کی اس الجھن کو ملا نظام الدین کے استاد ملا غلام نقشبند (وفات سنہ ۱۱۲۶ھ) نے بدلائل مرفوع کیا۔

---

[1] اغصان الانساب مخطوطہ ص ۲۳ [2] ایضاً ص ۲۵ [3] ایضاً ص ۲۳

ان واقعات کو تاریخ وار ترتیب دینے سے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ کا تعین یہاں تخمینی ہوگا تاریخ اس طرح مرتب ہوتی ہیں کہ میران کمال بنگالی سے مختصرات پڑھ کر ملا کمال الدین سہالوی نے مطولات ملا نظام الدین سے تمام کیے اور سنہ ۱۱۲۶ھ سے قبل تعلیم سے فراغت حاصل کی، مطولات پڑھنے کی مدت کو کتنا ہی کم کیا جائے مگر پانچ سال سے کم نہیں کیا جا سکتا، اس لحاظ سے سنہ ۱۱۲۰ھ میں انھوں نے مطولات پڑھنے کا آغاز کیا ہوگا، اس سے قبل مختصرات اپنے وطن میں میران کمال بنگالی سے پڑھ چکے تھے، یہیں صرف ہونے والی مدت اگر تین سال رکھی جائے تو سنہ ۱۱۱۷ھ میں مختصرات پڑھنے کا آغاز ہوا ہوگا اور یہ سال وہ ہوگا جب مختصرات کے استاذ میران کمال بنگالی اپنے استاد ملا نظام الدین سے درسیات تمام کر کے فارغ التحصیل ہو چکے ہوں گے۔ سوال یہ ہو کہ میران کمال نے پڑھانا کے سال قبل شروع کیا تھا، یعنی ملا نظام الدین نے درس و تدریس کا آغاز کب کیا تھا کہ ان کے شاگرد سنہ ۱۱۱۶-۱۷ھ میں فارغ التحصیل ہو کر استاذ تک بن گئے، اگر میران کمال بنگالی کے زمانۂ تعلیم کو پانچ سال قرار دیا جائے تو مطلب یہ نکلے گا کہ ملا نظام الدین سنہ ۱۱۱۲-۱۳ھ میں مسند درس پر بیٹھ چکے تھے، یعنی فرنگی محل میں سنہ ۱۱۰۵ھ میں آباد ہونے کے بعد جب شرح جامی تک پڑھ چکنے والے ملا نظام الدین بغرض تکمیل تعلیم دیوہ، جائس اور بنارس وغیرہ گئے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ فارغ التحصیل ہونے میں دس سال صرف کیے، جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے بلکہ چھ یا سات سال میں فارغ التحصیل ہو کر ملا صاحب اپنے وطن واپس آگئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور درس کا طریقہ ایسا اختیار کیا کہ پانچ یا چھ سال میں طلبہ کو فارغ التحصیل ہونے کا موقع ملنے لگا۔ اور یہی مطلب ہوگا "تحصیل فراغ بسیاری از مردمان بخدمت ایشان" کا، یعنی کم سے کم مدت میں فارغ التحصیل کرا دینا۔

بہر حال ملا صاحب کے اولین تلامذہ میں یہی میران کمال الدین بنگالی تھے ان کے علاوہ خود اپنے حقیقی بھتیجے احمد عبد الحق بن ملا محمد سعید، عبد العزیز بن ملا محمد سعید غلام محمد مصطفیٰ ابن ملا اسعد وغیرہ بھی، غلام محمد مصطفیٰ اپنے جد ملا قطب شہید کی حیات میں پیدا ہو چکے تھے، اور احمد عبد الحق عین روز شہادت (۱۹ رجب سنہ ۱۱۰۳ھ) کو سہالی میں پیدا ہوئے تھے، ان کے چھوٹے بھائی عبد العزیز کی ولادت لکھنؤ فرنگی محل میں (سنہ ۱۱۰۸ھ) ہوئی، ملا عبد العزیز بن ملا محمد سعید پہلے مولود ہیں جو خاندان ملا قطب شہید کے

فرنگی محل میں آباد ہونے کے بعد آلد ہوئے، ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے کی جو مدت بھی فرض کر لی جائے (حد سے حد ۱۱۱۱ھ بھی) یہ تینوں بھتیجے اس وقت بچے ہی تھے، اور ان کو پڑھانے والا درکار تھا۔ حقیقی چھوٹے بھائی محمد رضا بن ملا قطب شہید کے بارے میں اغصان الانساب کے مصنف نے لکھا ہے:-

جملہ کتب درسیہ از برادر خورد مولانا نظام الملۃ والدین قدس سرہ خواندہ بتدریس برگان خدا پرداختہ دعالمے از ذات ایشان خوانِ علوم اندوختند و لیل و نہار کمر ہمت بر درس محکم بستہ بودند[1]

ملا محمد رضا نے تمام درسی کتابیں اپنے چھوٹے بھائی (تین بڑے بھائیوں میں سب سے چھوٹے) مولانا نظام الدین سے پڑھیں اور بندگانِ خدا کو پڑھانا شروع کر دیا، ایک دنیا نے ان کی ذات سے علوم کے خزانے ذخیرہ کر لیے، رات دن درس و تدریس میں استقلال کے ساتھ مصروف و منہمک رہتے تھے۔

ملا محمد رضا کی شاگردی بحث طلب مسئلہ اس لیے ہے کہ خاندان فرنگی محل کے قدیم حوالے اس کے خلاف ہیں۔ (اور درایت بھی اس کی مؤید نہیں معلوم ہوتی ہے) ملا نظام الدین اور ملا محمد رضا کو "ہم پیر" اور "ہم استاد" کہا گیا ہے، اگرچہ ملا محمد رضا کے اساتذہ کی صراحت نہیں ملتی، ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی (وفات ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۹ء) لکھتے ہیں:-

جوں تارک دنیا شدہ مرید حضرت سید عبدالرزاق بانسوی شدہ پس ہم پیر برادر خود شدند چنانچہ ہم استاد بودند[2]

ملا محمد رضا نے اس کے بعد ترک دنیا اختیار کی اور حضرت سید عبد الرزاق بانسوی کے مرید ہو گئے اس طرح وہ اپنے بھائی (ملا نظام الدین) کے ہم پیر بھی ہو گئے، جس طرح

---

۱ اغصان الانساب مخطوطہ ص۱۲۰ ۲ رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص۱۳

"ہم استاد" تھے۔

ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی (وفات ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) شاگردی کا ذکر کیے بغیر لکھتے ہیں:-

ملا محمد رضا مذکور اولاً تحصیل علوم کردہ در جنب برادر بزرگ بتدریس علوم مشغول گشتہ بعد ازاں بیاد مولیٰ اشتغال نمود[1]

ملا محمد رضا تحصیل علم کر کے پہلے تو اپنے بڑے بھائی (ملا نظام الدین) کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر درس دینے میں مشغول ہو گئے اس کے بعد درس و تدریس ترک کر کے یاد خدا میں محو ہو گئے۔

ملا محمد رضا اپنے نامور بھائی ملا نظام الدین سے چار ہی پانچ سال چھوٹے تھے، جب ملا نظام الدین سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے وطن سے نکلے تو ملا محمد رضا بھی گیارہ بارہ برس کے تھے، اور اس عمر میں تحصیل علم کے لیے نکلنا جبکہ دیوہ (ضلع بارہ بنکی) اور جائس (ضلع رائے بریلی) جیسے قریبی مقامات ہی تک جانا ہے، ذرا بھی خلاف معمول بات نہیں ہے، اسی لیے بڑے بھائی کے ہمراہ چھوٹے بھائی کا دیوہ، جائس اور بنارس کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے "ہم استاد" ہونا محل حیرت نہیں، یہ ضرور محل تعجب ہوتا کہ ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس آنے کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے، خصوصاً اس حالت میں جبکہ ایک روایت کے مطابق ملا رضا صرف دو ہی سال ملا نظام الدین سے چھوٹے تھے۔

بہر حال ملا محمد رضا کی شاگردی کی روایت مذکورہ تصریحات کی روشنی میں خاصی مخدوش ہو جاتی ہے، ملا محمد رضا آخر عمر میں "قال" سے "حال" کی منزل میں چلے گئے تھے اس لیے ان کے احوال میں تذکرہ نویس بس سرسری سا ذکر درس و تدریس کا کر کے 'حال' کے ذکر میں صفحوں کے صفحے لکھتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ اگر "ہم پیر" ہونے کے ذکر میں "ہم استاد" ہونے کی بات ان کے قلموں سے نکل نہ گئی ہوتی

---

۱ عمدۃ الوسائل مخطوطہ ص۲۱۳۔

تو ملا رضا کی تعلیم کے بارے میں ہلکی سی روشنی بھی ملنا دشوار ہو جاتا، ان کی قابل قدر تصانیف بھی بے توجہی سے خاندان کے ذخیروں میں گم ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان کی شرح سلّم ان کے یادِ خدا میں ہو جانے کے سو سال بعد تک موجود رہ کر مفقود ہو گئی۔

بہرحال اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ملا نظام الدین کی درس گاہ میں جس کو بعد کے مؤرخین "ملا نظام الدین" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ابتداءً دو مدرس تھے، ایک خود ملا صاحب، دوسرے ان کے "پہلو بہ پہلو" ملا محمد رضا، یہ دونوں بھائی کثیر التعداد طلبہ کے درس کی ذمہ داریوں کو باہم تقسیم کیے ہوئے تھے، اور جب ملا محمد رضا درس و تدریس سے دست کش ہوئے اُس وقت ملا نظام الدین کے بھتیجے ملا احمد عبدالحق اور ملا غلام محمد مصطفےٰ بن ملا اسعد فارغ التحصیل ہو چکے تھے بڑے بھتیجے ملا غلام محمد مصطفےٰ ملاواں کے قاضی ہو کر فرائض عدالت انجام دینے لگے، اور ملا احمد عبدالحق مددگار مدرس رہے۔ "تحصیل کتب درسیہ بجد تمام نمودہ در جناب او بتدریس مشغول گشت و تصانیف در معقولات نمود۔" (ملا نظام الدین کی خدمت میں تحصیل علم کرنے کے بعد ان کے برابر ہی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور فن معقولات میں کتابیں لکھیں)۔ "واعتبار تمام در ارباب علم و ارکین شہر پیدا کردہ متکفل ضبط و ربط معقدات خانگی و وجوہات دیانات چنانکہ باید نمودہ۔" (اہل علم و عمائدین شہر میں عزت حاصل کی اور خاندانی امور و جائیداد کے نظم و ضبط میں جیسا کہ چاہیے دلچسپی بھی لیتے رہے) درس و تدریس میں مشغول ہونے کے باوجود ملا احمد عبدالحق نے اپنے نامور چچا ملا نظام الدین کو امور خانگی سے اس طرح بے نیاز کر دیا کہ ملا نظام الدین:-

ہمیشہ از مردماں می گفت کہ بدولت میاں	ملا نظام الدین ہمیشہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے
احمد عبدالحق نظام الدین نظام الدین شد کہ	کہ میاں احمد عبدالحق (بھتیجے) کی بدولت نظام الدین
او شان ملامت دنیا و رنج ہمہ امورات بوجود	نظام الدین بنے، انھوں نے دنیا کی الجھنیں اور

۱؎ و ۲؎ اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۳۲

گرفتند و من باطمینان تمام بتدریس علوم	تمام معاملات کی پریشانیاں اپنے سر لیں
مشغول می باشم۔	اور میں پورے اطمینان کے ساتھ درس و
(اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۳۲)	تدریس میں مشغول ہو گیا۔

مطلب یہی ہوا کہ درس و تدریس کی مکمل ذمہ داری ملا نظام الدین اپنے ہی سر لیے رہے اور بجا طور پر ان کی درسگاہ "مدرسۂ نظام الدین" کے نام سے تاریخ میں یاد کی جاتی ہے، لیکن ایسی کوئی عمارت جو "مدرسہ" کہلاتی ہو، ملا نظام الدین کے زمانے میں فرنگی محل میں نہ تھی، ان کا گھر یا گھر سے متصل مسجد ہی ان کی درسگاہ ہونا چاہیے، مسجد میں درس دینے کی روایت ایک واقعہ کے ضمن میں ملا بحر العلوم سے ہے:-

چنانچہ روزے مولانا علیہ الرحمۃ بگوشۂ	(ملا بحر العلوم بیان کرتے ہیں) چنانچہ ایک دن
مسجد نشستہ مرا درس می دادند کہ دریں ہنگام	مولانا رحمۃ اللہ علیہ (ملا نظام الدین) مسجد کے
دو جوان خوب رو در مسجد در آمدند الخ۱؎	کونے میں بیٹھے مجھے پڑھا رہے تھے کہ دو
	خوب رو نوجوان مسجد میں آ گئے الخ۔

اور یہ مسجد بھی بعض خاندانی روایات کی رو سے ملا صاحب کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تھی "حویلی فرنگی" کا قدیمی جزو نہ تھی، یہ بھی مسموع ہوا ہے کہ محراب مسجد کے شمالی حصے میں جو منبر ہے اُس کے تین زینوں میں سے اوپر کے زینے کا پتھر ملا صاحب کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک کا رکھا ہوا ہے، اور یہ خود اپنی آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے کہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی "خطبۂ جمعہ کے لیے جب منبر پر کھڑے ہوتے تھے تو ادباً تیسرے (آخری زینے) پر نہیں کھڑے ہوتے تھے، بلکہ دوسرے زینے سے خطبہ دیتے تھے، یہی معمول مولاناؒ کے بعد اُن کے جانشینوں اور اماماں جمعہ کا اب تک ہے، اس کی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ اوپر کی سیڑھی کا پتھر حضرت سید صاحب بانسوی

۱؎ عمدۃ الوسائل مخطوطۂ فرنگی محل ص ۲۹۰

کے دستِ مبارک کا رکھا ہوا ہے اس لیے اس کو زیرِ پا نہ آنا چاہیے۔

امورِ خانگی اور معاملات زمینداری، جن کے متکفل ملا صاحب کے بھتیجے ملا احمد عبدالحق رہے تھے، اس کی تفصیل صاحب اغصان اربعہ نے جو خاندان فرنگی محل کے ممتاز مورخ تھے اس طرح بیان کی ہے:

ہر چند فرنگی محل بفرمان بادشاہی معاف شدہ بود لیکن رعایائے متعلقہ آں قبضہ نمی دادند و بتمردسری داشتند بمساعی جمیلہ ملا احمد عبدالحق زیر و زبر شدند و سر بہ رعیت گردن نہادند و بر خط کرایہ بنام او نوشتہ دادند چونکہ بسبب علیکہ مولانا نظام الدین داشت شکستگی خاطر اعدے بود نا گوار بود ہر کس کہ بخدمت او نالش با احمد عبدالحق کرد وے فرمود کہ او شاں مالک اند ہر چہ خواہند بکنند من اختیار ندارم

(اغصان اربعہ مطبوعہ صفحہ ۱۲۳)

اگرچہ فرنگی محل شاہی فرمان کے تحت ہبہ ہوا تھا لیکن ان عمارات پر قابض لوگ قبضہ لینے نہیں دیتے تھے اور سرکشی اختیار کیے ہوئے تھے ملا احمد عبدالحق کی کوششوں سے یہ لوگ زیر ہوئے اور کرایہ داری کے سرخط لکھ دیے یہ سرخط ملا احمد عبدالحق کے نام لکھے گئے۔ اس لیے کہ ملا نظام الدین کے مزاج میں ایسی نرمی تھی کہ کسی متنفس کی بھی دلشکنی ان کو ناگوار معلوم ہوتی تھی، اور جب لوگ (رعایا) ملا احمد عبدالحق کے خلاف ملا نظام الدین سے اپیل کرتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ ملا احمد عبدالحق ہی مالک ہیں، جیسا چاہیں کریں، مجھے ان کی کارروائیوں میں دخل دینے کا اختیار نہیں ہے۔

اس اقتباس سے، جو ایک ایسے کی تحریر کا ہے جو فرنگی محل کے علمائے فرنگی محل سے آباد ہونے کے صرف پچھتر سال بعد اسی خاندان میں پیدا ہوا تھا، مزید وضاحت ہو گئی کہ فرنگی محل یا "حویلی فرنگی" محض ایک مکان نہ تھا، بلکہ اصل حویلی کے ساتھ متعلقات حویلی بھی تھے، جن میں کرایہ دار رہتے تھے، جو خاندان ملا قطب الدین کی ملکیت ماننے اور قبضہ دینے میں سرکشی سے کام لے رہے تھے، بزرگ کے

علمائے کا یہ نکتہ "فرنگی محل یا فرنگیس کوارٹرس میں" اور فرمان شاہی کا یہ اشارہ "یک منزل حویلی فرنگی متعلقہ آں" اس اقتباس کی روشنی میں بہت واضح ہو جاتا ہے۔

ملا قطب الدین کا کنبہ جب اس حویلی میں منتقل ہوا ہے تو کم و بیش نصف درجن مرد و زن و اطفال پر مشتمل تھا، یعنی ملا سعید بن ملا قطب الدین شہید، بیوہ ملا قطب شہید، والدۂ ملا قطب شہید، زوجۂ ملا محمد اسعد اور ان کے ایک کم عمر بیٹے ملا غلام محمد مصطفیٰ، زوجۂ ملا سعید اور ایک نوعمر بیٹے ملا محمد احمد عبدالحق، ملا نظام الدین اور ان کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا، اس چھوٹے سے کنبے کے لیے "اصل حویلی فرنگی" کافی تھی، متعلقات حویلی سے قابضوں کی بے دخلی کی کوئی ضرورت بھی اس وقت نہ تھی، مولانا عنایت اللہ مرحوم فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

"وہ کوٹھی (اصل حویلی) میں سب لوگ سکونت پذیر ہوئے، جب اولاد بڑھی اور جگہ کی تنگی ہوئی تو ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کوٹھی کے جنوب جانب اور ملا رضا نے شمال جانب اور ملا اسعد کی اولاد نے اس کوٹھی کے متصل کو کھدوا کر مکانات بنوا لیے، ملا سعید کے صاحبزادے (ملا احمد عبدالحق اور ملا عبدالعزیز) اسی میں (اصل حویلی میں) رہتے رہے، ملا عبدالعزیز کا نکاح مفتی مراد کی بیٹی سے ہوا تھا، اور اہل و عیال محلہ سوت ہٹی میں مفتی مراد کے یہاں قیام پذیر تھے، اس لیے یہ کوٹھی (حویلی) مولانا عبدالحق کا مسکن رہی"۔

(تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ صفحہ ۹)

اولاد بڑھنے اور جگہ کی تنگی ہونے کے بعد ہی "متعلقات حویلی" کو اپنے قبضہ میں لینے اور حسب ضرورت ان کی تعمیر میں رد و بدل کرنے کا ارادہ کیا گیا اور اس وقت ملا نظام الدین ایک مشہور شخصیت ہو چکے تھے، طلبہ علوم جوق در جوق ان کی خدمت میں آنے لگے تھے، درس و تدریس کے انہماک میں ان کو خاندان کے بڑے اور بزرگ ہونے کے باوجود جائداد کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ تھی اسی لیے ان دونوں ملا صاحب کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا یہ ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے،

(مختار امور خانگی مولوی محمد رضا بود) خانگی امور کے مختار کل ملا محمد رضا رہے،

پس وسے مولوی عبدالحق شد[1]

دروہ قال کے محال میں چلے گئے، پھر کچھ بعد
وطن اور ملک چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے تو یہاں
کے بعد ملا احمد عبدالحق نے مختار محل کے فرائض
انجام دیے۔

بہر حال ملا نظام الدین کی درس گاہ حویلی فرنگی کی اصل عمارت تھی، یا مسجد فرنگی محل، یا حویلی کے جنوب میں ملا صاحب کا تعمیر کردہ مکان تھا، درس گاہ میں زیر تعلیم طلباء کا قیام کہاں رہتا تھا؟ دو چار یا دس پانچ طلبہ کے لیے یہ قیاس کر لینا ممکن بھی ہے کہ استاد کی دی ہوئی کسی جگہ یا قریبی مسجد میں رہتے ہوں گے، مگر ملا صاحب کے طلبہ کی کثرت کے پیش نظر یہ قیاس کام نہیں دے سکتا، روایات یہ بتاتی ہیں کہ ملا صاحب کے شاگرد فرنگی محل سے تقریباً ایک میل دور واقع مزار شاہ پیر محمدؒ پر رہتے تھے۔

---

[1] محاسن مناقب از ملا عبدالاعلیٰ (حفید ملا نظام الدین) مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی۔

درس گاہ و تلامذہ
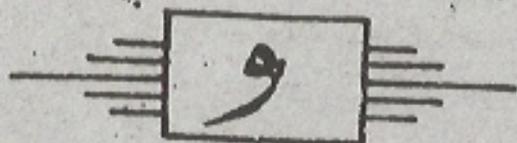
مشہور چشتی بزرگ شاہ پیر محمد صاحب (وفات ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کا مزار لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے ایک بہت اونچے ٹیلے پر واقع ہے، اور اس ٹیلے پر ایک عالیشان وسیع و عریض مسجد بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے اورنگ زیب عالمگیر نے تعمیر کرایا تھا، صاحب بحر زخار کا کہنا ہے کہ شاہ پیر محمد صاحب کے مزار کی عمارت اور مسجد، اودھ کے صوبہ دار فدائی خاں نے تعمیر کرائی تھی، مزار اور مسجد سے متصل اراضی بھی تھی جس پر

خلیفہ شاہ ملا نقشبند بر آں ٹیلہ گونا گوں نقش زدہ عمارات و حویلی بنا کردند و تا امروز اولاد ملا ممدوح دراں مکان برپاست قائم و متمکن[1]

(حضرت شاہ پیر محمد صاحبؒ کے) خلیفہ اور جانشین ملا (غلام) نقشبند نے (جو ملا نظام الدینؒ کے اساتذہ میں سے تھے) کچھ عمارتیں اور حویلی بنائی تھیں، ملا غلام نقشبند کی اولاد اب تک (زمانۂ تصنیف یعنی ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء تک) وہاں رہتی ہے اور قابض و متمکن ہے۔

ملا غلام نقشبندؒ مدرس بھی تھے اور رشد و ہدایت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ان کی خدمت

[1] اغصان الانساب مخطوطہ فرنگی محل ص ۱۲

میں علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی کے طلب گار بھی آتے رہتے تھے، اور مسجد بنا کردہ عالمگیر یا فدائی خاں اور عمارات تعمیر کردہ ملا غلام نقشبند میں ان کا رہنا ہوتا تھا۔ ملا غلام نقشبند کی وفات کے بعد (۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء) درس و تدریس کا سب سے بڑا مرکز ملا نظام الدین کا آستانہ تھا، خود ملا نقشبند کی اولاد بھی ملا نظام الدین سے شرف تلمذ رکھتی تھی، ملا صاحب کے پردیسی طلبہ کی قیام گاہ یہی ٹیلہ شاہ پیر محمد صاحب تھی، مرزا محمد حسن قتیل کا کہنا ہے کہ:

بیشتر بر پشتۂ شاہ پیر محمد کہ در لکھنؤ بکنار دریا مشہور است برائے ہفت صد طالب علم مشاہرہ بقدر ضرور، اکل و شرب و ملبوس از سرکار بادشاہ ہندوستان معین بودہ[1]

"اب سے پہلے (زمانۂ تصنیف یعنی ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء سے پہلے) شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر جو لکھنؤ میں دریا کے کنارے مشہور جگہ ہے، سات سو طلبہ کے رہنے، کھانے پینے اور پہننے کے اخراجات کے لیے بادشاہ ہندوستان کی طرف سے ضروری مشاہرہ مقرر تھا۔"

تلامذہ

ملا نظام الدین کے تلامذہ کی فہرست پچاس سالہ درس و تدریس کے نتیجے میں خاصی طویل ہونا چاہیے تھی، صرف ان ہی تلامذہ کی جامع فہرست پیش کرنا جنھوں نے اول سے آخر تک ملا صاحب سے استفادہ کیا، آسان نہیں، اور اگر ان "مردم بسیار" کو بھی شامل کر لیا جائے، جنھوں نے "برائے اعتبار فاتحہ فراغ از مولوی گرفتند" کے تحت سلسلۂ تلمذ ملا صاحب تک پہونچا کر "بین الفضلاء علم امتیاز بلند کردند" کی تمنا پوری کی تو احاطہ اور بھی دشوار ہو جائے گا۔

شاگردوں میں صرف فرنگی محل میں مقیم بیٹے، بھتیجوں، پوتوں اور آبائی وطن سہالی کے

[1] ہفت تماشا مطبوعہ نولکشور پریس ص ۱۴۲

بنی اہتمام کا حساب رکھا جائے تو تعداد کے لحاظ سے خواہ یہ فہرست مختصر معلوم ہو لیکن استاد کی عظمت
اور قوتِ تدریس کا سکہ قلوب پر بٹھانے کے لیے بہت کافی ہے۔

میران کمال الدین | اولین تلامذہ میں میران کمال الدین تو تھے ہی، بنگالہ کے رہنے والے لبتول صاحب
انتصاب الانساب، اور عظیم آبادی، صاحب نزہۃ الخواطر اور بہاری مرزا قتیل کے بیان کے مطابق
جنھوں نے ملا صاحب سے فارغ التحصیل ہو کر فتحپور (ضلع بارہ بنکی) میں مسند درس بچھائی تھی، اور
ملا صاحب کے ایک نامور اور صاحبِ درس شاگرد ملا کمال الدین سہالوی کو دریات کے مختصرات
پڑھائے تھے، وہ اولین تلامذہ میں سرفہرست قرار دیے جا سکتے ہیں۔

تین بھتیجے | بڑے بھائی ملا محمد اسعد بن قطب الدین شہید کے اکلوتے بیٹے جو اپنے نامور چچا ملا نظام الدین
سے آٹھ سال کے قریب چھوٹے تھے، جن کا نام غلام محمد مصطفےٰ تھا، اور منجھلے بھائی ملا محمد سعید کے
بڑے بیٹے جو ملا صاحب سے چودہ سال چھوٹے تھے، جن کا نام احمد عبدالحق تھا، یہ دونوں بھتیجے لٹے
ہوئے کنبے کے ساتھ سہالی سے آکر فرنگی محل میں آباد ہوئے، ایک خورد سال تھے اور ایک شیرخوار
پھر منجھلے بھائی ملا سعید کے دوسرے بیٹے جو فرنگی محل ہی میں پیدا ہوئے اور اپنے بڑے بھائی سے
دو سال اور اپنے چچا سے سولہ سال چھوٹے تھے، جن کا نام عبدالعزیز بن ملا محمد سعید تھا، یہ تینوں بھتیجے
بھی ملا نظام الدین کے اولین تلامذہ میں تھے۔

خاندان کے اولین شاگردوں میں ملا احمد عبدالحق مصنف اور صاحبِ درس گزرے ہیں وہ
ملا صاحب سے چودہ سال چھوٹے تھے، لیکن وفات میں صرف چھ سال پیچھے رہے، اور ان کے چھوٹے
بھائی ملا عبدالعزیز اپنے بڑے بھائی سے دو سال قبل ہی وفات پا گئے، ملا صاحب کے سب سے
بڑے بھتیجے ملا غلام محمد مصطفےٰ، فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملاواں (ضلع اناو) کے قاضی ہو گئے،
منصب قضا پر عزل و نصب کے کئی دور دیکھنے کے بعد اپنے بڑے بیٹے ملا محمد علی کے ساتھ عازم دہلی
ہوئے کہ معاملات کا آخری تصفیہ کرائیں، راستے میں دونوں باپ بیٹے غالباً شہید کر دیے گئے۔

دوسری پیڑھی میں مذکورہ تینوں بھتیجوں کے علاوہ جو اولین تلامذہ تھے، ملا صاحب کے چھوٹے

بھائی ملا محمد رضا کے دونوں بیٹے ملا احمد حسین اور ملا عبدالحی بھی ممتاز تلامذہ میں تھے۔ پھر تیسری
پیڑھی میں بڑے بھتیجے اور شاگرد ملا قاضی غلام محمد مصطفےٰ کے تینوں فرزند ملا محمد علی، ملا محمد ولی، اور ملا
محمد حسن (جو ملا حسن کے نام سے مشہور ہیں) منجھلے برادر زادے اور شاگرد ملا احمد عبدالحق کے بڑے بیٹے ملا
محب اللہ، چھوٹے بھتیجے اور شاگرد ملا عبدالعزیز کے اکلوتے بیٹے ملا محمد یعقوب، ان سب نے ملا نظام الدین
ہی سے پڑھا، اور ان میں سے بیشتر نے ملا صاحب ہی سے سند فراغت بھی حاصل کی جو ابھی تکمیل نہیں
کر سکے تھے کہ ملا صاحب کی وفات ہو گئی، انھوں نے درسیات کی تکمیل ملا صاحب کے شاگردوں ملا کمال الدین
سہالوی ثم فتحپوری اور ملا احمد حسین فرنگی محلی سے کی۔

یہ سب ملا صاحب کے خاندان کے حضرات تھے، جنھوں نے فرنگی محل ہی میں (بعض نے ملا صاحب
کی حیات میں اور بعض نے ملا صاحب کی وفات کے بعد) درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور سیکڑوں
تشنگانِ علوم کو سیراب کیا، ان میں سے ملا کمال الدین سہالوی فتحپوری، ملا احمد حسین فرنگی محلی اور ملا
بحر العلوم کے تلامذہ بھی کافی نام آور ہوئے ہیں۔

ملا کمال الدین سہالوی | ملا کمال الدین سہالوی (ثم فتحپوری) کے تلامذہ میں نامور ترین ملا حسن فرنگی محلی،
ملا محمد برکت الہ آبادی، ملا احمد اللہ سندیلوی، ملا عبداللہ سندیلوی، اور ملا محمد اعلم سندیلوی تھے، ان ہی
ملا اعلم سندیلوی کے شاگرد رشید، ملا عبدالواجد خیرآبادی تھے، جن کے شاگرد رشید مولانا فضل امام
خیرآبادی (والد ماجد مولانا فضل حق خیرآبادی) تھے، جن سے خیرآبادی سلسلۂ تلمذ جاری ہوا، اور دہلی،
رام پور اور اودھ میں یہ سلسلہ کافی پھیلا۔ ملا کمال الدین سہالوی کے درس کا فیض مغربی اضلاع بجنور،
مرادآباد، مظفرنگر اور سہارنپور وغیرہ میں ملا کمال کے تلامذہ کے ذریعہ دور دور تک اس وقت پھیلا جب
نواب نجیب الدولہ یا ان کے بیٹے غلام قادر روہیلہ نے دارانگر متصل امروہہ میں ایک مدرسہ قائم کیا،
اور ملا کمال کے ممتاز شاگردوں کو جیش قرار تنخواہوں پر درس و تدریس کے لیے مامور کیا، رضی الدین محمود
انصاری لکھتے ہیں:۔

دریں اثنا نواب نجیب الدولہ بہادر کو رضی اسی زمانے میں نواب نجیب الدولہ نے جو دہلی

امیر ذوی الاقتدار ملک فرخ شاہجہان آباد
بوده مدرسه بروے دریائے گنگ در مقام
دارانگر کہ متصل امروہہ و مراد آباد است
بنا کرده علمائے ذوی الاحترام مثل مولوی
محمد برکت الہ آبادی کہ از شاگردان رشید
مولانا کمال الدین محمد قدس سرہ کہ عنقریب
ذکر شان مرقوم قلم می گردد و مولوی محمد حسن
کہ ہمشیرزادہ و ہم شاگرد مولانا موصوف و
مولوی محمد سالم خلف متوسط مولانا ممدوح
بودند و دیگر فضلائے ولایتی و ہندی
والمشاہرہ معقول کہ صدہا روپیہ باشد
مقرر کرده و علیٰ ہذا القیاس طلبہ بے انداز
از شرفائے جوار و غیر جوار بوظیفہ حسب
لیاقت آنہا معین نمودہ دراں مدرسہ
صورت تعلیم و تعلم منور گردیده۔

کے اطراف کے رئیس اور ذی اقتدار امیر
تھے، امروہہ اور مراد آباد کے قریب
واقع دارانگر میں دریائے گنگا کے کنارے
ایک مدرسہ قائم کیا جس میں بڑی بڑی
تنخواہوں پر جو سینکڑوں روپیہ تھیں، ممتاز
علماء کو جیسے ملا محمد برکت الہ آبادی (ملا
کمال الدین سہالوی کے خاص شاگرد) ملا
حسن فرنگی محلی (ملا کمال کے شاگرد اور بھانجے)
اور ملا محمد سالم (ملا کمال کے منجھلے فرزند
اور شاگرد) اور بہت سے ہندوستانی اور
غیر ملکی علماء کو مقرر کیا، اسی طرح بے شمار
طلبہ کے لیے بھی جن میں اطراف و جوانب
کے شرفا کے بچے اور دور دور کے بچے بھی
شامل تھے، حسب استعداد ماہانہ وظیفہ بھی
مدرسہ کی طرف سے مقرر کیا، اس طرح دارا
نگر کے مدرسہ میں پڑھنے پڑھانے کی صورت
پیدا ہو گئی۔

ان شاگردانِ ملا کمال الدین کے ذریعہ ملا کمال کے استاد ملا نظام الدین کے درس کا سلسلہ دارانگر کے مدرسہ کے فارغ طلبہ کے واسطے سے تمام مغربی اضلاع میں جن میں ہندوستان کی

۱؎ افضال الانساب مخطوطہ فرنگی محل صـ

راجدھانی شاہجہاں آباد (دہلی) بھی شامل ہے، پھیل گیا، یہ وہ زمانہ ہے جب دلی میں ولی اللّٰہی خاندان کا حلقۂ درس خاصا وسیع ہو چکا تھا، اور اس خاندان کے سربراہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی دیگر علوم کے ساتھ تفسیر و حدیث و فقہ کی ترویج میں غیر معمولی شہرت کے مالک ہو چکے تھے، ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد ملا کمال الدین کے دو شاگرد ملا حسن فرنگی محلی اور ملا قطب الدین محمد ابن کمال الدین سہالوی بھی شاہ صاحب کی حیات میں دلی پہنچ گئے تھے، اور ملا حسن نے وہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کیا تھا، اور یہ اسی عہد کا واقعہ ہے جس کو مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے حسب ذیل الفاظ میں درج کیا ہے۔

"ملا حسن (فرنگی محلی) نے کچھ مدت دلی میں قیام فرمایا، تو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے شاگردوں کو خبر ہوئی، وہ بھی ملا حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی بحث علمی پر بحث کرنے لگے ملا حسن نے جوابات معقول سے ان کی تشفی کر دی، وہ حضرت شاہ صاحب کے پاس واپس گئے اور ملا حسن کی تعریف کرنے لگے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ "ان معقولیوں کو حدیث و قرآن سے بالکل بے خبری ہوتی ہے، یہ بیچارے عمر بھر قال الشیخ و قال الرازی میں پڑے رہتے ہیں"۔ ملا حسن اس عرصے میں رامپور واپس ہو چکے تھے۔ کسی نے بحر العلوم تک یہ واقعہ پہنچایا، بحر العلوم نے جواب میں "ارکان اربعہ" لکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کے جواب میں نہایت توصیف و مدح مولانا کی لکھی اور خط کے عنوان میں مولانا کو "بحر العلوم" کے لقب

۱؎ پاکستان کے ایک مؤرخ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی اپنی تصنیف "تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت" جلد دوم شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۳ء میں لکھتے ہیں: "ملا نظام الدین کے فرزند ملا عبد العلی جوانی میں ارکاٹ چلے گئے تھے، وہاں نواب محمد علی والاجاہ کی سرپرستی میں ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ خطاب "بحر العلوم" اسی دریادل سرکار نے بخشا تھا۔" (ص ۱۳) ہاشمی صاحب ایک ایسے مؤرخ ہیں جنھوں نے اپنے مخصوص عقیدے "غزا یا شہادت" کے علاوہ ہر نقطۂ نظر رکھنے والے گروہ یا فرد کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے اور غیر مسلموں سے شدید نفرت و بغض کا اظہار کیا ہے۔ وہ اگر غیر سنجیدہ انداز میں بحر العلوم کے بارے میں غلط بیانی کریں تو حیرت نہ ہونا چاہیے (باقی صفحہ ۹۴ پر)

لقب فرمایا۔ خدا کی قدرت کہ حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہوا خطاب آج عالم میں شہرت پا گیا اور اب اہلِ علم کے حلقوں میں نام اور شاہی خطاب سے زائد حضرت شاہ صاحب کا عطیہ خطاب ہی مشہور ہے۔" ان ہی ملا کمال الدین سہالوی کے ذریعہ ان کے استاد ملا نظام الدین کا فیض ہندوستان کے باہر کیسے پہنچا، کس طرح؟ اس سلسلے کا واقعہ اغصان الانساب (قلمی) کے مصنف نے یوں بیان کیا ہے:

مولوی عبدالرحمن یمنی کہ در یمن صاحب درس بودند سالے برائے زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و بیت اللہ آمدہ بودند ہم دراں شخصے از شاگردان مولانا ممدوح مشرف بزیارت کعبہ شریفہ آمدہ بود، حسب اتفاق از مولوی عبدالرحمن یمنی دراں جا ملاقات دست داد چیزے بحث علمی بمیاں آمد چوں مولوی عبدالرحمن بمقابلہ آں کس خود را ہیچ مداں دید مستفسر شدند کہ ایں علم از کدام فاضل آموختہ اید؟ آں شخص مدح و تعریف استاد خود بیان کرد مولوی عبدالرحمن یمنی از بیت اللہ بارادہ اخذ علم و تعلیم عازم ہندوستان شدند و جویا بودہ بخدمت مولانا موصوف رسیدہ پنج شش سال اقامت نمودہ مجدداً کتب درسیہ خواندہ و بخوبی علوم حاصل کردہ راہی وطن خود شدند و در انجا رسیدہ بر مسندِ تدریس تمکین کردند و نام استاد خود در ملک عرب بلند آوازہ گردانیدند۔[1]

یمن (ملک عرب) میں ایک عالم اور مدرس مولوی عبدالرحمن تھے، ایک سال وہ حج و زیارت کے سلسلے میں مکہ معظمہ آئے، اسی سال ملا کمال الدین سہالوی کے ایک شاگرد بھی شرفِ حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، اتفاق سے مولوی عبدالرحمن یمنی اور شاگرد ملا کمال کی ملاقات مکہ معظمہ میں ہو گئی، آپس میں کوئی علمی بحث چھڑ گئی، جب مولانا عبدالرحمن یمنی نے شاگرد ملا کمال کے مقابلے میں علمی اعتبار سے اپنے کو ہیچ پایا تو دریافت کرنے لگے کہ کس فاضلِ علم نے آپ کو پڑھایا ہے، شاگرد نے اپنے استاد ملا کمال الدین سہالوی کا نام لیا اور ان کی مدح و توصیف کی، مولوی عبدالرحمن یمنی مکہ معظمہ سے وطن جانے کے بجائے علم حاصل کرنے سیدھے ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، ہندوستان پہونچ کر ڈھونڈتے ہوئے ملا کمال الدین سہالوی تک پہونچ گئے اور پانچ چھ سال رہ کر ازسرِ نو کتب درسیہ ملا کمال الدین سے پڑھیں، اور اچھی طرح تحصیل علوم کرکے اپنے وطن یمن واپس گئے، وہاں پہونچ کر مسند درس بچھائی اور اپنے استاد ملا کمال الدین سہالوی کے نام کو ملک عرب میں خوب خوب شہرت دی۔

(گزشتہ سے پیوستہ) اول تو بحر العلوم تو سترہ سال کی عمر میں ارکاٹ (مدراس) گئے تھے جو ہاشمی صاحب کو جوانی کی عمر نظر آئی۔ دوسرے بحر العلوم کا خطاب دربار سرکار کا عطیہ قرار دے کر خطاب کی وقعت گھٹانے کی کوشش فرمائی ہے، اس کے علاوہ پوری تاریخ ایسی ہی بیجا باتوں سے بھری ہوئی ہے اور حکومت ہند نے اس کتاب کا داخلہ ہندوستان میں ممنوع قرار دیا ہے تو اس کے اسباب یہی ہیں۔ ؎ تذکرۂ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص ۱۴۱

ملا کمال الدین کے بڑے فرزند ملا قطب الدین محمد نے اپنے والد ہی سے علوم حاصل کیے تھے، نکتہ سنجی اور دقت آفرینی میں وہ اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ

ملا کمال الدین طاب ثراہ می فرمودند کہ اگر قطب الدین درس می کردند از من کمتر نمی

ملا کمال الدین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قطب الدین درس دینا شروع کر دیتے تو مجھ سے کم نہ رہتے،

---

[1] اغصان الانساب مخطوطہ فرنگی محل ص ۵۵

بودند حسرت می کردند کہ افسوس طبیعت ایشاں[۱] راغب بسوئے درس نیست۔

ملا صاحب افسوس کرتے تھے کہ بیٹے کی طبیعت پڑھانے کی طرف کسی طرح راغب نہیں ہوتی۔

ملا قطب کے ایک ہم درس ملا محمد مستعان کاکوروی جو ملا کمال الدین کے شاگرد تھے کہا کرتے تھے:

روح مولانا مرحوم کلیتاً در جسم مولوی قطب الدین حلول کردہ است اگر درس می کردند نام پدر عالی قدر خود را رونق می دادند۔[۲]

ملا کمال الدین سہالوی کی روح مولوی قطب الدین کے جسم میں پوری طرح سما گئی ہے۔ اگر وہ درس و تدریس کا سلسلہ قائم کرتے تو اپنے نامور باپ (ملا کمال الدین) کے نام کو بڑی شہرت بخشتے۔

۱؎ اغصان الانساب مخطوطہ فرنگی محل ص ۵۵

۲؎ ملا کمال الدین کے اس لائق و ہونہار فرزند نے درس و تدریس کی طرف کیوں توجہ نہیں کی، اس کی وجہ اغصان الانساب کے مصنف نے وہی بیان کی ہے جو اکثر علمی ذہنوں کی خانہ خرابی کی ہوا کرتی ہے، یعنی سیاست میں پڑ کر خدمت علم سے غافل ہو گئے۔ مصنف اغصان الانساب کا کہنا ہے کہ:

ہرگاہ کہ مولوی قطب الدین محمد از تحصیل علم فارغ شدند عم ایشاں قاضی جان محمد مرحوم بہ ہمراہ خود بہ شاہجہاں آباد بردند و در آں جا از امراء و اکابر شاہی ملاقات کنانیدہ بکار و بار دنیا گرفتار شدند (اغصان الانساب قلمی ص ۵۵)

مولوی قطب الدین محمد جب تحصیل علم کر چکے تو ان کے حقیقی چچا قاضی جان محمد کسی ضرورت یا مقصد سے انھیں اپنے ہمراہ دلی لے گئے (قاضی صاحب خود بڑے حکام رس اور دربار شاہی تک پہنچنے والے آدمی تھے) انھوں دلی میں امیروں اور شاہی افسروں سے ملنے جلنے کی راہ و رسم کرادی اور دنیاوی دھندوں میں پھنسا دیا۔

ملا کمال الدین سہالوی خود اس درجے کے فاضل تھے کہ تنہا وہی اپنے استاد ملا نظام الدین کے نام کو روشن کرنے کے لیے بہت تھے، ان کی ٹکر کا عالم، مدرس اور مصنف اس زمانہ میں دور دور کوئی دوسرا نہ تھا، ان کی تصانیف عروۃ الوثقیٰ، شرح کبریت احمر اور حاشیہ شرح عقائد جلالی میں سے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اس طرح ملا کمال الدین کا ایک ہونہار جانشین علمی دنیا سے دور ہو گیا، دلی کا دربار درہم برہم ہوا تو سید شرف الدین محمد عرف مولوی مدن شاہ نے (جو حضرت بڑے پیر صاحب کی اولاد میں تھے، اور نواب شجاع الدولہ کی سرکار سے بڑی جاگیر پائے ہوئے تھے، نواح لکھنؤ میں قریہ خالص پور میں مسند فقر پر بیٹھ کر ریاضت و فیاضیوں کے ساتھ زندگی گزارتے تھے) ان کو اپنے پاس بلایا، مولوی مدن کا کارخانہ درہم برہم ہوا تو ملا قطب الدین خانہ نشین ہو گئے۔ ہر چند شجاع الدولہ کے نائب، راجہ بینی بہادر نے بلایا مگر قبول نہ کیا، اسی خانہ نشینی کے عالم میں ۲۰ شعبان ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں انتقال کیا، ملا قطب الدین، اغصان الانساب کے مصنف (رضی الدین محمود انصاری) کے حقیقی نانا تھے، ان کے بارے میں یہ ساری تفصیل نواسے ہی نے بیان کی ہے۔

قاضی جان محمد کے بارے میں جو ملا کمال الدین کے حقیقی بھائی تھے، اغصان الانساب کے مصنف نے ایک نادر سی واقعہ لکھا ہے، جس کو یہاں نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور تاریخ میں یہ نظر سے نہیں گزرا، ایک قلمی تعلیق میں درج رہ کر ہو سکتا ہے کبھی معدوم ہو جائے، قاضی جان محمد کے والد قاضی دولت (جن کا ذکر اوپر آیا ہے کہ وہ ملا قطب الدین شہید سہالوی کے شاگرد و متبنیٰ تھے، اور ملا شہید کی شہادت کے بعد واحد رشتہ دار تھے جو خاندان ملا قطب شہید کے سہالی کی سکونت ترک کرنے کے ساتھ ہی سہالی چھوڑ کر فتحپور چلے گئے تھے) فتحپور کے قاضی ہو گئے تھے، ان کے بعد قاضی جان محمد فتحپور کے قاضی ہوئے، پھر دلی گئے، یہاں سے کئی قصبات جیسے فرخ آباد کے اطراف کے قصبات بھوجپور گاؤں اور چھبرامئو وغیرہ اور علاقہ سہرا کی سند قضاۃ حاصل کر کے شرعیت کو رواج دیتے رہے، دربار شاہی تک پہنچ ہو چکی تھی، "خلعت پالکی" سے سرفراز تھے، محمد شاہ کا زمانہ تھا، اس کے دربار میں ہمیشہ حاضر رہتے تھے "مدام حاضر باش دربار شاہی بود" جری اور بہادر ایسے تھے کہ "در آں عصر مثل شاں کمتر کسے بودہ باشد" یہ دلی ہی میں تھے جب نادر شاہ کا حملہ ہوا اور قتل عام سے دلی تاراج

حاشیہ طبع ہو چکا ہے۔ عروۃ الوثقیٰ اور شرح کبریت احمر مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) کے مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کلکشن میں مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہے۔ میرزا قتیل عروۃ الوثقیٰ سے اس قدر مرعوب نظر آتے ہیں کہ ان کا خیال ہے:

کتابے موسوم بہ عروۃ الوثقیٰ نوشتہ کہ
نحاریر علماء در کشف غوامض و حل دقائق
آں حیراں اند (ہفت تماشا "مطبوعہ" ص ۱۴۵)

ملا کمال نے ایک کتاب عروۃ الوثقیٰ لکھی ہے
جس کی باریکیوں کے سمجھنے اور جس کے دقیق
مطالب کے حل کرنے سے بڑے بڑے علماء عاجز ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

میر کمال الدین نامی ساکن بہار نیز شاگرد
ملا نظام الدین بود چنانچہ میر مزبور و ملا
کمال الدین ہر دو را "کمالین" می گفتند
شاگردانش بیشتر در اطراف بنگالہ اند۔
(ہفت تماشا مطبوعہ ص ۱۴۶)

میر کمال الدین وہی ہیں جن کا ذکر میران کمال
بنگالی کے نام سے اوپر گزر چکا ہے اور جن
سے ملا کمال الدین سہالوی نے فتحپور میں
مختصرات درس پڑھے تھے، بہار کے رہنے
والے بھی ملا نظام الدین کے شاگرد تھے۔
چنانچہ ملا نظام الدین میر کمال الدین اور
ملا کمال الدین کو "کمالین" فرمایا کرتے تھے۔
میر کمال الدین کے شاگردوں کی اکثریت
بنگال کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۹۷ کا) ہوئی۔ نادر شاہ ابھی دلی میں مقیم تھا کہ عید الاضحیٰ (بقر عید) آ گئی اور یہ خطرناک اور خوفناک سوال بادشاہ اور امرائے سلطنت کے سامنے آ کھڑا ہوا کہ عید کا خطبہ جس میں خلفائے راشدینؓ کے اسماء گرامی لیے جاتے ہیں، کیسے پڑھا جائے گا اور کون پڑھے گا؟ نادر شاہ شیعہ تھا، اس کی سفاکی، قہرناکی اور خونریزی کا ہولناک تجربہ پوری دلی کو ابھی ابھی ہوا تھا، اس سوال کے سامنے آتے ہی ارکانِ سلطنت

اس طرح میران کمال الدین ساکن بنگالہ یا ساکن بہار نے اپنے استاد کا فیض بنگال میں عام کیا جہاں ان کے شاگردوں کی کثرت ہوئی اور ملا کمال الدین سہالوی اودھ میں سرگرم فیض رسانی رہے۔
میران کمال کے بارے میں ملا عبدالاعلیٰ (حفید ملا نظام الدین فرنگی محلی) نے لکھا ہے:-

محبت با استاد بسیار می داشتند چنانچہ بشنیدن
خبر کاذب در باب وفات استاد، سید کمال
از غم فوت کردند و سید ظریف بجریان اشک
کور شدند[1]

استاد ملا نظام الدین سے بے پناہ محبت
رکھتے تھے۔ استاد کے وفات کی جھوٹی خبر
سن کر اس قدر غمگین ہوئے کہ اس رنج و غم
میں جان دے دی اور سید ظریف (ملا صاحب
کے دوسرے شاگرد اور میران کمال کے
ہم وطن) روتے روتے بینائی کھو بیٹھے۔

---

[1] رسالہ قطبیہ مخطوطہ فرنگی محل ص ۳۱

(حاشیہ صفحہ ۹۸ کا بقیہ) در تہلکہ افتادند و ہوش و حواس در باختند۔ واحدے را یارائے خواندن خطبہ نمی شد۔ خطیب قدیم و دیگر علماء کہ در پایہ تخت حاضر بودند کنارہ کشی کردند"۔ یہاں تک کہ ایک روز باقی رہ گیا، اب بادشاہ کو تشویش لاحق ہوئی کہ کس سے خطبہ پڑھنے کو کہے۔ قاضی جان محمد جو حاضر دربار شاہی ہوا کرتے تھے، عرض پرداز ہوئے کہ "بندگانِ عالی را دریں باب فکرے نباید بندہ حاضر است و خواندن خطبہ در بیخ و تساہل نخواہم کرد، گمان ایں است کہ نادر شاہ از شنیدن اسمائے خلفاء مارا بقتل خواہد رسانید جانم فدائے حضور باد"۔ چنانچہ عید الاضحیٰ کے روز قاضی جان محمد سہالوی ثم فتحپوری دلی کی عید گاہ گئے اور دونوں بادشاہوں (نادر شاہ اور محمد شاہ) کی موجودگی میں "خطبہ بآواز بلند و اسمائے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم با مناقب و صفات خود بروئے بادشاہ خون خوار خواندند"۔ لیکن نہ قتل ہوئے نہ گرفتار ہوئے بلکہ "در ہموں جا از پیشگاہ بادشاہ خود و ہم نادر شاہ بعطائے دو تکہ خلعت سرفرازی یافتند"۔ (انصاف الانساب مخطوطہ)

مزید لکھا ہے:

ہر دو صاحب تصانیف بودند و شاگردان معتبری داشتند اعلیٰ شاگردانش مولوی امداد اللہ جہانگیری مدرس و مصنف بودہ

دونوں شاگرد (سید ظریف و میران) کمال کے عالم صاحب تصانیف بھی تھے، اور لائق و معتبر شاگرد بھی رکھتے تھے جن میں سے ایک مولوی امداد اللہ جہانگیر نگری مصنف اور مدرس گزرے ہیں۔

ملا کمال الدین سہالوی کے براہ راست شاگردوں، بیک واسطہ شاگردوں اور دو یا تین واسطوں سے شاگردوں کے کچھ نام اغصان الانساب کے مصنف نے گنائے ہیں۔ مولوی محمد اللہ سندیلوی، قاضی محمد نور الحق فتحپوری (ملا کمال کے ابن عم)، مولوی محمد اعلم سندیلوی، مولوی برکت اللہ الہ آبادی، ملا حسن فرنگی محلی اور ان کے بھائی ملا محمد ولی فرنگی محلی (یہ دونوں فرنگی محلی حضرات ملا کمال کے سگے بھانجے بھی تھے)، مولوی احمد اللہ خیرآبادی، مولوی محمد احسن چریاکوٹی (یہ سب براہ راست شاگرد)، ان حضرات کے وہ شاگرد جو صاحب درس ہوئے، مولوی باب اللہ جونپوری، مولوی غلام یحییٰ بہاری، مولوی عبد الواجد خیرآبادی وغیرہ ہیں۔ اور تین واسطوں سے شاگردوں میں مولوی فضل امام خیرآبادی، مولوی غلام امام شہید، مولوی عبد الواسع سیدن پوری، مولوی ضامن ساکن کڑہ مانک پور وغیرہ، یہ سب مولوی عبد الواجد خیرآبادی کے شاگرد ہیں، اور مولوی عبد الواجد مولوی محمد اعلم سندیلوی کے شاگرد اور بھانجے تھے، اور مولوی اعلم ملا کمال کے شاگرد رشید تھے، اس کے آگے صاحب اغصان الانساب لکھتے ہیں۔

دیگران را تا کجا بر شمارم و آنہا کہ تدریس نہ کردند و صاحب علم بودند صدہا بودند

کہاں تک گناؤں، وہ شاگرد جو صاحب علم تھے مگر تدریس کا شغل اختیار نہیں کیا،

[1] رسالہ قطبیہ مخطوطہ فرنگی محل ص ۲۱

از مولانا موصوف تا ایں زمان ہر کس کہ یکی ست خواہ فاضل از شاگردی بلا واسطہ بیک واسطہ خواہ بہ دو واسطہ و چہار واسطہ از تلمذ آں عالی جناب خالی نیست کہ بیرون آید در تمام ملک ہندوستان ہر یک صاحب علم بودہ است و خواہد بود بہ النسبت تلمذ بواسطہا با آنجناب است و خواہد شد

سینکڑوں ہیں، ملا کمال الدین کے وقت سے اس وقت تک جو بھی صاحب درس ہوا یا عالم فاضل ہے، ناممکن ہے کہ ایک یا دو یا تین یا چار واسطوں سے ملا کمال الدین کے دائرۂ تلمذ میں نہ آتا ہو۔ پورے ملک ہندوستان میں جو بھی صاحب علم تھا یا ہے یا ہوگا، سبھوں کو بالواسطہ ملا کمال الدین سہالوی سے تلمذ ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ (اغصان الانساب کا زمانۂ تصنیف ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء ہے۔ اس وقت ملا کمال الدین کے وصال کو پچاسی سال گزر چکے تھے)

مرزا قتیل نے بھی جن کی کتاب ہفت تماشا کا سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء ہے اور اس وقت ملا نظام الدین کے وصال کو چھیاسٹھ برس، ملا کمال الدین کے وصال کو اکیاون برس اور بحر العلوم کی وفات کو صرف دو سال گزرے تھے۔ ملا نظام الدین کے دو شاگردوں ملا کمال الدین سہالوی اور ملا بحر العلوم (فرزند ملا نظام الدین) کے کئی شاگردوں کے نام گنانے کے بعد تقریباً یہی لکھا ہے۔

ایں بزرگان کہ بشمارہ در آمدند شیخ سند علماء بودند جا بجا در ہند علم معقول از ایشان منتشر شدہ ہیچ فاضلے و طالب علمے نیست کہ از حلقۂ شاگردی ایشان بیرون باشد

یہ سب علماء جن کا ذکر اوپر ہوا ہے (یعنی ملا نظام الدین فرنگی محلی اور ان کے شاگرد ملا کمال الدین سہالوی اور ان کے بالواسطہ تلامذہ نیز ملا بحر العلوم اور ان کے تلامذہ)

[1] اغصان الانساب مخطوطہ فرنگی محل ص ۲۱

بشش واسطہ بعضے بہفت و بعضے بہشتم در تلمذ علمی با شما میرسند لیکن بعضے پنجابیان و دہلویان "	علماء کے سلسلے کے شیخ و سرگروہ ہیں ایک بھی عالم یا طالب علم ایسا نہیں ہے جو ان کے شاگردوں کے حلقے سے باہر ہو کوئی چھ واسطوں سے اور کوئی اس سے کم واسطوں سے علمی شاگردی کے سلسلے میں ان ہی حضرات تک پہونچتا ہے ہاں بعضے پنجابی اور دہلوی علماء اس سے باہر ہیں۔

ہفت تماشا مطبوعہ صفحہ ۱۳۶

دہلی اور پنجاب کے علماء کے بارے میں بھی یہ نہیں ہے کہ سب ہی خارج از سلسلہ ہوں۔ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ نجیب الدولہ کے مدرسہ واقع دارانگر میں ملا کمال الدین سہالوی کے اجلۂ تلامذہ ملا برکت الٰہ آبادی، ملا حسن فرنگی محلی اور ملا محمد سالم فتحپوری (فرزند دوم ملا کمال) مسند درس کو رونق بخش کر اطراف و جوانب کے طلبائے کثیر کو فیض پہنچا چکے ہیں، اور کچھ وقفے کے بعد مولوی فضل امام خیر آبادی نے جو تین واسطوں سے ملا کمال کے شاگرد تھے، دلی میں سلسلۂ درس شروع کیا، ان کے نامور تلامذہ میں سے ایک مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی بھی گزرے ہیں۔

اس کے علاوہ ملا بحر العلوم (فرزند ملا نظام الدین) اور ملا حسن فرنگی محلی نے خاصے طویل عرصے تک رامپور میں درس و تدریس کی اور بڑی تعداد میں ان کے حلقۂ درس سے فضلاء و علماء نکلے، بہت وثوق سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں پنجابی اور دہلوی کتنے تھے، لیکن اس سلسلۂ تلمذ سے پنجابیوں اور دہلویوں کو یکسر خارج سمجھنا خلاف مقتضائے احوال بھی ہوگا، اور بعض تاریخی صراحتوں کے بھی خلاف ہوگا، ملا نظام الدین کے تلامذہ میں ایک صاحب تو ایسے تھے ہی جن کے نام کا جزو دہلوی ہے، یعنی ملا وجیہ الدین دہلوی، جن کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر کا کہنا ہے کہ الشیخ العالم الکبیر وجیہ الدین الدھلوی احد العلماء

المبرزین فی المنطق والحکمۃ قرأ العلم علی مولانا نظام الدین بن قطب الدین الکھنوی

اس کے آگے صاحب نزہۃ الخواطر جو لکھتے ہیں وہ مرزا قتیل کے قیاس کو کمزور کرنے کے لیے کافی ہے یعنی

ولی التدریس ببلدۃ دھلی اخذ عنہ خلق کثیر.	دھلی شہر میں درس و تدریس پر مامور ہوئے اور ان سے کثرت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

تو اس "خلق کثیر" میں دہلی کے باشندے بالکل نہ ہوں یہ بالکل خلاف قیاس ہے، غرض دہلی کے لوگ بھی ملا وجیہ الدین دہلوی کی معرفت ملا نظام الدین کے سلسلۂ تلمذ میں بڑی تعداد میں "خلق کثیر" ہیں یہ دوسری بات ہے کہ تذکرہ نویسوں نے ملا وجیہ کے اور ان کے تلامذہ کے ذکر میں تساہل برتا یا سیاسی طور پر وہ ایسے نامور نہیں ہوئے کہ ان کی ایک ایک بات کی کھوج اس زمانے کا مورخ لگاتا، جب دلی کی تاریخ درباری سازشوں اور غیر ملکی ریشہ دوانیوں کی تاریخ بن چکی تھی، رسالہ قطبیہ کے مصنف ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی نے ملا وجیہ کے سلسلہ میں ایک اچھی نشاندہی کی ہے، وہ کہتے ہیں:-

راغب سوئے شعر بود نہ از علماء شمار نہ کردہ شدند.	ملا وجیہ شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اس لیے علماء کے زمرے میں ان کا شمار نہیں کیا گیا۔

صفحہ ۲۳

ملا بحر العلوم

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر ملا نظام الدین کے طلباء رہتے تھے۔ اسی ٹیلے پر فارغ التحصیل طلبہ کا جلسۂ دستار بندی بھی ہوا کرتا تھا اور ملا نظام الدین ہی اس کے صدر نشین ہوا کرتے تھے اسی ایک جلسۂ دستار بندی میں فرزند ملا نظام الدین (ملا عبد العلی بحر العلوم) کے ساتھ ایک واقعہ ہو گیا تھا، جس نے عبد العلی

کو بحر العلوم بننے پر مجبور کر دیا۔ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کا بیان ہے:۔

"میں نے اپنے اکابر سے سنا ہے کہ چونکہ استاذ الہند (ملا نظام الدین) کے یہی ایک صاحبزادے تھے (یعنی ملا عبد العلی بحر العلوم) اور آخر عمر میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے محبت اور پیار میں زیادہ بسر ہوئی۔ والد ماجد کے انتقال کے وقت گو کتب درسیہ کی تحصیل سے فراغت ہو چکی تھی مگر علم کی جانب رغبت نہ تھی، اس زمانے میں دستور تھا کہ فاتحۃ الفراغ پڑھنے والے شاہ پیر محمد صاحبؒ کے عرس کے موقع پر حاضر ہوتے، اور اس عرس میں اکابر علمائے وقت موجود ہوتے، ان کے سامنے دستار بندی ہوتی۔ استاذ الہند کی زندگی میں استاذ الہند ہی اس مجلس کے صدر و مسند نشین ہوتے، جس سال حضرت (استاذ الہند) کی وفات ہوئی اسی سال آپ کی وفات کے بعد جب یہ موقعہ دستار بندی کا آیا حضرت بحر العلوم بھی موافق معمول کے گئے، مگر صرف تماشا دیکھنے کو، بٹیر کی کابک ہاتھ میں تھی، جس وقت دستار بندی کی رسم ادا ہونے لگی تو کسی نے زور سے ان کو دھکا دیا اور کہا کہ "کہاں بڑھے چلے جاتے ہو۔" ملا بحر العلوم نے جواب دیا کہ "مجھ کو نہیں جانتے، میں ملا نظام الدین کا لڑکا ہوں۔" اس شخص نے کہا کہ "سبحان اللہ! اگر تم استاذ الہند کے بیٹے تھے تو مسند پر صدر میں ہوتے یا یہاں بٹیر کی کابک ہاتھ میں لیے ہوتے؟" مولانا بحر العلوم کی حمیت جوش میں آگئی، کابک وہاں ہی توڑ ڈالی اور بٹیریں اڑا دیں، اور گھر آ کر کتاب بغل میں لی اور پدر بزرگوار کے مزار پر حاضر ہو کر دیر تک گریاں رہے۔ اس کے بعد کتاب کھول کر مطالعہ شروع کیا جہاں ذرا بھی اشکال ہوتا، روحانیت پدر بزرگوار سے حل پاتے، یہاں تک کہ فاضل بے نظیر جامع معقول و منقول، عالم علوم ظاہرہ و باطن ہو گئے۔"

(تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص ۱۳۱)

خاندان فرنگی محل کے متقدم تذکرہ نگار ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی ٹیلے والے واقعہ کا ذکر نہیں کرتے لیکن مفہوم تقریباً یہی وہ بھی بیان کرتے ہیں:۔

بعد وفات قدس فرزند ارجمندش بمطالعہ کتب معقول و منقول مشغول گشت و ہر مشکلے کہ دریں باب برے روی نمود بروحانیت والد خود حل می گشت چنانکہ زبانی ثقات شنیدہ ام کہ مولانا عبد العلی محمد می گفت والدم چنانکہ در تعلیم در حیات خود مصروف بود ہم چناں بعد ممات نیز تعلیم و تفہیم و کشف معضلات و حل مشکلات ہم متوجہ است ..... در ابتدائے حال در مطالعات خاصہ و مواضعیکہ در آں لغزش پائے علماء می گشت بخدمت ملا کمال الدین مرحوم کہ تلمیذ خاص والدم بودند و بزرگ و حسن بطریق مناظرہ بشاء طلب صواب و ادراک حق در مباحث و مقامات کتب متداولہ درسیہ مذاکرہ می کردم اوشاں افادہ تحقیقات خاصہ والدم و ہم تحقیقات خود بیان می فرمودند و گاہے تشفی دل و تنگ خاطر نمی گشت

(اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۲)

ملا نظام الدین کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند کتب معقول و منقول کے مطالعے میں مشغول ہوئے اور اس سلسلے میں جو بھی مشکل ان کے سامنے آئی اپنے والد ماجد کی روحانیت سے حل ہو گئی، چنانچہ میں نے معتبر حضرات سے سنا ہے (مصنف نے ملا بحر العلوم کی حیات کے ۴۵ سال پائے تھے، لیکن ملاقات نہیں کر سکے اس لیے کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ملا بحر العلوم فرنگی محل چھوڑ کر جا چکے تھے۔ شاہجہانپور، رامپور، بوہار اور مدراس میں بحر العلوم کے آخری پچپن سال بسر ہوئے، اور مدراس میں انھوں نے وفات پائی) کہ مولانا عبد العلی بحر العلوم فرمایا کرتے تھے کہ والد ماجد جس طرح اپنی حیات میں میری تربیت فرماتے تھے اسی طرح وفات کے بعد بھی مشکل مقامات اور دشوار علمی مسائل کے حل کے سلسلے میں میری تعلیم و تفہیم کی طرف متوجہ ہیں ..... شروع شروع دشوار مسائل

دوران مباحث کے سلسلے میں جہاں علماء کے قدم ڈگمگاتے ہیں، اپنے والد ماجد کے خاص شاگرد اور بزرگ سن رسیدہ ..... ملا کمال الدین مرحوم کی خدمت میں مسائل بات معلوم کرنے اور درسی کتابوں کے مباحث و مقامات کو کما حقہ سمجھنے کے لیے بحث و مباحثہ کرتا تھا اور وہ میرے والد ماجد کی نازک تحقیقات اور اپنی تحقیقات مجھ سے بیان فرماتے تھے، اور کبھی میری بحث و تکرار سے بدمزہ اور تنگ دل نہ ہوتے تھے۔

اگرچہ والد ماجد کے تلمیذ خاص "بدمزہ اور تنگ دل" نہ ہوتے تھے، لیکن تلمیذ خاص کے شاگردانِ خاص جو اپنے اپنے وقت کے علمائے اجل ہوئے ہیں، نیز دوسرے سن رسیدہ حضرات جب ایک ۱۸، ۱۹ سال کے لڑکے کو ایک مسن جید عالم روزگار سے مناظرہ کرتے دیکھتے تو نہ صرف بدمزہ ہوتے بلکہ ان کو سخت ناگوار گزرتا تھا، ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کا بیان ہے کہ

براقم رسیدہ است کہ مردم از ملا کمال الدینؒ گفتند کہ ایں طفل ایں قدر بحث و تکرار بخدمت می نماید و بے ادبانہ کلام می کند و شما پاسداری و دلجوئی او می فرمائید و گاہے رنجِ خاطر نمی شوید و بلا غمہ..... او سخن می گوئید ایں معنی پسند طبع تلامذہ و دیگر عزیزاں و دوستاں نسبت بزرگاں را

راقم کو بعض ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ لوگوں نے ملا کمال الدین سے کہنا شروع کر دیا کہ یہ لڑکا آپ سے اس قدر بحث و تکرار کرتا رہتا ہے اور گستاخی سے بات چیت کرتا ہے۔ آپ لحاظ و دلجوئی کرتے رہتے ہیں، کبھی خفہ نہیں ہوتے، ہمیشہ ملائم انداز میں گفتگو فرماتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کا انداز

تادیبِ خورداں با تعلیم و تفہیم مناسب است ذکر اینها را ہم سر خود گردانند

(اغصان اربعہ مطبوعہ صفحہ ۱۲۱)

شاگردوں، عزیزوں اور دوستوں کو ناگوار ہے۔ بزرگوں کو چاہیے کہ چھوٹوں کو پڑھانے اور سمجھانے میں مؤدب رہنا سکھائیں، نہ کہ یہ صورت کہ چھوٹوں کو اپنے برابر کا سمجھ کر بات چیت کریں۔

ملا کمال الدین "تلمیذ خاص" ملا نظام الدین سے لوگوں نے شاگردوں، عزیزوں اور دوستوں کے خیالات کی بڑی وضاحت سے ترجمانی کر دی اور مدلل انداز سے ان کو اپنا رویہ بدلنے کا مشورہ بھی دیدیا لیکن ملا کمال الدین نے اس کا جو جواب دیا وہ بھی یادگار ہے:

جواب داد کہ اول ایں طفل صاحبزادہ من است کہ من استفادۂ علوم بخدمت والدش کردہ ام، آنچہ کہ من با او می کنم در مقابلۂ احسانات والدش قدرے ندارد

ملا کمال الدین نے جواب دیا، پہلی بات تو یہ کہ یہ لڑکا میرا استاد زادہ ہے، اس کے والد ماجد کی خدمت میں میں نے یہ سب علوم حاصل کیے ہیں جو کچھ میں اس لڑکے کے ساتھ کر رہا ہوں وہ اس کے والد ماجد کے احسانات کے دیکھتے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

دوم آنکہ ایں طفل دریں عمر آنچہ بمحنت و شفقت خود حاصل کردہ است یقین می دانم کہ والدش را دریں سن حاصل نبود ہر چند در اواخر وقت علامۂ زماں بودہ است

دوسری بات یہ کہ اس عمر میں اپنی محنت اور شفقت سے اس لڑکے نے جو حاصل کیا ہے مجھے یقین ہے کہ اس کے والد ماجد (ملا نظام الدین) نے جب وہ اس کی عمر کے تھے، حاصل نہ کیا ہوگا، اگرچہ آخر عمر میں وہ اپنے عہد کے بڑے عالم ہو گئے تھے۔

سیوم آنکہ دریں عہد تقلید رمطلقہ

تیسری بات یہ کہ اس چھوٹی عمر میں اس

کتب قدماء نظر بر تصانیف متاخرین انچہ ایں کس را میسر گشت علماء را تمام عمر حاصل نمی شود (الفصاح الرحمہ مطبوعہ ص ۱۲)

لڑکے نے متقدمین کی کتابوں اور متاخرین کی تصانیف پر جو عبور حاصل کیا ہے وہ دوسرے علماء کو تمام عمر حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اس کے آگے کی عبارت ہو سکتا ہے کہ ملا کمال الدین ہی کا "قول" ہو۔ سیاق کلام سے یہی اغلب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کا بھی یہی خیال ہے کہ ملا کمال الدین ہی کا یہ قول ہے لیکن ممکن ہے کہ مصنف (ولی اللہ فرنگی محلی) کا اخذ کردہ نتیجہ ہو۔ بہرحال، ——

ایں معنی بوجہ وجوہ والدش کہ جامع علوم ظاہر و باطن بود و لا تمیز بحد کمال رسیدہ اورا حاصل گشتہ در ایں صورت صحب ظاہر گرچہ صغر سن دارد ولاکن در مقام بحث و تکرار رتبہ علامہ صدر الدین شیرازی و محقق دوانی دارد (الفصاح الرحمہ مطبوعہ ص ۱۲۳)

اور یہ سب کچھ اس کے والد ماجد کی توجہ روحانی کا ثمرہ ہے وہ علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے اور ان کی ولایت حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی ان حالات میں گو دیکھنے میں وہ ابھی کم سن ہے لیکن بحث و مناظرہ میں اس کا رتبہ علامہ صدر الدین شیرازی اور محقق دوانی کے برابر ہے۔

واقعہ کی اتنی تفصیل سے اصل غرض اس نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے کہ استاد کے حق کی حفاظت و نگہداشت من جملہ فرائض تلامذہ ہمیشہ رہی، اور ملا کمال الدین کے تلامذہ جو استاد زادہ کی جرأت آمیز گفتگو پر اظہار ناگواری کرتے تھے وہ بھی استاد کے حق کی اہمیت سے بے خبر نہ تھے پھر بھی استاد زادے کے طرز گفتگو سے ان کو جو بدمزگی محسوس ہوئی تو ظاہر ہے کہ "حق استاد" کے حدود سے وہ متجاوز ہو گئی تھی۔ ملا کمال الدین کے جواب سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ملا نظام الدین کے لیے استاد کا حق اور احسان عام اساتذہ کے حقوق و احسانات سے اتنا زیادہ اور خصوصی تھا کہ ان کے بیٹے کی گستاخانہ گفتگو کے مقابلے میں شاگرد کا ناز بردارانہ انداز کچھ بھی معاوضہ نہیں ہو رہا تھا۔

ملا بحر العلوم جب اپنی سابقہ لاپروائیوں پر متنبہ ہو کر آبائی مشغلہ کی طرف متوجہ ہوئے تو یہی نہیں کہ ملا کمال الدین نے ان کے سن و سال کے لحاظ سے ان کی عظیم لیاقت کی داد دی بلکہ دوسرے معاصرین بھی جنھوں نے ملا بحر العلوم کو دیکھا نہ تھا، صرف ان کا زمانہ پایا تھا، یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں:

ورائے پدر بزرگوار خود کس شاگرد احدے ازیں جماعت نبود و در شرح مسلم بر مولوی محمد اللہ اعتراضہا دارد و کمال الدین را نیز بخاطر نمی آورد گویند کہ تبحرے کہ او داشت پدرش نیز نہ داشت (تحفہ تماشا از مرزا قتیل مطبوعہ ص ۱۱۲)

وہ اپنے والد ماجد کے سوا اس جماعت (علماء) میں سے کسی کے شاگرد نہ تھے انھوں نے شرح مسلم کے سلسلے میں مولوی محمد اللہ سندیلوی پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں۔ وہ ملا کمال الدین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے کہتے ہیں جو تبحر ان میں تھا وہ ان کے والد میں بھی نہ تھا۔

مولانا بحر العلوم اپنے والد ماجد سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس میں دو تین سال کے بعد مشغول ہوئے جبکہ ان کے نامور والد کا وصال ہو چکا تھا، تقریباً دس سال بعد تک والد ماجد کی مسند درس کو زینت بخشنے کے بعد وہ حافظ رحمت خاں روہیلہ سردار کے پاس شاہجہانپور چلے گئے جہاں کم و بیش بیس سال تک تصنیف و تالیف و درس و تدریس میں مصروف رہے۔ شاہجہانپور میں ان کے تلامذہ کے حلقے میں فرزندان حافظ رحمت خاں شہید بھی تھے جن میں نواب محبت خاں محبت قابل ذکر ہیں جو دوسرے وجوہ سے تو تاریخی شخصیت بن چکے ہیں، لیکن ان کی علمیت اور تلمذ بحر العلوم پر مورخین کی خصوصی نظر نہیں پڑی۔ نواب محبت خاں کے پیر طریقت حضرت علی اکبر مودودی کے ملفوظ میں (جو ان کے خلیفہ حسن مودودی لکھنوی نے ترتیب دیا ہے اور جس کا نام لطائف اکبری ہے) ایک واقعہ درج ہے۔

دریں میاں بجامع علوم منقول و فنون معقول نواب محبت خاں بہادر دامت ثروتہ دبارہ

خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ نے اثنائے گفتگو میں علوم منقول و فنون معقول کے جامع نواب

مولوی محمد نارغ بن مولوی عبد العلی (بحر العلوم)
بن ملا نظام الملۃ والدین (لکھنوی) قدس
سرہ سفارش فرمودند و ارشاد نمودند کہ ہم
چناں کہ حقوق والد شریف شما یعنی حافظ الملک
الشہید حافظ رحمت خاں بہادر رحمہ اللہ
سبحانہ بر والد شریف ایشاں یعنی مولوی عبد العلی
سلمہ اللہ بسیار اند ہم حقوق ایشاں ہم بر شما
بسیار اند بلکہ اقوی و اعلیٰ از آں چہ آنچہ از
شما بہ ایشاں رسیدہ از فوائد دنیاویہ است
و آنچہ از ایشاں بشما رسیدہ از فوائد دینیہ است
چہ بسبب خدمات درسیہ و تعلیمات دینیہ
کہ از اساتذہ نسبت بشما واقع شدہ، آنچہ از
حسنات و خیرات و آنچہ بر آں مترتب شود از
حق سبحانہ در جزاء آں بشما رسیدہ پس آں
از سبب ایشاں باشد و ایں معنی اقوی و اعلیٰ
باشد از دے، اگرچہ از خدمات شما کہ در بارۂ
ایشاں واقع شدہ فوائد دینیہ و فوائد اخرویہ
نیز مندرج است چہ ایں معنی سبب رفع
تشتت خواطر فضلا گردیدہ مشغول بافادۂ
امور دینیہ می گردیدند اما حقوق آخذ
بر معطی زیادہ تر از حقوق معطی بر آخذ است

محبت خاں دامت فیوضہٗ سے ملا نظام الدین
لکھنوی قدس سرہٗ کے پوتے مولوی محمد نارغ
بن مولوی عبد العلی (بحر العلوم) کے بارے
میں سفارش کرتے ہوئے فرمایا: جس طرح
تمہارے والد ماجد حافظ الملک شہید حافظ
رحمت خاں رحمۃ اللہ علیہ کے حقوق ان کے
(مولوی محمد نارغ کے) والد ماجد (ملا بحر العلوم
سلمہ اللہ) پر بہت ہیں، اسی طرح ان کے (بحر العلوم
کے) حقوق بھی تم پر بہت ہیں، بلکہ اس سے
زیادہ اور بلند درجے کے حقوق ہیں، اس لیے
کہ ملا بحر العلوم کو تم لوگوں کے ذریعہ جو فوائد
حاصل ہوئے وہ دنیاوی ہیں اور ان کے
ذریعہ تم سب کو جو فوائد حاصل ہوئے وہ
دینی ہیں، یعنی وہ فوائد جو تدریس و دینی تعلیم
کے ذریعہ استاد سے تم کو پہنچے اور اس دینی
تعلیم سے جو اچھائیاں اور نیکیاں تم کو نصیب
ہوئیں اور ان نیکیوں اور اچھائیوں پر اللہ تعالیٰ
سے جو اجر و ثواب تم کو پہنچے گا وہ سب ان
ہی کے سبب سے (استاد کے سبب سے)
ہے، اس بنا پر استاد کے حقوق بلند درجہ
اور زیادہ قوی ہیں، بہ نسبت دنیاوی فوائد

کے، اگرچہ تم لوگوں کی طرف سے ملا بحر العلوم
کی جو خدمت ہوئی اس کے تحت بھی فوائد
دینی اور اخروی آتے ہیں، کیونکہ امراء جو
خدمتیں علماء کی کرتے ہیں وہ علماء و فضلاء
کی پریشاں حالی رفع کرنے کا سبب ہوتے
ہیں اور معاش کی فکر سے بےفکر ہونے کے
نتیجے میں یہ علماء دینی باتوں کو عامۃ الناس
میں پھیلانے میں منہمک ہو جاتے ہیں، پھر
بھی یہ حقیقت ہے کہ لینے والے کے حقوق
دینے والے پر اس سے زیادہ ہوتے ہیں جتنے
دینے والے کے حقوق لینے والے پر ہوتے ہیں۔

(مولانا لطف اکبری، مخطوطۂ فرنگی محل)

اس واقعہ سے نواب محبت خاں محبتؔ کے بارے میں جو محض اردو شاعر اور رئیس زادے کی حیثیت سے تاریخ میں مذکور ہیں، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ فارغ التحصیل عالم "جامع علوم منقول و فنون معقول" تھے اور ان کے استاد ملا نظام الدین فرنگی محلی کے نامور فرزند ملا بحر العلوم تھے۔

ملا بحر العلوم شاہجہاں پور میں غلغلۂ درس بلند کرنے کے بعد نواب فیض اللہ خاں کی استدعا پر ریاست رام پور تشریف لے گئے، جہاں چار برس تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، نواب رام پور بحر العلوم اور ان کے شاگردوں کے پوری طرح کفیل رہے۔ لیکن یہاں شاگردوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور ایسی کثرت ہوئی کہ اس وقت کی ریاست کے بجٹ پر ان سب کی کفالت بار بننے لگی، اور ریاست کی طرف سے محدود رقم مقرر ہونے کی بات آنے پر مولانا بحر العلوم دل برداشتہ ہوئے، اس کی اطلاع بہار ضلع بردوان کے علم پرور رئیس منشی صدر الدین (میر منشی گورنر جنرل بہادر) کو ہوئی۔ انھوں نے درخواست کر کے اور انگریزی اثرات سے کام لے کر ریاست رامپور

کو مجبور کر دیا کہ وہ ملا بحر العلوم کو "مدرسۂ منشی صدر الدین" میں درس و تدریس کی رونق بڑھانے پر بہر قیمت آمادہ کر دے۔ مولانا بحر العلوم بوہار تشریف لے گئے۔ مدرسۂ منشی صدر الدین میں ملا بحر العلوم کے طلباء کا کس درجہ پاس و لحاظ کیا جاتا تھا، اس کے سلسلے کا ایک اشارہ لکھنؤ میں مدفون مشہور وجودی بزرگ صوفی شاہ عبدالرحمن (وفات ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء) کے تذکرے میں ملتا ہے۔

صوفی صاحب کے تحصیل علم کے ذکر کے دوران مرقوم ہے۔

بعدہٗ شہرت علم و تبحر مولانا عبدالعلی محمد قدس سرہ شنیدہ عازم بنگالہ شدم در آن زمان مولانا ممدوح در قصبۂ بوہار متصل کلکتہ بہ مدرسۂ منشی صدر الدین میر منشی کونسل رونق افزود تدریس بودند۔ من در ماہ صفر ۱۱۹۹ھ بخدمت بابرکت مولانا عبدالعلی محمد قدس سرہ رسیدہ یک سال قیام کردہ سلم و حاشیہ قدیمہ و بیضاوی کہ باقی ماندہ بود بہ تکمیل رسانیدہ مولانا صاحب معظم الیہ خواست کہ بطور دیگر علماء بہ فراغ جبل آرند، من قبول نکردم بسبب اینکہ در مدرسۂ مذکور بہ کردن دستار فراغ می بست و یک خلعت و دو صد روپیہ منشی صدر الدین می داد و تجویز نوکری برائے فارغ التحصیل در سرکار انگریزی می نمود گفتم من تحصیل علم برائے خدا کردہ ام ارادہ طمع مال و خلعت

(مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد صوفی شاہ عبدالرحمنؒ نے مولانا عبدالعلی محمد (بحر العلوم) قدس سرہ کے علم و تبحر کا شہرہ سنا اور ان کی خدمت میں بنگالہ روانہ ہو گئے مولانا بحر العلوم اس زمانے میں کلکتہ کے قریب قصبۂ بوہار میں میر منشی کونسل منشی صدر الدین کے مدرسے میں درس و تدریس کو رونق بخش رہے تھے۔ صوفی صاحبؒ صفر ۱۱۹۹ھ (مطابق دسمبر ۱۷۸۴ء) میں مولانا عبدالعلی محمد (بحر العلوم) قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور ایک سال قیام کرکے سلم الثبوت (اصول فقہ) حاشیہ قدیمہ (کلام) اور بیضاوی (تفسیر) کا درس لیا، یہی آخری کتابیں صوفی صاحبؒ کی رہ گئی تھیں، ان کو پڑھ کر فارغ التحصیل ہو گئے۔ مولانا بحر العلوم نے چاہا کہ جس طرح دوسرے فارغ التحصیل

است و نہ پوس نوکری پس از ہم فراغ چہ ضرور است۔

(فوائد الرحمن مطبوعہ مطبع ذکی لکھنؤ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء ص ۳)

طلباء کو فراغت کی سند ایک خاص اہتمام سے دی جاتی ہے، صوفی صاحبؒ کو بھی دی جائے۔ صوفی صاحبؒ کا بیان ہے کہ میں نے انکار کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ مدرسہ منشی صدر الدین سے جن کو بھی سند فراغت دی جاتی اور دستار بندی کی جاتی اس کو منشی صدر الدین ایک خلعت اور دو سو روپے نقد دیتے تھے نیز انگریزی سرکار میں اس فارغ التحصیل کو نوکری کرا دیتے تھے میں نے کہا میں نے اللہ کے لیے تحصیل علم کی ہے۔ مال اور خلعت کی لالچ میں یا نوکری کی ہوس میں نہیں کی ہے تو رسمی دستار بندی کی مجھے کیا حاجت رہ جاتی ہے۔

بہرحال اس شان و شوکت کے ساتھ مدرسۂ منشی صدر الدین میر منشی گورنر جنرل میں ملا بحر العلوم درس و تدریس کرتے رہے، اور بالآخر وہاں تلامذہ کی کثرت اور دور دور سے طالبانِ علم کی آمد منشی صدر الدین کے ذرائع آمدنی کے لیے بھی وجہ آزمائش بن گئی، اس صورت حال کی شہرت ہوتے ہی نظام حیدرآباد، سلطان ٹیپو اور نواب ارکاٹ (مدراس) تینوں نے بیک وقت درخواستیں اور عرضداشتیں مولانا بحر العلوم کی خدمت میں قدم رنجہ فرمانے کی بھیجیں، مولانا نے نواب ارکاٹ کی عرضداشت کو شرف قبولیت اس لیے بخشا کہ وہ اصلاً قصبہ گوپامئو (ضلع ہردوئی، اودھ) کے رہنے والے تھے، اور ان کو حق جوار حاصل تھا، مولانا کے اس فیصلے پر نواب والاجاہ (ارکاٹ، مدراس) کو کتنی مسرت ہوئی اور ہم چشموں میں اپنے کو کتنا سر بلند انھوں نے محسوس کیا، اس کا اندازہ اس اعزاز پذیرائی سے کیا

جا سکتا ہے جو بحر العلوم کے وہاں پہنچنے پر نواب والاجاہ نے اختیار کیا۔

"مدراس پہنچے تو بیرونِ شہر کے علماء و اعیانِ دولت نے استقبال کیا، آپ (ملا بحر العلوم) پالکی پر سوار اور تمام اعیانِ دولت پاپیادہ ہمراہ، اس شان سے نواب کے دولت خانے پر پہنچے، نواب خود دروازے تک مع شاہزادوں کے استقبال کیا۔ آپ نے پالکی سے اترنے کا ارادہ فرمایا، نواب نے کسی طرح اترنے نہ دیا اور خود پالکی کو کاندھا دے کر صدر مقام تک لے گیا، مولانا کو صدر میں بٹھایا اور خود مؤدبانہ سامنے بیٹھا۔" (تذکرۂ علمائے فرنگی محل، از مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی مطبوعہ ص ۱۳۹)

یہ تو نواب کے اندازِ استقبال کی شان تھی، جو بیان ہوئی، اور بحر العلوم کی تشریف آوری کی شان کیا تھی، اس کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

"فسافر الیہا مع ست مأۃ نفس من رجال العلم" یعنی بردوان ضلع کے قصبہ بوہار سے جب مولانا مدراس کے لیے آمادہ بہ سفر ہوئے تو اُن کے ساتھ طالبانِ علم کا ایک بڑا گروہ تھا، جس کے افراد کی تعداد چھ سو تھی، مولانا بحر العلوم مدراس پہنچے تو ان کے ہمراہ چھ سو طلبہ پر مشتمل پورا ایک جامعہ (یونیورسٹی) تھا۔ عالی ظرف نواب ارکاٹ نے جس شانِ انکسار سے بحر العلوم اور ان کے چھ سو تلامذہ کا خیر مقدم کیا، ویسی ہی عالی حوصلگی سے اس نے بحر العلوم کے لیے ایک الگ مدرسہ تعمیر کرایا، بحر العلوم کے لیے گراں قدر مشاہرہ، ان کے دامادوں ملا علاء الدین فرنگی محلی اور مولانا ازہار الحق فرنگی محلی کے لیے جداگانہ وظیفۂ تدریس اور جتنے طلبہ ہمراہ تھے سب کے لیے وظیفۂ تعلیم مقرر کر دیا۔

ایک جدید تصنیف "خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" کے مصنف افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری (مدراس یونیورسٹی) نے قدیم دستاویزوں، تاریخی تحریروں اور سرکاری ریکارڈوں سے نواب والاجاہ محمد علی والیٔ ارکاٹ (کرناٹک) کی دعوت پر ملا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی کے مدراس پہنچنے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک اہم خط بھی نقل کیا ہے اور بحر العلوم کے مشاہرے کا بھی ذکر کیا ہے:

"نواب محمد علی والاجاہ نے اپنے مدرسۂ کلاں کی صدر مدرسی کے لیے مولانا عبد العلی بحر العلوم کو دعوت بھیجی، وہ ۲۳ ذی حجہ ۱۲۰۵ھ کو بہار (بوہار ضلع بردوان) سے مدراس پہنچے، ان کے ساتھ ان کے فرزند مولوی عبد الرب اور مولوی امام بخش اور دوسرے بہت سے لوگ تھے، مولانا کی تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر ہوئی۔ مدراس اور آس پاس کے طلبہ ان کی خدمت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے لگے، مولوی محمد غوث و مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر نے بھی تبرکاً کچھ پڑھنے کا ارادہ کیا، مگر وہ کسی وجہ سے ان کی درسگاہ میں شریک ہونے پر متردد تھے، آخر انھوں نے اپنے دادا آقا مفتی نظام الدین احمد صغیر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استخارہ کیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا، تو انھیں دلی مسرت ہوئی۔ وہ خود مولانا عبد العلی بحر العلوم سے مل کر اپنا خواب بیان کرنا چاہتے تھے لیکن حجاب دامنگیر ہوگیا۔ انھوں نے اپنے چچیرے چچا مولوی غلام عبد القادر فرزند مولوی محمد صادق فرزند محمد عبد الرشید شہید کے نام حسبِ ذیل خط لکھا:

قبلۂ من! الحمد للہ والمنۃ کہ بہ برکت ورود اجازت دادۂ آنحضرت شب را بہ عجیب نعمت عظمیٰ فائز شدم تفصیلش اینکہ بعد نمازِ تہجد استخارہ کردم از جد مرحوم بردا اللہ مضجعہ بروشیکہ بود عمل آوردم و نیت کردم کہ استفادہ از حضرت مولانا افاد اللہ علینا من برکاتہ نماید یا نہ و مرا فیض از ایشان حاصل خواہد شد یا نہ، تا در خواب خیالہ آنجو فنا سی ستولی شد خود را در مجلس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یافتم و آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در آں شب بہ مولانا مدظلہ دیدم حضرت امیر المومنین

قبلۂ من! خدا کی حمد اور اس کا شکر ہے کہ آنحضور کے اجازت دادہ وِرد کی برکت سے رات عجیب نعمتِ عظمیٰ سے فائز ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے تہجد کی نماز کے بعد اس طریقے سے استخارہ کیا جو کہ مجھ کو دادا مرحوم سے (خدا ان کی خواب گاہ کو ٹھنڈک سے بھر دے) ملا تھا، اور نیت یہ کی تھی کہ حضرت مولانا سے (مولانا عبد العلی بحر العلوم سے) (خدا ان کی برکتوں سے مجھے فائدہ پہنچائے) استفادہ کرنا چاہیے یا نہیں، اور ان سے مجھے کوئی فیض حاصل ہوگا یا نہیں، دیر تک نیند نہیں آئی اور آخر جب

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ باشارۂ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرابۂ چرمی یعنی
ڈولچی پُر از آب زمزم آوردند و از دست خود
مرا نوشانیدند، ہر چند در اثنائے نوشیدن
خواستم بس کنم لیکن خود دست نکشیدند تا
آنکہ شکم من از آب تا گلو پُر شد و آں وقت
حدیث تضلع باب زمزم بیاد آمد و اشک
از چشمہا رواں شد بیدار گشتم در حالیکہ
اشک جاری بود و لذت آب زمزم در دہاں
الحمد للہ علی ذالک وصلی اللہ علی نبینا وآلہ
واصحابہ وتابعیہ الی یوم الدین. خواستم
کہ خود رسیدہ التماس کنم لیکن چونکہ امیر باغ
جہت فاتحہ امیر مرحوم رفتہ بودم تاب
آمدن آنجا نماند بجناب حضرت مولانا
رفتن و عرض این رویا بسیار ضرور لیکن
بسبب عدم ارتباط ظاہری محجوب می شوم
لہذا بخدمت مصدعہ است کہ بخدمت
مولوی وجیہ اللہ صاحب سراپا اشتیاق
این ماجرا ظاہر فرمودہ بہر عنوان کہ مناسب
دانند اجازت از نواب صاحب گرفتہ
امروز در بنجا روانہ فرمایند یا آنحضرت

مجھ پر اونگھ غالب ہو گئی تو اپنے آپ کو جناب
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں
پایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مولانا ؒ
سے زیادہ مشابہ پا رہا تھا، حضرت امیر المومنین
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ایک قرابۂ
چرمی یعنی ڈولچی زمزم کے پانی سے بھر کر لے
آئے، اور اپنے دست مبارک سے مجھے پلانا
شروع کیا، پینے کے درمیان میں ہر چند
اشارہ کرتا رہا کہ بس کریں، مگر انھوں نے اپنا
ہاتھ نہیں کھینچا، یہاں تک کہ میرا پیٹ حلق
تک بھر آیا، اس وقت آب زمزم کے بدولت
علم سے بھرپور ہونے کی حدیث یاد آئی اور
میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اسی
حالت میں جبکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے
بیدار ہوا، زمزم کے پانی کی لذت ابھی تک
منہ میں تھی، الحمد للہ علی ذالک وصلی اللہ
علی نبینا وآلہ واصحابہ وتابعیہ الی یوم الدین.
میں چاہتا تھا کہ خود ہی ہو کر عرض کروں،
لیکن چونکہ امیر مرحوم کی فاتحہ کے لیے امیر باغ
گیا ہوا تھا، اس لیے آنے کی سکت نہ رہی،

تکلیف کشیدہ تشریف آرند و بندہ را فائز
جناب مولانا کنند چنداں قلق و اشتیاق
مستولی حال است کہ طلب فردا عین قیامت
است زیادہ چہ التماس نماید.

حضرت مولانا کی خدمت میں ہو کر اس خواب
کا بیان کرنا ضروری ہے لیکن ظاہری ارتباط
نہ ہونے کی بنا پر حجاب محسوس ہو رہا ہے،
اسی لیے آنجناب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ
مولانا وجیہ الدین سراپا اشتیاق سے یہ ماجرا
بیان کرکے یا کسی اور صورت سے جس کو آپ
مناسب سمجھتے ہوں نواب صاحب کی اجازت
لے کر آج ہی مجھے مولانا کی خدمت میں لے
چلیں، یا آپ خود تکلیف اٹھا کر یہاں تشریف
لے آئیں اور مولانا کی خدمت میں لے جائیں،
اتنا قلق اور اشتیاق مجھ پر غالب ہے کہ
کل تک کے لیے انتظار کرنا عین قیامت ہو.
اس سے زیادہ کیا عرض کیا جائے.

اس خط پر لکھنے کی تاریخ نہیں ہے، مگر خط میں امیر مرحوم کی فاتحہ کا ذکر ہے، ان سے
مراد نواب امیر الامراء مرحوم ہیں جو نواب محمد علی والاجاہ کے دوسرے فرزند تھے، اور جن کا
۲۰ محرم ۱۲۰۳ھ کو انتقال ہوا تھا، چونکہ مولانا عبد العلی ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو مدراس
تشریف لائے تھے، اس لیے قیاس کہتا ہے کہ ۲۲ محرم ۱۲۰۶ھ کا واقعہ ہے۔"

(خانوادۂ قاضی بدر الدولہ، ص ۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱ مطبوعہ ۱۹۶۳ء)

نواب محمد علی والاجاہ کا انتقال ۱۲۱۰ھ (۱۳ اکتوبر ۱۷۹۵ء) کو ہوا، اور ان کے بڑے بیٹے
عمدۃ الامراء جانشین ہوئے اور چھ سال تک حکمرانی کی، نواب عمدۃ الامراء کا ۱۲۱۶ھ میں انتقال ہوا،
اور سلطان ٹیپو سے سازباز کے الزام میں انگریزوں نے ولیعہد نواب تاج الامراء علی حسین خاں بہادر

پر زور ڈالا کہ وہ حکومت سے دست بردار ہو جائیں اور گرانقدر وظیفے پر قناعت کریں۔ تاج الامراء کے انکار پر انگریزوں نے نواب والاجاہ کے مرحوم بیٹے امیر الامراء کے فرزند عبد العلی خاں کو گدی نشین کرنا چاہا تو ملا بحر العلوم اور دوسرے علماء نے فتویٰ جاری کیا کہ نواب عمدۃ الامراء کے حقیقی وارث تاج الامراء کے ہوتے، کسی دوسرے کو گدی نشین کرنا شرعاً اور قانوناً ناجائز ہے۔ مگر انگریزوں نے زور و زبردستی کرکے عبد العلی خاں (فرزند نواب امیر الامراء مرحوم) کو گدی نشین کر ہی دیا، اختیارات لے لیے اور تنخواہ جاری کردی، عبد العلی خاں نواب عظیم الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے اور مولوی محمد غوث ان کے دیوان اور وزیر اعظم مقرر ہوئے، اور شرف الملک کے لقب سے سرفراز ہوئے، ریاست کے ملازمین بے روزگار ہوگئے، جنھوں نے انگریزوں کے حکمران ادارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو درخواستیں گزارنا شروع کیں، مولوی محمد غوث شرف الملک ان پر سفارشیں کرتے تھے، اکثر کی درخواستیں منظور ہوگئیں۔ یہ سب تفصیل خانوادۂ قاضی بدر الدولہ کے مصنف نے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

"اس کے لیے ایک مستقل دفتر قائم ہوا، جس کا نام "کرناٹک وظیفے پنشن پے ماسٹر آفس" تھا، اور یہ دفتر آج تک قائم ہے، یہ تمام اپیلیں اب تک اصلی صورت میں حاجی ابو احمد محمد عبد اللہ کے پاس موجود ہیں، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ملا بحر العلوم عبد العلی ہی ایک شخص تھے جنھوں نے انگریزوں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔" (ص ۱۵۰)

۱۲۱۶ھ سے لے کر ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ تک پورے دس سال تک ملا بحر العلوم اس کے بعد بقید حیات رہے اور مدراس ہی میں قیام بھی رہا، لیکن انگریزوں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، حالانکہ ان کا مشاہرہ ایک ہزار روپیہ تھا، اور دو گاؤں بھی جاگیر میں عمدۃ الامراء کے وقت میں دیے گئے تھے۔

ملا بحر العلوم کی وفات کے بعد ان کے فرزند ملا عبد الرب، دوسرے مرحوم فرزند کے بیٹے ملا عبد الواحد اور داماد و جانشین ملک العلماء ملا علاء الدین بن ملا انوار الحق فرنگی محلی نے اپیلیں کیں اور ملا بحر العلوم کی تنخواہ کمپنی بہادر سے جاری ہوکر ورثا میں تقسیم ہونے لگی۔

مولوی محمد غوث شرف الملک نے خواب دیکھنے کے بعد ملا بحر العلوم سے استفادہ کیا اور بہت فیض اٹھایا، یہاں تک کہ بڑی شہرت کے عالم اور صاحب تصانیف ہوئے، عربی، فارسی میں ان کی علمی تصانیف آج بھی پائی جاتی ہیں، اور فارسی، اردو میں ان کی شاعری آج بھی قابل ذکر ہے۔

مولوی محمد غوث کی سب سے اہم تصنیف "نثر المرجان فی رسم نظم القرآن" سات جلدوں میں آج سے ساٹھ سال قبل حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے جس کے مقدمہ میں وہ اپنے استاد بحر العلوم کا جن شاندار الفاظ میں ذکر کرتے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہے:

ان الاستاذ النحریر ملاذ الصغیر والکبیر راقی مراقی العلا والحکم حامی مراسم الحلم والکرم حاوی العلوم معقولاً ومنقولاً کاشف الفهوم فروعاً واصولاً صاحب الذکر والتقوی صاحب الفکر والفتوی مولانا ومولٰنا منبع الفیض الجاری ابا العیاش عبد العلی محمد بن نظام الملة والدین الانصاری متعه الله بنعیم جنانه ولا حرمنا من فیوضه وبرکاته قد شافهنی یوماً بلطیف مقاله وحرضنی باوعظ اقواله علی انفاق الانفاس فی تصنیف

استاذ فاضل، چھوٹوں بڑوں کی پناہ گاہ، علم اور حکمت کے درجوں کو طے کر چکنے والے، نیک نفس اور شرافت کے پشت پناہ، علوم معقول و منقول کے کامل، اصول و فروع کی خوب سمجھ رکھنے والے، ذکر و اذکار اور تقویٰ و پرہیزگاری کے حامل، غور و فکر اور فتوے نویسی میں صائب الرائے، ہمارے آقا اور مرجع امید، دریائے فیض کے سرچشمہ ابو العیاش عبد العلی محمد بن نظام الملۃ والدین انصاری نے (ان کے گلستان کے ثمرات سے اللہ تعالیٰ خلق کو متمتع کرے اور ان کے فیض سے ہمیں محروم نہ فرمائے) ایک دن مجھ سے اپنی پاکیزہ گفتگو میں فرمایا اور اپنے دلنشین جملوں سے مجھے آمادہ فرمایا کہ ایک کتاب کی تالیف میں اپنے اوقات

كتاب ليكون تذكرة حسنة عند
الاحباب فان الكتاب صدقة
جارية والى انظار الرجال سارية
فاشربت فى قلبى نصح موعظته
...... ولما كان امر الاستاذ احرى
بالانقياد وقد عاضده ــــ
نجل الرئيس والاجاه الكبير المحسان
ثابت جنگ بهادر عبد الغفار خان .....
فلم اجد للعدول مناصاً۔

صرف کروں تاکہ احباب کے لیے ایک اچھی
یادگار رہ جائے، اس لیے کہ تصنیف ہمیشہ
رہنے والا کارِ خیر ہے اور لوگوں کی نگاہوں
میں رہنے والی چیز ہے، ان کی مخلصانہ
تلقین میرے دل میں رچ بس گئی ......
اور استاد کا حکم یوں بھی لائقِ تعمیل ہوتا ہے،
پھر اس حکم کی تائید ...... نواب والاجاہ
کے بیٹے محسن کبیر و رئیس ثابت جنگ بہادر
عبد الغفار خاں نے بھی کی۔ اس کے بعد
میرے لیے سرتابی کی کوئی گنجائش نہیں رہی

(نثر المرجان)

شرف الملک مولوی محمد غوث مدراس کے نامور علمی خانوادے کے ممتاز فرد تھے، اور ان کے بڑے فرزند مولوی عبد الوہاب مدار الامراء نے بھی تبرکاً "میزان الصرف" (عربی صرف کی پہلی کتاب) ملا بحر العلوم عبد العلی سے پڑھی اور عربی کی انتہائی کتابیں ملک العلماء مولانا علاء الدین احمد فرنگی محلی سے پڑھیں، شرف الملک کے دوسرے فرزند قاضی صبغۃ اللہ بدر الدولہ نے بھی تبرکاً میزان الصرف ملا بحر العلوم سے پڑھی اور انتہائی کتابیں ملک العلماء ملا علاء الدین احمد فرنگی محلی سے پڑھیں، ملا علاء الدین احمد ملا بحر العلوم کے برادرِ عم زاد کے پوتے تھے، اور ملا بحر العلوم کے داماد اور شاگرد تھے اور مدراس میں ملا بحر العلوم کے جانشین ہوئے، ان کا انتقال مدراس ہی میں ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں ہوا۔

"خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" کے مصنف نے ملا بحر العلوم اور ان کے ہمراہی اعزہ و اقارب کے سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"نواب محمد علی والاجاہ کا جب ۱۲۱۰ھ میں انتقال ہوا اور نواب عمدۃ الامراء بہادر

سریر آرائے سلطنت ہوئے تو انھوں نے ملا عبد العلی بحر العلوم کو ملک العلماء کا خطاب دیا اور نذر کی تھیلی ان کے دامن میں ڈال دی۔ نواب عمدۃ الامراء نے ضلع چنگل پیٹھ میں چنور اور جعفر پیٹھ کے دو قریے بطور جاگیر عنایت کیے تھے، جو نواب کی وفات ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء کے بعد ضبط ہو گئے تھے، ان کے بدلے ماہوار رقم مقرر کر دی گئی تھی، بحر العلوم نے انگریزوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا، اور جب ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ کو بحر العلوم کا انتقال ہو گیا تو دو دن بعد ۱۴ رجب کو ان کے داماد مولوی علاء الدین احمد کو "ملک العلماء" کا خطاب دے کر مدرسۂ کلاں کا صدر مدرس بنا دیا تھا، اس مدرسہ میں سلطان العلماء مولوی عبد الرب (ابن بحر العلوم)، اور قطب العلماء مولوی عبد الواحد بن مولوی عبد الاعلیٰ (ابن بحر العلوم) کے علاوہ اور کئی اساتذہ کام کرتے رہے تھے۔" (ص ۲۰۰)

ملک العلماء ملا علاء الدین احمد بھی مدراس میں آخر عمر تک مقیم رہے اور ملا بحر العلوم کی جانشینی کے فرائض انجام دیتے رہے، ان کے انتقال کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی مدراس میں آخر عمر تک قیام پذیر رہے، اور ردِّ وہابیت کے معرکۂ عظیم میں جو وہاں تقویۃ الایمان (مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی) کے سلسلے میں ہوا تھا، بہت پیش پیش رہے، مولوی میر محمد علی واعظ رام پوری نے سید احمد شہید بریلویؒ، مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ اور اس گروہ کے دیگر علماء کے عقائد کی بہت ترویج کی تھی جس نے مدراس میں دو گروہ پیدا کر دیے تھے یہ قاضی بدر الدولہ کا زمانہ تھا، سخت نزاع پھیل گئی جس میں نواب ارکاٹ اور انگریزوں کو دخل دینا پڑا، ملا جمال الدین احمد (نواسہ ملا بحر العلوم) نے اس میں یہاں تک دلچسپی لی کہ میر محمد علی سے شفاعت پر مناظرہ کیا، اور ان کو مجبور کیا کہ وہ تقویۃ الایمان کی قابلِ اعتراض عبارتوں سے اپنی برأت ظاہر کریں، میر صاحب نے مسجد والاجاہی میں بعد نماز جمعہ برأت نامہ تحریری پیش کیا جو حاضرین کو سنایا گیا، مگر اس مجمل برأت نامہ سے ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی اور ان کے ہم خیال مطمئن نہیں ہوئے، دوسرا برأت نامہ میر صاحب نے پیش کیا، ایک طرف

برأت، دوسری طرف ایسی تقریریں جن سے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہ کی تعریف و توصیف نکلتی ہو میر صاحب کرتے رہے، آخر کار ملا جمال الدین احمد اور اُن کے ہم خیال علماء نے میر محمد علی واعظ رام پوری کے کفر کا فتویٰ دے دیا اور انھیں واجب القتل قرار دے دیا، قتل کا اختیار نواب ارکاٹ کو نہ تھا، اس لیے ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی نے ایک اور اشتہار تیار کر کے مسجد والاجاہی میں سنایا اور معاملہ اس حد تک پہونچ گیا کہ شہر مدراس کے چیف مجسٹریٹ نے میر صاحب کو بحفاظت تمام بذریعہ بحری جہاز مدراس سے کلکتہ روانہ کر دیا، ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی نے اس کے بعد میر صاحب کے ایک ایک مرید سے فرداً فرداً توبہ کرانا شروع کر دیا اور اصرار کیا کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں نہیں، مسجد والاجاہی میں عام لوگوں کے سامنے توبہ کریں، نواب محمد علی والاجاہ مرحوم کی ایک بیوہ بھی میر صاحب کے مریدوں میں تھیں، ان کو بھی مجبور کر کے توبہ کرائی گئی، ملا جمال الدین احمد کسی طرح ان کو مستثنیٰ کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔

نزہۃ الخواطر کے فاضل مؤلف علامہ سید عبد الحیٔ الحسنی رائے بریلوی نے ملا جمال الدین احمد کے ذکر میں لکھا ہے:

ثم رحل الی مدراس وولی التدریس فی المدرسة الوالاجاهیة مقام والده ونال منزل ابیه.

ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی نے لکھنؤ میں اپنے چچا ملا نور الحق سے تکمیل درس کیا، پھر مدراس چلے گئے، جہاں مدرسۂ والاجاہی میں مدرس ہوئے اور درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اور اپنے والد ملک العلماء ملا علاء الدین احمد کا رتبہ پایا اور اُن کے جانشین ہوئے۔

صاحب نزہۃ الخواطر کا خصوصی رجحان سید احمد شہید بریلویؒ کی تحریک کی طرف تھا جس کا اثر اُن کی غیر جانبدارانہ تاریخ نویسی پر برابر رہا ہے، اسی لیے وہ ملا جمال الدین احمد پر آگے چل کر

سخت معترض ہوتے ہیں:

وكان شديد الرغبة في المباحثة شديد التعصب على من خالفه طويل اللسان بالتكفير والتضليل.

بحث و مباحثہ کے بڑے ہی دلدادہ اور جو اُن کے خلاف ہو اس سے سخت تعصب رکھتے تھے کافر اور گمراہ قرار دینے میں بڑے زبان دراز تھے۔

مصنف نزہۃ الخواطر نے سخت الفاظ میں اعتراض جو کیا ہے تو اس کی وجہ بھی مخفی نہیں رہنے دی، اس کے فوراً ہی بعد لکھتے ہیں:

كان يكفر الشيخ اسماعيل بن عبد الغني الدهلوي على ما نسب اليه من عبارة في كتابه تقوية الايمان يستدلون بها على اساءة ادبه في مقام النبوة ـــ اعاذنا الله منها ـــ والحق ان الشيخ ساحته بريئة من هذا القبيح وقد افرط الجمال في ذالك فكان يكفر من يستحسن تقوية الايمان فضلا عن مصنفه حتى نال منه السيد محمد علي الواعظ احد اصحاب سيدنا احمد بن عرفان الشهيد البريلوي اذى كثيرا ابلدة مدراس.

وہ مولوی اسمٰعیل دہلویؒ کی ان کی کتاب تقویۃ الایمان کی بعض منسوب عبارتوں کی بنا پر تکفیر کرتے تھے، اور ان عبارتوں سے لوگ حضرت رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں سوء ادب کا پہلو نکالتے تھے۔ خدا ہم سب کو ایسے سوء ادب سے بچائے۔ حق یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل اس قبیح حرکت سے بالکل بری تھے، جمال (یعنی ملا جمال الدینؒ فرنگی محلی) اس معاملے میں حد سے گزر گئے تھے، وہ اس شخص تک کی تکفیر کرتے تھے جو تقویۃ الایمان کو اچھی کتاب سمجھتا تھا، مصنف تو ہے الگ، یہاں تک کہ سید محمد علی واعظ کو جو سید احمد شہید بریلوی کے گروہ کے ایک فرد تھے، ان کے ہاتھوں سخت ایذائیں شہر مدراس میں پہنچیں۔

یہ "سخت ایذائیں" وہی ہیں جن کی تفصیل "خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" کے مصنف کے حوالے سے اوپر نقل ہو چکی ہے، مگر اس کی تنہا ذمہ داری ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی پر نہ تھی، قاضی بدر الدولہ اور دوسرے علماء بھی اس میں برابر کے شریک تھے، اس کے علاوہ تقویۃ الایمان پر یہ مباحثہ تنہا مدراس ہی تک محدود نہ تھا، پورے ہندوستان میں تقویۃ الایمان نے دو حریف گروہ پیدا کر دیے تھے، اور دونوں اسی وقت سے متصادم بھی تھے، اول تو حد سے گزرنے کا گناہ اکیلے "جمال" (ملا جمال الدین احمد) نے نہیں کیا، ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس کتاب کے خلاف یہی سب کچھ کرنے والے موجود تھے، دوسرے ایک ہی فریق حد سے نہیں گزرا، دوسرا فریق بھی اس مباحثے کے دوران بلکہ اس کے تذکرے کے وقت بھی توازن قائم رکھنے پر قادر نہیں رہ سکا، یہی اس عہد کا مزاج تھا، اس سلسلے میں کسی ایک کو مورد الزام قرار دینا قرینِ انصاف نہیں ہے۔

بہر حال ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی کے انتقال کے بعد مدراس میں ملا بحر العلوم کی مسند تدریس ان کے گھرانے کے افراد سے خالی ہو گئی، لیکن ملا بحر العلوم کے ذریعہ بانیِ درس نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی کا دریائے فیض جو دودان چہ اتفادہ جنوبی ہند میں شاگرد اور شاگردوں کے شاگردوں کے ذریعہ پھیلتا رہا۔

ملا نظام الدین کے دریائے فیض سے جو چشمے پھوٹے ان میں سے ایک بحرِ زخار بن کر شاہجہانپور، رامپور، اور بوہار تک شمال مغرب اور مشرق میں پھیلنے کے بعد دکن تک وسیع ہو گیا یہی وہ چشمہ تھا جسے آج تک بحر العلوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دکن میں دینی علوم کے استاد اول یہی ملا بحر العلوم ہوئے، جن کی جانشینی ان کے داماد ملا علاء الدین و حفید ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی نے کی، ان کے بعد ان کے بیٹے ملا جمال الدین بن ملا علاء الدین فرنگی محلی نے درس تدریس وعظ و افتاء و مناظرہ وغیرہ میں خاصا بلند درجہ مدراس میں حاصل کیا، یہ تینوں فرنگی محلی بزرگ مدراس ہی میں مدفون ہیں، اور ان کی علمی سرگرمیوں کی تاریخ انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے تحت ریاست ارکاٹ کے حقوق میں دخل اندازیوں کے خلاف عوامی بیزاری کے

سلسلے میں ملا جمال الدین اور ان کے والد و نانا (بحر العلوم) کے برملا اقدامات کے تذکرے ریاست مدراس کے سرکاری کاغذات اور اس زمانے کے قلمی مخطوطات میں محفوظ ہیں۔[۵]

ملا احمد حسین فرنگی محلی | ملا نظام الدین کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کے بیٹے ملا احمد حسین ان نامور تلامذۂ ملا نظام الدین میں تھے جنھوں نے ملا نظام الدین کے سامنے درس دینا شروع کر دیا تھا اور ان کے بعد فرنگی محل میں ان کی مسندِ درس کی رونق گھٹنے نہیں دی تھی، ملا صاحب نے ان کو متبنیٰ بھی بنایا تھا، سوائے درس و تدریس ان کی زندگی کا اور کوئی مشغلہ نہ تھا، مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کے الفاظ میں:-

کان من اکابر العلماء و اعاظم الاذکیاء ولم یزل مشتغلا بالافادة واشاعة مراسم الدین الی ان توفی.	بڑے علماء اور زبردست دانشوروں میں تھے، ساری زندگی درس و تدریس اور شعار دین کی ترویج میں گزار دی۔ (ذخیرۂ اصل قلمی، منقول از تذکار الاول من علمائے فرنگی محل مولانا عبد الباری فرنگی محلی)

لیکن ملا احمد حسین زیادہ مشہور نہ ہو سکے، اس کی وجہ مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کی قلمی یادداشت میں ان کے دیکھنے والوں کی زبانی اس طرح منقول ہوئی ہے:-

زبانی مولوی نعیم اللہ صاحب بساعت دید کہ مولوی محمد حسین تلمیذ ایشان بودند و بسیار مدح و ثنائی فرمودند و می گفتند کہ در تبحر علمی زیادہ از مولوی محمد حسن مرحوم بودند لیکن بباعث بے تصنیفی در وقت	مولوی نعیم اللہ فرنگی محلی (برادرزادہ و شاگرد ملا مبین فرنگی محلی) کی زبانی میں نے سنا ہے کہ ملا محمد مبین فرنگی محلی ملا احمد حسین کے شاگرد تھے (ملا حسن فرنگی محلی کے شاگرد نہ تھے ہی)، اور ان کی بے حد تعریف و توصیف

---

۵ ملا بحر العلوم بن ملا نظام الدین فرنگی محلی کا مزید تذکرہ "اولادِ ملا صاحب" کے باب میں ہے۔

شہرت آفاقی می دارند در زمان حیات
خود بسیار نامور بودند، چنانچہ تفضل حسینؒ
خان صاحب ہم تلمیذ ایشاں بودند و ہم
چناں بسیارے از اکابر آں وقت خود را
در سلک تلمذ ایشاں درج بودند و ہم عمّ
گو امید کہ مولوی حبیب اللہ ہم تلمیذ ایشاںؒ
بودند چنانچہ در مرض الموت از بلدہ فیض آباد

کیا کرتے تھے، کہتے تھے کہ جہاں تک
تبحر علمی کا تعلق ہے ملا احمد حسین ملا محمد حسن
(ملا حسن) سے زیادہ تھا، لیکن چوں کہ ملا
احمد حسین کی کوئی تصنیف نہیں ہے اس لیے
اس زمانے میں وہ عالمگیر شہرت نہیں رکھتے
اپنے زمانے میں وہ بہت مشہور تھے۔
چنانچہ تفضل حسین خاں صاحب (علامہ

۱؎ علامہ تفضل حسین خان (شاگرد ملا احمد حسین فرنگی محلی و ملا حسن فرنگی محلی) حکومت اودھ کے ایک نامور رکن تھے اور غالباً پہلے آدمی ہیں جو "علامہ" کے نام سے اودھ میں یاد کیے جاتے ہیں، بڑے عالم، منطقی، فلسفی، منجم اور مغربی زبانوں کے جاننے والے اور حکومت انگریزی میں معزز تھے۔ یہی وہ علامہ تفضل حسین ہیں جن کے ایک شاگرد کی روزمرہ کی گفتگو کو دریائے لطافت میں نقل کر کے انشاء نے دلچسپی کا سامان فراہم کیا ہے۔ علامہ کے ایک شاگرد کو ایک شخص بادام سنگھ کے دیہاتی اور ان پڑھ خادم سے اس طرح بات چیت کرتے انشاء نے دکھایا ہے:۔

"اس رجیس الاشقیاء بادام سنگھ نے خود کو کیا قرار دیا ہے کہ دوش و غفلات سے دم تمادی مارتا ہے اور عواقب امور سے بے اندیشہ محض ہو کر طوالت تقاریر سے صماخ سامعین پریشان کرتا ہے، ذلتے کا احوال علی انحاء شتی ہے، یہ بات عقل سلیم اور ذہن مستقیم کے نزدیک استحسان نہیں رکھتی ہے، غایۃ مافی الباب یہ کہ سخافت دہاقین کے اذہان قاصرہ میں مرتسم ہو کے یہ شخص اپنے اکفاء و امثال دہاقین میں بڑا ظلیق و ذہین و ذکی، الملعی لا بل لسانہ فی الکلام ہے۔ و فرض و تسلیم کہ کوئی اس کے مزخرفات پر افراط اخلاق سے مواد نہ ہو تو بھی اس کی مساوات ان اشخاص صحیح النقد کے ساتھ ناموں کے زاد جتین کی طرح ساقین کی تمادی کے سبب ثابت نہ ہو گی۔"

ہمراہ شاں بودند مولوی صاحب ایشاں وصیت
کردہ بودند کہ در جانب شرقی مزار عم مکرم
مولوی نظام الدین محمد قدس سرہ بالا اتصال
مرا دفن خواہند نمودند چنانچہ مولوی حبیب اللہ
مرحوم شب عاشورہ باعانت ....
و نمودن ..... بہ باعث ایام محرم الحرام
..... دفن نمودند ۱؎

تفضل حسین خاں استاد نواب سعادت علی خاں
وزیر الملک) بھی ملا احمد حسین کے شاگرد تھے،
(علامہ تفضل حسین ملا حسن فرنگی محلی کے
بھی شاگرد تھے) اور ان کے زمانے کے بہت
سے بڑے بڑے لوگ ملا احمد حسین کے سلسلۂ
تلمذ میں داخل تھے، یہ بھی ان سے (مولوی
نعیم اللہ سے) سنا ہے کہ مولوی حبیب اللہ
(ان کے والد) بھی ملا احمد حسین کے شاگرد تھے
اور ملا احمد حسین فرنگی محلی جب فیض آباد سے
(جو اس زمانے میں اودھ کی راجدھانی تھا)
واپس آئے ہیں مرض الموت میں مبتلا ہو
گئے تو انھوں نے اپنے شاگرد اور برادر
عم زاد کے پوتے (مولوی حبیب اللہ)
کو وصیت کی کہ عم محترم ملا نظام الدین
محمد قدس سرہ کے مزار کے مشرق میں بالکل
ان کے برابر مجھے دفن کرنا چنانچہ مولوی...
حبیب اللہ نے عشرۂ محرم کی رات کو مدد
سے ... باوجود ... نہ تھے کیونکہ محرم
کے ایام تھے وہیں دفن کیا۔

۱؎ یہیں قلمی تحریر کے الفاظ بالکل پڑھے نہ جا سکے اور کچھ شکوک نظر آئے اس لیے غیر واضح الفاظ کی جگہ نقطے بنا دیے گئے ہیں۔

مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (شمس العلماء) جن کی وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ہوئی، احوال رجال میں بڑے محقق گزرے ہیں۔ وہ اپنے جد امجد ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی (وفات ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کے سوانح، ان کے تلامذہ کے حالات اور تلامذہ کے سلسلۂ درس کی تفصیل اصلی ماخذوں اور ایسے لوگوں سے جو براہ راست واقفیت رکھتے تھے، قلم بند کرا کے اکٹھا کر رہے تھے، فرنگی محل کے سن رسیدہ حضرات میں انھیں ایسے لوگ تو بے شک نہیں ملے، جنھوں نے ملا صاحب کا زمانہ پایا ہو، لیکن ملا صاحب کے تلامذہ اور ان کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والے اس وقت موجود تھے، جب مولانا محمد نعیم نے ملا صاحب کے احوال کی تدوین کی طرف توجہ کی تھی، اس سلسلے میں ان کی تحقیقات خالص مورخانہ انداز کی اور بے کم وکاست ہیں، ان ہی مورخانہ تحقیقات میں ان کا یہ انکشاف بھی ہے کہ علامہ تفضل حسین خاں (وزیر الملک نواب سعادت علی خاں والی اودھ کے اتالیق پھر نائب المملکت) دراصل ملا احمد حسین ابن ملا محمد رضا فرنگی محلی (شاگرد رشید ملا نظام الدین فرنگی محلی) کے شاگرد تھے، عام طور پر یہی ملتا ہے کہ علامہ تفضل حسین کو ملا حسن فرنگی محلی سے تلمذ تھا۔ ملا حسن سے بھی تھا، اور چونکہ ملا حسن بحیثیت مصنف کافی مشہور ہیں، اور ملا احمد حسین بن ملا محمد رضا فرنگی محلی، بسبب بے تصنیفی کے شہرۂ آفاق نہ ہو سکے، اس لیے تذکرہ نگاروں نے علامہ تفضل حسین خاں کے اساتذہ میں ملا احمد حسین فرنگی محلی کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔

غفران مآب | علامہ تفضل حسین خاں کے ذکر کے ساتھ ہی، جو ملا نظام الدین فرنگی محلی کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی کا ذکر بھی مناسب ہوگا، جن کو دو واسطوں سے ملا نظام الدینؒ سے تلمذ تھا، مولانا سید دلدار علی جو غفران مآب کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، اور جن کا خاندان "خاندان اجتہاد" کہلاتا ہے، مولانا حیدر علی سندیلوی کے شاگرد تھے، جو اپنے والد ملا حمد اللہؒ سندیلوی کے شاگرد تھے، اور ملا باب اللہ جونپوری سے بھی کچھ کتابیں پڑھی تھیں (جیسا کہ نزھۃ الخواطر کا بیان ہے)، مولانا حیدر علی سندیلوی کو ملا باب اللہ جونپوری سے بھی تلمذ تھا۔

اور ملا حمد اللہؒ ملا کمال الدین سہالوی (شاگرد خاص

ملا نظام الدین سہالوی) کے شاگرد تھے، جیسا کہ افضان الانساب (قلمی) کا بیان ہے۔ ملا حمد اللہؒ سندیلوی نے علاوہ ملا کمال الدین سہالوی کے ملا نظام الدین سے پڑھا بھی تھا، اور تکمیل بھی ان ہی سے کی، یعنی فاتحۃ الفراغ ملا نظام الدین سے پڑھا، تذکرہ مصنفہ مولانا فضل امام خیر آبادی کا بیان ہے کہ "ملا باب اللہؒ جونپوری، ملا حمد اللہ سندیلوی کے شاگرد تھے، جن کو ملا نظام الدین اور ملا کمال الدین سے شرف تلمذ حاصل تھا۔" مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی کے فرزند مولانا سید محمد مجتہد نے بھی مولانا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا، اس طرح خاندان اجتہاد کو جو اصلاً ضلع رائے بریلی کا ہے لیکن اس کے بیشتر افراد خاص کر علماء و مجتہدین تقریباً دو سو سال سے لکھنؤ میں بود و باش اختیار کیے ہوئے ہیں، دو دو واسطوں یا تین تین واسطوں سے ملا نظام الدین فرنگی محلی سے تلمذ حاصل ہے۔ غفران مآب نے اور ان کے بعد ان کے خاندان نے درس و تدریس کو ہمیشہ اپنا اصلی شغل رکھا، اس طرح ملا نظام الدین فرنگی محلی کے سلسلۂ تلمذ کا دائرہ اس خاندان کے واسطے سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

غفران مآب پہلے شخص ہیں، جنھوں نے لکھنؤ میں آصف الدولہ وزیر الممالک اور ان کے نائب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کی تحریک پر ۱۲۰۱ھ میں شیعہ نماز جماعت قائم کی اور پہلے امام مقرر ہوئے، اس سے قبل شیعہ حضرات بلا جماعت فرادیٰ نماز پڑھتے تھے، اس سلسلے میں نزہۃ الخواطر کے مؤلف کا بیان ہے کہ شیعوں کی نماز با جماعت شروع کرنے کا مشورہ خواجہ سید علی اکبر مودودی فیض آبادی نے سرفراز الدولہ کو دیا تھا، خواجہ سید علی اکبر مودودی سلسلۂ چشتیہ کے شیخ طریقت تھے۔ سرفراز الدولہ حسن رضا خاں اور ان کے آقا آصف الدولہ دونوں خواجہ مودودیؒ کا بڑا ادب و لحاظ کرتے تھے۔

بکرمه نواب آصف الدوله و
وزیره حسن رضاخان ویتردد
الیه ویتلقی اشاراته بالقبول

نواب آصف الدولہ اور ان کے وزیر
حسن رضا خاں خواجہ علی اکبر مودودی
کا بڑا ادب کرتے تھے، ان کی خدمت

وهو الذی اشار الى الوزیران یقیم الجماعة للصلوٰة۔
(ص ۲۲۹۔ جلد ۳)

میں حاضری بھی دیتے تھے، اور اُن کے ارشادات کی تعمیل کرتے تھے۔ انہی خواجہ صاحب نے وزیر (شیعوں کی) نماز با جماعت کے سلسلے میں مشورہ دیا تھا۔

ملا نظام الدین فرنگی محلی کے تلامذہ اور بالواسطہ شاگردوں کی طویل فہرست کا احاطہ تو غیر ممکن ہے، لیکن ملا صاحب کے درس کی مقبولیت اور اس کی عام رجحان کا اندازہ کرنے کے لیے تلامذہ اور تلامذہ کے شاگردوں کی کچھ نہ کچھ تفصیل ضرور مددگار ہو سکتی ہے، اس لیے دائرے کو محدود کرتے ہوئے ملا صاحب کے ان اجلّہ تلامذہ کا ذکر کافی ہوگا جو خاندان فرنگی محل سے تھے، جن میں ملا کمال الدین سہالوی بھی شامل ہیں، جو اگرچہ فرنگی محلی نہ تھے، مگر ملا نظام الدین فرنگی محلی کے نبی عم اور ہم جد تھے۔

ملا کمال الدین (وفات ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء) کا ذکر قدرے تفصیل سے آغاز میں اس لیے بھی کیا گیا کہ تذکروں میں عام طور پر اُن کے تلامذہ کے ذکر کے ساتھ استاد سے شرف تلمذ کا حوالہ مل جاتا ہے، اور حق بھی یہ ہے کہ ملا نظام الدین کی وفات کے بعد ان کے درس کا اصلی ذمہ ملا کمال الدین ہی نے اپنے سر لے لیا تھا، اور پوری تن دہی سے اپنے استاد کی خالی جگہ کو پُر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ملا کمال ہی کے زیر تربیت رہ کر ان کے استاد زادے ملا عبد العلی اس درجہ کو پہونچے کہ بحر العلوم کے نام سے یاد کیے جانے لگے، اور انہی ملا کمال نے اپنے بھانجوں ملا حسن فرنگی محلی اور ملا محمد ولی فرنگی محلی کو استاد بلکہ استاذ الاساتذہ بنایا، اگرچہ ان کے یہ دونوں بھانجے اپنے جد (جد کے حقیقی بھائی) ملا نظام الدین سے علوم حاصل کر چکے تھے، مگر تکمیل نہیں کر پائے تھے۔

ملا کمال الدین سہالوی (ثم فتحپوری) کی مسند درس فتح پور میں تھی، اور وہیں سے بیٹھ کر وہ اس خلا کو پُر کر رہے تھے، جو اُن کے نامور استاد کی وفات سے فرنگی محل میں پیدا ہو گیا

تھا، اگرچہ فرنگی محل میں بھی ملا نظام الدین کے بلاواسطہ شاگردوں کے درس کی مسندیں بچھی ہوئی تھیں، جیسے ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی (وفات ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء) ملا احمد حسین فرنگی محلی (وفات بارھویں صدی ہجری کے آخر میں) اور ملا محمد یعقوب فرنگی محلی وغیرہ ان سب کے یہاں بھی طلبا خاصی تعداد میں آتے تھے، جن میں سے بعض خاصے نامور بھی ہوئے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "جائے استاد خالی است" کا احساس فرنگی محل کی فضا میں پوری طرح موجود تھا، اور جب ملا کمال الدین سہالوی کی نگاہ تربیت سے سنور کر ملا عبد العلی (بحر العلوم)، ملا حسن اور ملا ولی درس وتدریس کی طرف آئے تو فرنگی محل میں پھر استاذ الہند ملا نظام الدین کا دور تازہ ہو گیا، اور سب سے زیادہ شہرت ملا عبد العلی بن ملا نظام الدین کو حاصل ہوئی، مگر وہ دس برس سے زیادہ فرنگی محل میں ٹھہر نہ سکے، اور شیعہ سُنی قضیہ کے نتیجہ میں انھیں ترک وطن کرنا پڑا، شاہجہاں پور گئے، جہاں کم وبیش بیس[20] برس درس وتدریس کا غلغلہ بلند کیا، حافظ رحمت خاں والی ملک روہیل کھنڈ کی شہادت کے بعد رامپور، اس کے بعد بوہار (ضلع بردوان) گئے، ان دونوں مقامات پر اُن کے قیام کی مجموعی مدت دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ ۱۲۰۵ھ میں بحر العلوم مدراس پہونچ چکے تھے، جہاں بیس برس تک نشر علوم وعرفان کرنے کے بعد ۱۲۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔

ملا حسن فرنگی محلی

بحر العلوم کے ترک وطن کے بعد فرنگی محل میں ملا حسن کی محفل درس استاذ الہند کی یادگار بن گئی، اور ان کے بھائی ملا محمد ولی فرنگی محلی اور چچا ملا احمد حسین فرنگی محلی کی درس گاہ بھی، جو اسی فرنگی محل میں تھی، طالبان علم کے لیے کشش رکھتی تھی، لیکن ملا حسن فرنگی محلی، ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی کے بیان کے مطابق:

بعد مہاجرت مولانائے کامل سوائے
ملا حسن دیگرے نبود کہ ریاست علمی
اختیار کند، ایشان اختیار کردند و مرجع
خدام و معتقدین اہل خاندان شدند۔

مولانائے کامل (ملا عبد العلی بحر العلوم) کے
ترک وطن فرمانے کے بعد سوائے ملا حسن
کے فرنگی محل میں کوئی دوسرا نہ تھا جو علمی
سرداری کا اختیار کرتا، انھوں نے علمی

(رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص ۳۴)

سرداری قبول کی، اور خاندان فرنگی محل کے معتقدین اور خدام کے مرجع بن گئے۔

ملا عبدالاعلیٰ ان کے آگے لکھتے ہیں:-

قریب بست سال بدرس مشغول ماندند و بسیار اعتبار پیدا کردند، چنانچہ مردمان ایشان را جانشین مولانا عارف می دانستند و مستفتیان را استفتا ری کنانیدند، چنانچہ از مولانائے عارف می کنانیدند و بعد انتقالش از مولانائے کامل می کنانیدند۔

(رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص ۳۵)

بیس سال کے قریب ملا حسن فرنگی محل میں درس دیتے رہے، اور بڑا احترام ان کا کیا جانے لگا، چنانچہ لوگ ان کو مولانائے عارف (استاذ الہند ملا نظام الدین) کا جانشین سمجھنے لگے تھے، اور استفتوں پر اسی طرح ان سے جواب لکھواتے تھے جیسے کہ ملا نظام الدین سے لکھواتے تھے اور ملا نظام الدین کے انتقال کے بعد مولانائے کامل (ملا عبدالعلی بحر العلوم) سے لکھوایا کرتے تھے۔

پھر ملا حسن کو بھی اسی طرح کے شیعہ سُنی قضیہ سے سابقہ پڑ گیا کہ بحر العلوم کو پڑا تھا، یہ شجاع الدولہ وزیر الممالک کا زمانہ تھا جس کی راجدھانی فیض آباد تھی۔ علمائے فرنگی محل کے ساتھ ملا حسن ایک وفد لے کر شجاع الدولہ کے پاس فیض آباد گئے کہ لکھنؤ کے حکام شیعہ سُنی قضیہ بھڑکاتے، اور خون ریزی کراتے ہیں، اس وفد نے خیر اللہ حسینی اور محمد عطا حسینی کے خون ناحق کی بھی فریاد کی، یہ دونوں طلبا شیعہ سُنی قضیہ میں شہید ہو گئے تھے، مگر فیض آباد میں کوئی دادرسی شجاع الدولہ کے عمال نے نہیں کی، ملا عبدالاعلیٰ اس سلسلے میں ارکانِ وفد کی باہمی نا اتفاقی کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

وفد کی ناکامی کے بعد ملا حسن بھی لکھنؤ واپس آنے کے بجائے فیض آباد سے اسی راہ پر چل پڑے جو اس سے قبل ان ہی حالات میں بحر العلوم نے اختیار کی تھی، اور حافظ رحمت خاں کے

پاس شاہجہاں پور پہونچ گئے، اور شاہ مدن (شاہ شرف الدین قادری جیلانی شاگرد ملا کمال الدین سہالوی) کے یہاں قیام کیا، اس وقت بحر العلوم بھی وہاں موجود تھے۔

چوں حافظ رحمت خاں متوجہ بر جہاد مرہٹہ بود و آنجا غلبہ بسیار کردہ بودند خدمت ملا کردن نتوانست ضابطہ خاں ابن نجیب الدولہ ملا را بلکہ خود طلب نمود آنجا تشریف بردند، اعزاز کلی نمود چوں خان مذکور از کفار مرہٹہ ہزیمت خوردہ برفاقت شاہ عالم ماندند چوں خان مذکور بر ملک خود قائم شد باز ملا را طلبیدہ باعزاز تمام در ملک خود داشت چوں در آں ملک ہمیشہ ہنگامۂ کفار و فساد بود بر رفاقت در مصطفیٰ آباد تشریف آوردند چند سال درس دادہ فوت کردند۔

رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص ۳۶

اس وقت چونکہ حافظ رحمت خاں مرہٹوں سے لڑائی کی تیاری میں مصروف تھے، جو بے پناہ یورش کر رہے تھے، اس لیے ملا حسن کی خدمت بجا نہ لا سکے نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خاں نے ملا حسن کو اپنے یہاں دارانگر (نزد امروہہ نجیب آباد) بلا لیا، اور تشریف آوری پر بڑی توقیر کی، اور جب ضابطہ خاں کو مرہٹوں کے مقابلہ میں ہزیمت ہوگئی (اور ریاست ہاتھ سے نکل گئی) تو ملا حسن شاہ عالم (بادشاہ دہلی) کی رفاقت میں شاہجہان آباد میں رہنے لگے۔ جب ضابطہ خاں پھر اپنی ملکیت پر قابض ہوا تو اس نے ملا حسن کو دہلی سے بلوا لیا، اور بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ اپنے ساتھ رکھا، لیکن چونکہ اس کی مملکت میں مرہٹوں اور فسادیوں کی طرف سے ہنگامہ آرائی رہتی تھی، اس لیے ملا حسن وہاں سے رامپور آ گئے اور چند سال درس

وطن میں گزار کر وفات پاگئے۔

ملا حسن کی وفات رامپور ہی میں ہوئی، اور وہیں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ خاندانی تحریروں میں ملا حسن کی وفات کا سال مذکور نہیں ہے۔ قدرت اللہ شوق رامپوری نے جو تذکرۂ شعراء موسوم بہ طبقات الشعراء کے مصنف ہیں، اپنی دوسری تصنیف "تاریخ جام جہاں نما" (قلمی) میں جو رضا لائبریری (رامپور) میں محفوظ ہے، ملا حسن کی وفات کا سال ۱۱۹۹ھ لکھا ہے۔ قدرت اللہ شوق ملا حسن فرنگی محلی کے "ہم استاد" مولوی غلام طیب بہاری کے شاگرد تھے۔ ملا حسن اور مولوی بہاری دونوں نے مطولات ملا کمال الدین سہالوی سے پڑھی تھیں۔

رسالہ قطبیہ کے مصنف ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی ملا حسن کے داماد تھے، ان کا بیان ملا حسن کے سلسلے میں بلاشبہ مستند ترین بیان ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دارانگر (واقع ضلع بجنور) کے مدرسے میں ملا حسن نجیب الدولہ کے زمانے میں نہیں گئے تھے (جن کا انتقال ۱۱۸۴ھ میں ہوا) بلکہ ان کے بعد اُن کے بیٹے ضابطہ خاں کی دعوت پر گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ... حافظ رحمت خاں والی روہیل کھنڈ بقید حیات تھے، حافظ رحمت خاں کی شہادت ۱۱۸۸ھ میں ہوئی۔ اس طرح ملا حسن کے فرنگی محل سے جانے کا زمانہ قریب قریب متعین ہو جاتا ہے، اور وہ ۱۱۸۴ھ اور ۱۱۸۸ھ کے درمیان کا ہے۔

رسالہ قطبیہ کی تفصیل سے شیخ رضی الدین محمود انصاری (اغصان الانساب کے مصنف) کے اس بیان کی تردید ہو جاتی ہے کہ نجیب الدولہ نے ملا حسن کو اپنے مدرسے میں مدرس کی حیثیت سے مامور کیا تھا، جیسا کہ ملا کمال الدین کے ذکر میں اوپر گزرا۔

ملا حسن کے فرنگی محل سے چلے جانے کے بعد ملا نظام الدین کی مسند درس ایک بار پھر سونی سونی نظر آنے لگی تھی، اگرچہ اس وقت بھی فرنگی محل میں تلامذۂ ملا نظام الدین کی درسگاہیں تھیں، ملا احمد حسین بن ملا محمد رضا ہی کی ایک درسگاہ تھی وہ شروع سے آخر تک اپنے نامور چچا ملا نظام الدین سے پڑھ چکے تھے اور مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے بیان کے مطابق آخر عمر تک درس دیتے رہے

...ان ہی کے ایک شاگرد علامہ تفضل حسین گزرے ہیں) ملا نظام الدین کے ایک دوسرے شاگرد ملا محمد یعقوب ابن ملا عبد العزیز بھی فرنگی محل ہی میں درس دے رہے تھے، بلکہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کی تصریح کے مطابق مولانا محمد یعقوب:-

"تحصیل علوم حضرت استاذ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور ملا حسن سے کر کے فارغ التحصیل ہوئے ..... استاذ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں آپ (ملا محمد یعقوب) کی تدریس کی شہرت ہو گئی تھی، آپ کی دیانت اور تقویٰ پر عوام و خواص سب کو بھروسہ تھا، یہاں تک کہ سرکار اودھ کی جانب سے آپ کو عہدۂ افتا سپرد ہوا، جس کو آخر عمر تک آپ نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے، احکام کو آپ کے فتووں پر بہت زیادہ اعتبار و اعتماد تھا۔"

(تذکرۂ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص ۲۰۵)

یہاں مولانا عنایت اللہ مصنف تذکرۂ علمائے فرنگی محل نے اغصان اربعہ کی تفصیل کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ملا محمد ولی اور خود ملا حسن کے چھوٹے بھائی ملا محمد ولی (بن ملا غلام محمد مصطفیٰ) بھی فرنگی محل ہی میں درس و تدریس جاری کیے ہوئے تھے، انھوں نے بھی استاذ الہند ملا نظام الدین سے اور ملا کمال الدین سہالوی (اپنے ماموں) سے پڑھا تھا، وہ مدرس بھی تھے مصنف بھی، انکی ایک تصنیف شرح سلم ہے۔ جو مخطوطہ کی شکل میں بیشتر علمی ذخیروں میں پائی جاتی ہے، اس شرح کے بارے میں مولوی فضل امام خیرآبادی کا بیان ہے۔

شرح خوب ست، گویند کہ این شرح را بنظر ملا نظام الدین درآمدہ و ملا اصلاح داون فرمودہ است،
(آمدنامہ مخطوطہ فرنگی محل)

بہترین شرح ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ یہ شرح ملا نظام الدین کے ملاحظے سے گزر چکی ہے، اور ملا صاحب نے اس میں تصحیح بھی فرمائی ہے۔

یہی ملا ولی فرنگی محلی ہیں، جو خیرآبادی سلسلۂ تلمذ کے نامور استاد مولوی سید عبد الواجد

خیرآبادی استاد مولوی فضل امام خیرآبادی کے استاد ہیں، ملا ولی کے تلامذہ میں اور بھی بڑے نامور لوگ ہیں، جن میں سے ایک سید انشاء اللہ خان مشہور شاعر بھی ہیں، خود ملا ولی کے تینوں صاحبزادے مولوی عزیز اللہ، مفتی ظہور اللہ اور مولوی نور اللہ بھی اپنے والد ماجد ہی کے شاگرد تھے، مفتی ظہور اللہ کثرتِ تلامذہ اور مفید ترین درسی تصانیف کی بناء پر بڑی شہرت رکھتے ہیں، سرکار اودھ میں عہدۂ افتاء پر مامور ہونے کے باوجود درس و تدریس میں غیر معمولی انہماک رکھتے تھے، "وقائع قادر خانی" کے مؤلف مولوی عبد القادر رامپوری ~~۱۲۳۰ھ~~ ۱۸۱۴ء میں گشت کرتے ہوئے لکھنؤ آئے، تو فرنگی محل میں مفتی ظہور اللہ سے ملاقات کے لیے بھی آئے، یہی اس وقت فرنگی محل کے سب سے بڑے عالم تھے، اپنے روزنامچے میں (جس کا واحد قلمی نسخہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے جیب گنج کلکشن میں ہے) انھوں نے از صناید فرنگی محل" لکھ کر مفتی ظہور اللہ کو یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ

"ایک دن مولوی ظہور اللہ صاحب کی زیارت سے بھی مشرف ہوا، جو صنادید (اکابرین) فرنگی محل میں ہیں، اور اپنے خاندان کے دستور کے مطابق فنون مروجہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ (فارسی سے ترجمہ)

ملا مبین بہرحال جب ملا حسن نے فرنگی محل کو چھوڑ دیا، تو کئی مشہور فرنگی محلی مدرس فرنگی محل کے اندر درس دے رہے تھے، مگر ملا حسن کا چلا جانا علمی اعتبار سے خاندان فرنگی محل کے لیے باعث تشویش بن گیا تھا، ملا حسن کے شاگرد رشید اور بنی عم ملا محمد مبین بھی بہت فکرمند ہو گئے تھے، اس سلسلے میں ملا مبین کے حقیقی بھتیجے اور شاگرد ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہے،

ہرگاہ ملا حسن علیہ الرحمۃ کہ استاد او بود از وطن بطرف ملک روہیل کھنڈ رفت ملا محمد مبین علیہ الرحمۃ در جناب شاہ شاکر اللہ علیہ الرحمۃ حاضر شدہ حکایت رفتن ملا محمد حسن از وطن بیان آورد شاہ موصوف خطاب بسوئے کردہ فرمود میاں محمد مبین! محمد حسن نامے بود آں نام شما نہادہ شد بجائے نشینید و درس می دادہ باشید اعتبار شما دریں ملک زیادہ از اعتبار ملا حسن خواہد شد وہم چناں اتفاق افتاد کہ حق تعالیٰ در باطن اکثرے از امرایان آں زمان مرتکز ساختہ کہ مثل وے در ہند فاضلے نیست چنانچہ روزے در محفل وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ مرحوم سید شاہ مدن علیہ الرحمۃ مذکور ملا حسن کردہ رتبۂ عالیہ او در علم بیان ساختہ امیرے قطع کلام کردہ مدح ملا مبین آغاز نمود مرتبہ او ما فوق بمرتبۂ ملا حسن قرار دادہ سید شاہ مدن گفتہ کہ وے عزیز و تلمیذ ملا محمد حسن است امیر گفت غلط است او تلمیذ کے نیست شاہ مدن خاموش ماندہ گویند آں امیر مرتضیٰ خان بڑیچ بود،

(اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۲۱)

جب ملا حسن نے جو ملا مبین کے استاد تھے فرنگی محل سے روہیل کھنڈ کی طرف ہجرت کرلی تو ملا مبین نے شاہ شاکر اللہ صوفی شاگرد ملا نظام الدینؒ و مرید میر سید اسماعیل بلگرامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر ملا حسن کا فرنگی محل سے چلا جانا بیان کیا، شاہ صاحب نے ملا مبین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: میاں مبین! محمد حسن ایک نام تھا، وہ نام تمھیں دے دیا گیا، جاؤ گھر درس و تدریس کرو، ملا حسن سے بھی زیادہ اس دیار میں تمھارا اعتبار ہوگا (اور ایسا ہی ہوا بھی) اللہ جل شانہ نے امرائے شاہ کے بیشتر معززین کے دلوں میں یہ بٹھا دیا کہ اب ہندوستان میں ملا مبین کے درجے کا کوئی اور عالم نہیں ہے، چنانچہ ایک روز وزیر الممالک شجاع الدولہ کی محفل میں سید شاہ مدنؒ نے ملا حسن کا ذکر کیا (جو یقیناً وہی زمانہ ہوگا، جب ملا حسن ہجرت کر کے ضابطہ خاں کے پاس جا چکے تھے) اور تفصیل سے بتایا کہ علمیت میں ان کا کیا بلند مرتبہ تھا، ایک امیر نے شاہ مدن کی بات کاٹتے ہوئے ملا مبین کی تعریف و توصیف شروع کردی اور ملا مبین کو ملا حسن سے بلند مرتبہ ٹھہرایا، شاہ مدنؒ نے جواب میں کہا "ملا مبین تو عزیز بھی ہیں اور شاگرد بھی، ملا حسن

ہ: کے ہیں: امیر نے کہا " بالکل غلط! ملا
حسن کسی کے شاگرد نہیں، بے چارے شاہ
دن خاموش ہو کر رہ گئے. ان امیر کا نام
اگوں نے امیر تفضل حسین بتایا ہے'

(۱) مبین فرنگی محلی کا انتقال عہد سعادت علی خاں میں سنہ ۱۲۲۵ھ میں فرنگی محل میں ہوا.

وہ ملا نظام الدین کے وصال سے چار سال قبل سنہ ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہو چکے تھے، اور اسی سنہ ۱۲۲۵ھ میں ملا بحر العلوم کا انتقال مدراس میں ہوا. ملا حسن اور اُن کے چھوٹے بھائی ملا محمد ولی ایک سال کے فرق سے بارھویں صدی ہجری کے اختتام پر عازم آخرت ہو چکے تھے، فرنگی محل میں ملا محمد ولی کے صاحبزادگان نے جن میں مفتی محمد ظہور اللہ درس و تدریس میں سب سے نامور ہوئے، مشغلۂ آبائی کو جاری رکھا اور مفتی یعقوب کے فرزند ملا عبد القدوس نے جو ملا حسن اور ملا غلام یحییٰ بہاری کے شاگرد تھے. درس و تدریس کے شغل پر ایسی توجہ کی کہ عہد سعادت علی خاں میں عہدۂ افتاء قبول کرنے سے انکار کر دیا، مدراس میں ملا بحر العلوم کی جانشینی ملک العلماء ملا علاء الدین احمد بن مولانا احمد انوار الحق فرنگی محلی نے کی، ان کے بھائی مولانا انوار الحق فرنگی محل میں درس و تدریس کرتے رہے، یہ دونوں بھائی ملا علاء الدین اور مولانا انوار الحق نیز ان دونوں کے والد ماجد مولانا احمد انوار الحق بھی بحر العلوم ہی کے شاگرد تھے، ان تینوں حضرات میں سے کسی نے شاہجہاں پور، کسی نے رامپور اور بوہار جا کر بحر العلوم سے اعلیٰ کتابیں پڑھ کر فراغت حاصل کی تھی. ملا بحر العلوم کے صاحبزادوں میں بڑے ملا عبد الاعلیٰ، (مصنف رسالۂ قطبیہ) نے بھی اپنے والد ماجد ہی سے ساری تعلیم حاصل کی تھی، لیکن ان کی وفات والد ماجد سے اٹھارہ سال قبل (سنہ ۱۲۰۰ھ) میں ہو گئی، دوسرے بیٹے ملا محمد نافع بن بحر العلوم بھی والد ماجد کی حیات میں انتقال کر گئے. مولانا عبد الرب بن بحر العلوم نے جن کو نواب ارکاٹ نے سلطان العلماء کا خطاب دیا تھا، کچھ دنوں مدراس میں والد ماجد کی وفات کے بعد درس

دریس کی، اس کے بعد وطن واپس آ کر شغل تدریس جاری رکھا، ان کی وفات سنہ ۱۲۵۳ھ میں ہوئی، ان کے بعد اُن کے نامور فرزند مولانا عبد الحکیم نے بحر العلوم کی جانشینی فرنگی محل میں ہو کر کی، اور ان سے بھی فیض بہت جاری ہوا.

شادی
اولاد، تصانیف
اور وفات

استاذ الہند ملا نظام الدین محمد (۱۱۰۵ھ / ۹۴-۱۶۹۳ء) میں جب کہ ان کی عمر تقریباً سو دس سال کی تھی، سہالی سے ترکِ وطن کر کے لکھنؤ کی "حویلی فرنگی" میں والدہ، دادی، دو بھاوجوں، دو بھتیجوں اور ایک چھوٹے بھائی کے ساتھ مقیم ہوئے، اور نئے وطن میں مستقل بود و باش کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد تحصیلِ علم کے لیے گھر سے نکلے، تذکرہ نویسوں کے تخمینے کے مطابق ۲۵ سال کی عمر میں، اور بعض قوی قرائن کے پیشِ نظر اکیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر (۱۱۱۳ھ / ۰۲-۱۷۰۱ء) میں اپنی نئی رہائش گاہ فرنگی محل یا حویلی فرنگی واپس آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تاہل کی زندگی کا آغاز اسی زمانے میں ہوا۔ ملا صاحب کی شادی کس عمر میں ہوئی؟ اس کی تفصیل جاننے کا اب کوئی ذریعہ ہماری دسترس میں نہیں ہے، بس یہی معلوم ہے کہ ملا صاحب کی شادی اپنے آبائی وطن قصبہ سہالی میں چودھری محمد آصف کی بیٹی سے ہوئی تھی، چودھری محمد آصف جو ملا قطب الدین شہید کے بنی اعمام میں تھے "ملا قطب الدین پر دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر نو آدمیوں کے ساتھ امداد کو پہونچے تھے، اور مدرسۂ ملا شہید کے سامنے ہی حملہ آوروں کی مدافعت کرتے ہوئے اپنے ہمراہیوں سمیت شہید ہوئے تھے، (۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۱ء)

ان اہلیہ سے ملا نظام الدین کے ایک اولاد ہوئی، جو صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی۔

(اغصان اربعہ) مُلّا صاحب کے برادر زادگان مُلّا احمد عبد الحق (بن ملا محمد سعید) ملا عبد العزیز (بن مُلّا محمد سعید) مُلّا غلام محمد مصطفےٰ (بن ملا محمد اسعد) ملا عبد الغنی (بن ملا محمد رضا) اور ملا احمد حسین (بن ملا محمد رضا) بھی ملا صاحب کی اولاد تھے، آخر الذکر بھتیجے ملا احمد حسین کو جو سب بھتیجوں میں چھوٹے تھے، مُلّا صاحب نے متبنیٰ کر لیا تھا۔

مولانائے عارف مولوی احمد حسین مرحوم را متبنیٰ کردہ بود،
رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص ۵!

مولانا عارف (ملا نظام الدین محمد) نے مولوی احمد حسین مرحوم[1] (ابن محمد رضا) کو متبنیٰ کیا تھا

اور یہ سب بھتیجے مُلّا صاحب کے سامنے ہی صاحب اولاد بھی ہو چکے تھے، وہ کنبہ جس

---

[1] یہاں ضمناً یہ ذکر ضروری ہے کہ ملا احمد حسین کی وفات کی تاریخ اور زمانہ کہیں نظر سے نہیں گزرا تھا، رسالۂ قطبیہ کے مصنف مولانا عبد الاعلیٰ نے ملا احمد حسین کو "مرحوم" لکھا ہے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ زمانۂ تصنیف رسالۂ قطبیہ میں وہ انتقال کر چکے تھے، رسالۂ قطبیہ کی تصنیف ۱۲۰۰ھ میں ہوئی جیسا کہ ملا عبد الاعلیٰ (مصنف) نے وضاحت سے لکھا ہے:-

"قد فرغت من تسوید ھذہ الرسالۃ المتبرکۃ الموسومۃ بالقطبیۃ فی بیان احوال الفرق النظامیۃ عاشر محرم الحرام سنۃ الف (۱۲۰۰ھ) ومائتین من ھجرۃ النبی الاکرم"

(اس رسالہ کی تالیف سے جس کا نام القطبیۃ فی بیان احوال الفرق النظامیۃ ہے، دسویں محرم سنہ ۱۲۰۰ھ میں فرصت پائی)

اس ضمنی ثبوت سے یہ معلوم ہو گیا کہ ملا احمد حسین کی وفات بارھویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی، نزھۃ الخواطر کے مؤلف مولانا سید عبد الحی حسنی نے ساتویں جلد میں جو تیرھویں صدی ہجری میں وفات پانے والوں کے احوال میں ہے، ملا احمد حسین کا جو ذکر کیا ہے یقیناً تسامح ہے، مصنف نزھۃ الخواطر نے سال وفات بیان بھی نہیں کیا ہے۔

کی سربراہی مُلّا نظام الدین پر سو د سال کی عمر میں آ پڑی تھی، ان کی نگاہوں کے سامنے پھل پھول رہا تھا پھر بھی مُلّا صاحب اور ان کے مخلصین کے دل میں یہ تمنا بھی رہی تھی کہ مُلّا صاحب سے صلبی اولاد کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری ہو جس طرح علمی فرزندوں سے ان کا سلسلہ پھیلتا جا رہا ہے، بلکہ خود مُلّا صاحب بھی بشری تقاضے کے تحت اپنی بے اولادی سے ملول رہتے تھے:-

ازیں جہت بمقتضائے بشریت رنجیدہ خاطر می ماندند، و از برادر زادہ خود ملا احمد عبد الحق قدس سرہ اکثری فرمودند کہ باوجودیکہ اولاد برادران و فرزندان شان فرزندان من اند لاکن دل ہمیں می خواہد کہ یکے از ان خودم باشد، او شان عرض کردند کہ اگر از زوجۂ اولیٰ فرزند متولد نمی شود زوجۂ دیگر باید کرد شاید حق تعالیٰ از و عطا فرماید، فرمودہ عالم الغیب خدائے تعالیٰ ست برمن در عالم رؤیا ہیچ منکشف گشتہ ازیں جہت جرأت بایں امر نمی توانم و خود را در جھگڑہ و فساد نمی گردانم تا وقتیکہ کدام بزرگے کہ بر او اعتماد من باشد ازیں معنی خبر نخواہد داد ارتکاب ایں امر نخواہم کرد،

بشری تقاضے کے تحت رنجیدہ اور ملول رہتے تھے، اور اپنے بھتیجے ملا احمد عبد الحق قدس سرہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بھائیوں کی اولاد اور ان کی اولاد کے بچے میرے ہی بچے ہیں، پھر بھی یہ دل چاہتا ہے کہ ایک اولاد میری بھی ہو۔ بھتیجے (ملا احمد عبد الحق) نے عرض کیا کہ ان بیوی سے اگر اولاد نہیں ہے تو دوسرا عقد کر لیا جائے۔ اللہ چاہے گا تو اس سے فرزند عطا فرمائے گا۔ ملا صاحب نے جواب میں فرمایا کہ غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے، اس سلسلے میں عالم رؤیا میں مجھے کوئی اشارہ نہیں ملا ہے اس لیے میں اس معاملے (عقد ثانی) میں اقدام نہیں کر سکتا اور خود کو جھگڑے فساد کا نشانہ نہیں بنا سکتا جب تک کوئی ایسا بزرگ جس پر

مجھے اعتقاد ہوا اس سلسلے میں کوئی (الہامی) خبر دے گا میں عقدِ ثانی کرنے کا ارتکاب نہ کروں گا۔

"تا حضرت سید میر محمد اسماعیل بلگرامی قدس سرہ بر رموز باطنی مولانا مطلع گشتہ از درگاہ الٰہی ملہم گشت کہ از زوجۂ دیگر فرزنداں بوئے میسر خواہند گشت، سید صاحب ازیں معنی مولانا را خبر دادہ تا در اواخر عمر موکد شد، کتخدا گشت در قصبہ سترکہ نکاح دیگر کردہ حق تعالیٰ از بطن ایں زوجہ یک پسر عطا فرمود کہ او را بہ عبدالعلی محمد موسوم گردانید و یک صبیہ متولد شد۔"

(اغصان اربعہ مطبوعہ صفحہ ۱۲)

یہاں تک کہ حضرت میر محمد اسماعیل بلگرامی قدس سرہ، ملا صاحب کے مکنونِ خاطر سے باخبر ہوئے، اور درگاہ الٰہی سے ان کو الہام ہوا کہ ملا صاحب کی دوسری شادی سے اولاد ہوگی، یہ الہامی اشارہ حضرت میر سید اسماعیل بلگرامی نے ملا صاحب سے کہلوا دیا، پھر آخر عمر میں زیادہ ہو کر ملا صاحب نے دوسرا نکاح قصبہ سترکہ میں کیا ان دوسری بیوی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک فرزند جن کا نام عبدالعلی محمد ہے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔

اور یہ صاحبزادے جن کو دنیا بحر العلوم کے نام سے یاد کرتی ہے، اپنے نامور والد ماجد کی آغوشِ تربیت میں پلے بڑھے، ملا صاحب نے اکلوتے فرزند کو بڑے لاڈ پیار سے پالا اور جب وہ چار سال چار مہینے کے ہوئے تو اُن کی بسم اللہ کی تقریب بھی ملا صاحب نے کی، ایک قلمی تحریر کے مطابق جو ملا عبداللہؒ امیٹھوی (شاگرد رشید ملا نظام الدین فرنگی محلی) کے پوتے کی لکھی ہے، اس تقریب کا مختصر حال یہ ہے:-

والدم (یعنی پیرکلاں ملا عبداللہ امیٹھویؒ) ... میرے والد بیان فرماتے تھے کہ جب

موسوم بہ مولوی شاہ علاء الدین احمد قدس سرہ) بیان می فرمودند کہ در زمانیکہ تقریب مکتب یعنی بسم اللہ حضرت ملک العلماء مولانا عبدالعلی صاحب قدس سرہ، منعقد شد دراں محفل اجلۂ علمائے نامدار و فضلائے والا تبار و مشائخ کبار از آں جملہ جناب حضرت قاضی محمد تقی صاحب مہونوی قدس سرہ، نیز موجود بودند حسب تجویز و ایمائے جملہ اصحاب محفل حضرت قاضی محمد تقی صاحب، قدس سرہ بسم اللہ از زبان خود حضرت مولانا عبدالعلی صاحب را گویانیدند، ازیں جا برکت زبان حضرت قاضی محمد تقی صاحب قدس سرہ خیال فرمودہ شود کہ ذات ملکی صفات حضرت مولانا عبدالعلی قدس سرہ در تبحر انواع علوم و فضائل کمالات صوری و معنوی فخر تمام علماء و اولیاء کل ہندوستان شد۔

(یہ قلمی تحریر مولانا محمد نعیم فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۲ھ کے مخطوطات کے ذخیرے میں ہے جو ان کے پوتے مولانا محمد ناصر کے پاس موجود ہے۔)

ملک العلماء مولانا عبدالعلی صاحب قدس سرہ (بحر العلوم) کی بسم اللہ کی تقریب منعقد ہوئی تو اس محفل میں بڑے بڑے علمائے وقت فضلائے زمانہ اور مشائخ کبار موجود تھے، ان ہی میں قاضی محمد تقی صاحب مہونوی قدس سرہ بھی تشریف رکھتے تھے، تمام حاضرین محفل کی تجویز اور خواہش پر حضرت قاضی محمد تقی صاحب قدس سرہ نے اپنی زبان سے مولانا عبدالعلی صاحب سے بسم اللہ پڑھوائی اس سے قاضی محمد تقی صاحب قدس سرہ کی زبان کی برکت کی تاثیر ملاحظہ فرمانا چاہیے، کہ فرشتہ صفات حضرت مولانا عبدالعلی صاحب قدس سرہ کی ذات تمام علوم میں کیسی متبحر اور ظاہری و باطنی کمالات و فضائل میں کیسی جامع گزری ہے کہ ہندوستان بھر کے تمام علماء و اولیاء اللہ کے لیے باعثِ فخر ہے۔

ملا صاحب کا دوسرا نکاح، جو شیخ محمد کریم بن شیخ محمد حلیم بن ملا شاہ محمد ولی محمد عثمانی چشتی سترکھی کی دختر سے ہوا، کب ہوا، اس کا تعین مشکل ہے تاہم اواخر عمر سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور بعض دوسرے قرائن سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۱۴۱ھ و ۱۱۴۳ھ کے قریب قریب ہوا ہوگا، اس لیے کہ ملا صاحب نے یہ عقد اپنے پیر بھائی اور صاحب فیض روحانی میر سید اسماعیل بلگرامی (وفات ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۰ء) کے مکاشفے کے مطابق کیا تھا، ظاہر ہے کہ ملا صاحب کے پیر و مرشد حضرت سید السادات سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ اس وقت پردہ فرما چکے ہوں گے (وفات ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء) ورنہ ان ہی سے اس سلسلہ میں رجوع کرنا اولیٰ و انسب ہوتا۔ ان کے خلیفہ اور پیر بھائی کا بیچ نہ آتا۔ اس کے علاوہ صاحبزادہ ملا عبدالعلی بحر العلوم کی عمر ملا صاحب کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھی، اور صاحبزادی کی تیرہ سال کی۔

در عمر ہفدہ سالگی از تحصیل علوم ظاہری فراغت یافت و در ہماں سال مولانا او را در قصبہ کاکوری کتخدا کرد و خود بعد شش ماہ در ہمیں سال بعالم علوی پیوست و دختر سیزدہ سالہ ناکتخدا گذاشتہ،

ملا عبدالعلی (بحر العلوم) سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے، اور اسی سال ملا نظام الدین نے بیٹے کا عقد قصبہ کاکوری (ضلع لکھنؤ) میں کر دیا، بیٹے کے نکاح کے چھ ماہ بعد ملا نظام الدین نے سفر آخرت اختیار فرمایا، اور ۱۳ سالہ ناکتخدا بیٹی چھوڑی

ملا صاحب کا سال وفات ۱۱۶۱ھ ہے، اس وقت صاحبزادے (بحر العلوم) اٹھارہ سال کے تھے، صاحبزادے کی پیدائش سے دو ہی ایک سال قبل ملا صاحب کا عقد ثانی ہونا چاہیے۔ (۱۱۴۳ھ یا ۱۱۴۱ھ میں)

ملا صاحب کی صاحبزادی کا عقد سہالی میں ملا صاحب کے بھانجے شیخ حفیظ ابن شیخ سیف الدین کے ساتھ ہوا، جو صاحب اولاد ہوئیں، صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کی طرف

ملا صاحب نے بذات خود توجہ فرمائی، اگرچہ ملا صاحب کے تلامذہ جن میں بھتیجے اور متبنّیٰ بھی شامل تھے اس وقت صاحب درس و تدریس ہو چکے تھے، لیکن انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خود ہی تعلیم دی اور ہمہ وقت اس کے متمنی رہے کہ ان کا اکلوتا بیٹا، خلف الصدق ثابت ہو، خود ہی بیٹے کو پڑھاتے بھی تھے اور ملاقات کے لیے آنے والے اللہ والوں سے بیٹے کے لیے دعا کے طلبگار بھی ہوا کرتے تھے۔

ملا ولی اللہ فرنگی محلی جنھوں نے فرزند ملا نظام الدین کا کافی زمانہ پایا تھا، اپنی تصنیف عمدۃ الوسائل للنجاۃ میں جو ملا صاحب کے فرزند (ملا عبدالعلی بحر العلوم) کی حیات میں لکھی گئی تھی، لکھتے ہیں:-

اکثر معتبرین از زبان صاحبزادہ ملا عبدالعلی سلمہ ربہ نقل کردہ اند کہ ایشاں می گفتند مولانا علیہ الرحمۃ بجہت محبت کہ با من داشت ہمیشہ برائے من دعائے علم کردے و با ہر کہ از اہل اللہ ملاقی گشتے از وے درخواست دعائے برائے من کردے چنانکہ روزے مولانا علیہ الرحمۃ بحجرۂ مسجد نشستہ مرا درس می دادند کہ در ایں ہنگام دو جوان خوب تر در مسجد آمدند و بر مولانا علیہ الرحمۃ سلام گزاردند یکے از آنہا بجانب راست و دوم از آنہا بجانب چپ نشستند و مولانا علیہ الرحمۃ بغایت تکریم و تعظیم شاں کردہ ہمہ حیراں گشتیم کہ ایشاں

اکثر لوگوں نے جو معتبر اور ثقہ ہیں صاحبزادہ ملا نظام الدین، ملا عبدالعلی سلمہ ربہ کی زبانی مجھ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ملا عبدالعلی فرماتے تھے کہ ملا صاحب جیسی محبت مجھ سے فرماتے تھے، اس کی بنا پر ہمیشہ میرے لیے حصول علم کی دعا فرمایا کرتے تھے، اور اہل اللہ میں سے جس سے بھی ملاقات ہوتی، اس سے بھی میرے لیے دعا کراتے تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ملا صاحب مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے مجھے پڑھا رہے تھے، ناگہاں دو خوبصورت جوان مسجد میں داخل ہوئے اور ملا صاحب کو سلام کیا، ان میں سے

کرام کسانند کہ جناب مولانا علیہ الرحمۃ
چنداں بہ تکریم شاں کوشید، بعد ساعتے
اشارہ بہ من کردہ پرسید ایں کیست مولانا
علیہ الرحمۃ فرمود، پسر من برائے ایں دعا
کنید حق تعالیٰ او را علم نافع و فہم کامل
عطا فرماید، باہم بعجب نگریستند و گفتند
شما خود قادر اید برآنکہ اگر خواہید بفضل
الٰہی ہمیں وقت تمامی علوم برائے حاصل
گردند، گفت آرے ممکن ست از لطف
الٰہی، لاکن مقصود من حصول بدیں طور
نیست می خواہم کہ بہ زور دیدہ من بکسب و
اکتساب میسر شوند، ایں بگفت دست
بدعا برداشت و آں ہر دو کساں شریک
بودند ہرگاہ از دعا فارغ شدہ آنہا از
نظرہا غائب شدند عجب بر عجب مرا افزود پرسیدم
کہ ایں ہا کدام کس بودند فرمودند از جملہ
اولیائے کرام در فلاں جزیرہ مشغول بحق
داشتند،

عمدۃ الوسائل مخطوطہ فرنگی محل
صفحہ ۲۶

ایک ملا صاحب کی داہنی طرف اور دوسرا
بائیں طرف بیٹھ گیا، ملا صاحب نے ان
دونوں کی بے حد تعظیم کی، ہم حیران تھے
کہ آخر یہ کون لوگ ہیں، جن کی اس قدر
تعظیم ملا صاحب کر رہے ہیں، تھوڑی دیر
کے بعد ان نو واردوں نے میری طرف
اشارہ کرکے پوچھا یہ کون صاحبزادے
ہیں؟ ملا صاحب نے فرمایا میرا بیٹا ہے
دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے علم نافع اور
فہم کامل عطا فرمائے، ان نو واردوں نے
باہم ایک دوسرے کو پہلے تو تعجب سے دیکھا
پھر بولے آپ کو خود یہ قدرت حاصل ہو
کہ اگر چاہیں تو ابھی تمام علوم بفضل الٰہی
صاحبزادے کو حاصل ہو جائیں، ملا صاحب
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم
سے بے شک یہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن
میرا مطلب اس طرح حصول علم سے
نہیں ہے، یہ چاہتا ہوں کہ میرے نور نظر
کو پڑھ کر اور کسب کے ذریعہ علم نصیب
ہو، اتنا فرمانے کے بعد ملا صاحب نے
دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ان

دونوں نو واردوں نے بھی دعا میں شرکت
دامات کی، جوں ہی ملا صاحب دعا سے
فارغ ہوئے، یہ دونوں آنے والے ہماری
نظروں سے غائب ہو گئے، مجھے حیرت پر
حیرت ہوئی، بالآخر میں نے ملا صاحب
سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا
اولیائے کبار میں سے تھے، فلاں جزیرے
میں یاد الٰہی میں بسر کرتے ہیں۔

ملا عبدالعلی (بحر العلوم) نے اپنے والد ماجد ہی سے تعلیم پائی اور فارغ التحصیل ہو گئے، اس وقت ان کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی، اکلوتے بیٹے تھے، فارغ التحصیل ہونے کے باوجود درس و تدریس کی طرف توجہ نہیں کی، والد ماجد نے اس کے بعد شادی بھی کر دی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد بھی، ملا عبدالعلی نے خاندان کی ذمہ داریوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی، ان کی شادی کے چھ ماہ بعد ہی ملا صاحب کا انتقال ہو گیا، اب گھر کی ساری ذمہ داری ان ہی پر آ پڑی، پھر بھی والد ماجد کی قائم مقامی کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا، دھیان کب گیا جب تابڑ توڑ دو واقعے پیش آئے، ایک واقعہ تو شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر جلسہ دستار بندی کے موقع پر پیش آیا جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، دوسرا واقعہ جو اس سے قبل کا معلوم ہوتا ہے، روایتاً ہم تک پہنچا ہے، وہ یہ کہ ملا صاحب کے وصال کے بعد ایک فقیر صدا لگاتا ہوا دروازے پر آیا، گھر سے ماما نے نکل کر اس کو کچھ دینا چاہا، فقیر نے نہیں لیا، اور ملا صاحب سے ملنے کی خواہش کی، ماما نے جواب دیا کہ ملا صاحب پردہ فرما چکے ہیں، فقیر نے کہا ان ملا صاحب سے نہیں ان کے بیٹے ملا صاحب کو میں کہہ رہا ہوں، ماما نے اندر آکر ملا عبدالعلی سے کہا کہ باہر کوئی آپ کو پوچھ رہا ہے، نوجوان ملا عبدالعلی چھت پر کبوتر اڑا رہے تھے، اسی حالت میں باہر آ گئے، ایک کبوتر بھی ہاتھ میں تھا، فقیر نے کہا آپ کا

یہ منصب نہیں ہے کہ کبوتر اُڑائیں، ملا عبد العلی نے ہاتھ سے کبوتر اُڑا دیا، یہ واقعہ مولانا مفتی محمد عتیق فرنگی محلی (حفید ملا عبد العلی بحر العلومؒ) نے بیان کیا۔

غالباً اس واقعہ کے بعد ٹیلے والا واقعہ ہوا کہ جلسۂ دستاربندی میں بٹیروں کی کابک ہاتھ میں لیے ملا عبد العلی جلسہ گاہ پہونچے اور مجمع نے جب اندر جانے میں مزاحمت کی، تو انھوں نے بتایا کہ میں ملا نظام الدین استاذ الہند کا بیٹا ہوں، کسی نے جواب دیا کہ استاذ الہند کے بیٹے ہوتے تو اُن کی جگہ صدر میں بیٹھے ہوتے یا اس طرح یہاں دھکے کھاتے ہوتے، جملہ پوری طرح کارگر ثابت ہوا، اور ملا عبد العلی کبوتر اور بٹیر کے شغلوں سے تائب ہو کر والد ماجد کے مزار مبارک پر جا کر خوب روئے اور علم کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے، والد ماجد کے نامور تلمیذ ملا کمال الدین سہالوی سے بھی رجوع کرتے رہے، جس کے نتیجے میں فرنگی محل میں والد ماجد کے اجلّہ تلامذہ کے خاندانی درس و تدریس کے باوجود مرجع انام ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک ناگوار واقعہ پیش آیا تو حکومتِ وقت کے مقابلے میں ملا عبد العلی بحر العلوم کے گرد اتنی جمعیت اکٹھا ہو گئی تھی کہ حکومت کو مزید کارروائی سے دست بردار ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔

واقعہ اگرچہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا، لیکن اس نے چشم زدن میں شیعہ سُنی رنگ اختیار کر لیا، جس کی تفصیل ملا عبد الاعلیٰ (فرزند اکبر ملا عبد العلی بحر العلوم) نے رسالۂ قطبیہ میں اس طرح بیان کی ہے:-

سید نور الحسن بلگرامی در زمانۂ سابق مذہب اہل تشیع می داشت، در حویلی مولوی محب اللہ اقامت ورزیدہ بود، جہت بیماری طاقت رفتن برائے زیارت روضہ نداشتہ، دراں حویلی طلب نمود، چونکہ مدرسہ مولانائے کامل در اثنائے

سید نور الحسن بلگرامی جو اس وقت شیعہ مذہب رکھتے تھے (فرنگی محل کے اندر اپنے دوست) مولوی محب اللہ ابن ملا عبد الحق بن ملا سعید) کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے، چونکہ بیماری کی وجہ سے وہ تعزیہ کی زیارت کو جا نہیں سکتے

راہ بود آں وقت فاتحہ بر شربت کہ نذر امامین بود می کردند و روضہ را دیدند و تکلم کردن نتوانستند از دست اشارہ کردند کہ بندگان را منع کنید کہ ایں طرف راہ نیست کہ می برند شاید راہ فراموش کردہ باشند بعضے طلبائے متعصبین فہمیدند کہ ایں دست را اشارۂ شکستن کردہ اند یکبارگی شکستند، چوں مولانائے کامل از فاتحہ فارغ شدند طلبا را بسیار غصہ فرمودند ......

رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص ۳۰

تھے، اور یہ زمانہ محرم کا تھا، غالباً عشرہ کا روز ہوگا) تعزیہ کو جو فرنگی محل کی گلی سے جلوس کے ساتھ گزر رہا تھا، فرنگی محل کے پھاٹک کے اندر) بلوا کر اپنی قیام گاہ سے اس کی زیارت کرنا چاہی، اُن کی قیام گاہ یعنی مولوی محب اللہ کے مکان تک جانے میں ملا بحر العلوم کا مدرسہ بیچ میں پڑتا تھا، اور اس وقت بحر العلوم حضرات حسنینؓ کی نذر کے شربت پر فاتحہ دے رہے تھے، انھوں نے تعزیہ آتے دیکھا تو فاتحہ میں مصروف ہونے کی وجہ سے بول نہ سکے، ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ تعزیہ لانے والوں کو روکو اس طرف راستہ نہیں ہے، شاید بھولے سے ادھر نکل آئے ہیں، بعض متعصب طلبا یہ سمجھے کہ بحر العلوم نے ہاتھ سے جو اشارہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تعزیہ توڑ ڈالا جائے، اچانک وہ تعزیہ پر ٹوٹ پڑے، اور اُسے توڑ ڈالا، بحر العلوم جب فاتحہ سے چکے تو طلبا پر بے حد غصہ فرمایا۔

مگر واقعہ تو پیش آچکا تھا، لکھنؤ میں شیعہ عملداری تھی، شجاع الدولہ کا زمانہ تھا، یعنی اس وقت تک لکھنؤ اودھ کی راجدھانی نہیں بنا تھا، بہر حال اس واقعہ سے شیعوں میں ہل چل مچ گئی اور یہ شہرت ہوگئی کہ

مولانا ازاں امیں منحرف شدہ متوجہ سوئے خروج شدند ہمیں دستاویز قاضی غلام مصطفیٰ کہ مقتدائے اہلِ تشیع بودند وا مولانائے کامل معاندت دینی و دنیوی می داشت طلبۂ عام نمودہ خواست کہ مولانائے کامل را تقصد بعیہ دہد ایں خبر بمولانائے کامل رسید، مولانائے کامل نیز طلبہ خاص و عام نمودہ ارادۂ محاربہ نمود۔

(رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص۳۲)

مولانا بحر العلوم حضرات حسنینؓ سے منکر ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں شیعیانِ لکھنؤ کے لیڈر قاضی غلام مصطفیٰ تھے، انھوں نے اس کو بہانہ بناکر، اس لیے کہ وہ بحر العلوم سے دین و دنیا کی عداوت رکھتے تھے ایک مجمع کیا، اور طلبہ کر کے مولانا بحر العلوم کو زک پہونچانا چاہی، بحر العلوم کو جب اس کی خبر لگی تو انھوں نے بھی (اہلِ سنت کے) عوام اور خواص کو اکٹھا کر کے ارادہ کر لیا کہ حملہ آوروں سے جنگ کریں گے۔

"خاص و عوام" کی اتنی بڑی فوج جمع کر لینا اسی وقت ممکن ہے، جب ان کا علمی اقتدار معاشرے میں پوری طرح سرایت کر چکا ہو، اتنی بڑی جمعیت بحر العلوم کے گرد اکٹھا ہوگئی تھی کہ حکومتِ وقت اور شیعہ لیڈر قاضی غلام مصطفیٰ،

تابِ مقاومت نیاوردہ پیامِ صلح نمودند مولانائے کامل صلح فیما بین اسلام اصلح دیدہ قبول کردند

(رسالۂ قطبیہ ص۳۲)

مقابلہ کی طاقت نہ پاکر صلح کے لیے پیغام دینے لگے، بحر العلوم نے مسلمانوں کے درمیان صلح ہو جانے کو مناسب سمجھا اور پیغامِ صلح قبول کر لیا۔

مگر بحر العلوم تک خبریں آنے لگیں کہ یہ صلح محض فریب ہے، مقصد یہ ہے کہ غفلت میں موقع پاکر بحر العلوم کو قتل کر دیا جائے، بحر العلوم نے عزیزوں اور دوستوں سے صلاح لی کہ کیا کرنا چاہیے. ہر وقت اپنی محافظت کا انتظام رکھنا قدرت سے باہر ہے، اعزہ نے جواب میں مشورہ دیا کہ:-

اصلح آنست کہ چندے سفر نمایند چوں مقدمہ کہنہ شود باز بیایند و آشنایان جواب دادند کہ مکان مولانا عارف گذاشتن خوب نیست ہمہ متفق شدہ تدارک ایں معنی خواہیم نمود،

(رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص۳۲)

بہتر یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لیے یہاں سے کہیں چلے جائیں، جب معاملہ پرانا ہو جائے پھر تشریف لے آئیں، دوستوں اور مخلصوں نے کہا، ملا نظام الدین کا آستانہ چھوڑنا مناسب نہیں، ہم لوگ متحد و متفق ہو کر صورتِ حال کا تدارک کر لیں گے۔

بحر العلوم نے اعزہ کے جواب سے بد دل ہو کر مخلصوں سے کہا کہ ہمارے اعزہ جو ہمارے ساتھ رہتے ہیں، تیار نہیں معلوم ہوتے، تو تم کیا کر پاؤ گے، پھر یہی طے فرمایا کہ لکھنؤ سے چلے جائیں، چونکہ یہ خیال تھا کہ مخلصین جانے سے روکیں گے، اس لیے بلا اطلاع دیئے اور بہانے سے لکھنؤ چھوڑ کر شاہجہاں پور، حافظ رحمت خاں والیٔ ملک روہیل کے پاس چلے گئے۔

رسالۂ قطبیہ کے مصنف کے اس قول سے کہ "بے اطلاع بعلمائے بسیار مولانا بغیرت تمام ہجرت نمودہ" بحر العلوم کے ایک شاگرد کے اس قول کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ "جب مولانا بحر العلوم حج و زیارت کے لیے روانہ ہو گئے" تو "یہ بات" عقیدۂ وثیقہ" کے مصنف نے مقدمے میں لکھی ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ لکھنؤ سے روانہ ہونے کے لیے مولانا بحر العلوم نے حج و زیارت کے لیے روانگی کا خیال ظاہر کیا ہوگا، جس سے عقیدۂ وثیقہ کے مصنف کو غلط فہمی ہوگئی، حالانکہ بحر العلوم کو ہندوستان سے باہر جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔

یہ ناخوشگوار معاملہ تخمیناً سنہ ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۸ء میں یعنی استاذ الہند ملا نظام الدین کی وفات کے

دس گیارہ برس بعد پیش آیا، ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصانِ اربعہ (مطبوعہ) میں اس واقعہ کا اشارۃً ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "در اوائل حال سانحۂ عظیمے در وطن پیش آمد" اسی کے ساتھ انھوں نے عزیزوں کے جواب کی وضاحت بھی کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ "میرے والد اور میرے چچا نے مجھ کو بتایا کہ اس سانحہ کے بعد بحر العلوم سے اور "میرے دادا ملا محب اللہ سے گفتگو ہوئی تھی، اور انھوں نے جواب میں کہا تھا کہ ہم لوگ (عزیز اور رشتہ دار) تو گھروں میں بیٹھے ہیں، آپ کے پاس طالب علم بڑی تعداد میں ہیں، جو شہر میں سیر و تفریح کے لیے بھی جایا کرتے ہیں، اور آپ ان طالب علموں کو عزیزوں اور رشتہ داروں سے زیادہ مانتے ہیں، اگر شہر کے اوباشوں اور بدمعاشوں نے شہر میں کہیں آپ کے ساتھ یا آپ کے طلبہ کے ساتھ کوئی گستاخی کی، یا جان لے لی تو ہم لوگ وہاں کہاں موجود ہوں گے، ہاں اگر ایسا ہوا کہ آپ کے گھر پر کوئی بُری نیت سے آیا اور فساد کرنا چاہا، تو پہلے ہم اپنا سر آپ پر تصدق کریں گے، اس کے بعد جو ہوگا ہوگا، بحر العلوم نے فرمایا کہ محض اس حد تک ذمہ داری قبول کرنے سے میرا یہاں قیام ممکن نہیں ہے۔" میرے دادا ملا محب اللہ نے ہمہ وقت کی ذمہ داری (شرکتِ عموی) لینے کی جرأت نہیں کی، اور بحر العلوم نے شہر کے گڑبڑ کا اندازہ کرتے ہوئے ترکِ وطن کر لیا۔" (اغصان اربعہ ص ۱۲۲، کا خلاصہ)

بحر العلوم کا یہ مزاج کہ وہ حکومتِ وقت سے مقابلہ تک کے لیے تیار ہو گئے، اپنے والد ماجد ملا نظام الدین کے نرم خو مزاج کے برعکس تھا، ملا صاحب نے پوری زندگی فروتنی اور نرم خوئی میں گزار دی، اس قدر بردباری اور حلم اُن کے مزاج میں تھا کہ "متعلقات فرنگی محل" میں آباد کرایہ داروں تک نے حق و استحقاق کے معاملے میں بھی سختی کا رویہ برتنے سے انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ برادر زادہ ملا عبد الحق نے رعایا کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اُن کی سرکشی کا انسداد کیا۔

رعایا اور کرایہ دار کا معاملہ تو ایک طرف ملا نظام الدین اپنے ہم چشموں اور معاصرین کے

علمی اعتراضات تک پر سکوت اختیار کرتے تھے، خواہ اس میں خود ملا صاحب کی کتنی ہی سُبکی کیوں نہ ہو جائے، فرماتے تھے کہ

اگر اعتبار و رشد کسے در الزام من باشد مارا قبول است۔	مجھے غلطی پر قرار دے کر اگر کسی کا اعتبار اور مرتبہ علمی بڑھتا ہے تو میں غلطی قبول کرنے پر تیار ہوں۔
عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)	

فرماتے ہی نہیں تھے، بلکہ اس پر ایسا عامل تھے کہ اس کے برعکس ہونے پر بے حد ناراضگی ہو جاتی تھی، اس سلسلے میں ایک واقعہ ہو بھی گیا تھا، ایک صاحب علم نے ایک معقولی مسئلے کے سلسلے میں ملا صاحب سے استفسار کیا، ملا صاحب نے اس کا مناسب جواب دیا، ان صاحب علم نے ایسی بحث و تکرار شروع کر دی جس کا مقصد مقابل کو خاموش کر دینا ہوا کرتا ہے، ملا صاحب نے اس خیال کے پیش نظر کہ فضول بحث و مباحثہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے، خاموشی اختیار کر لی، بحث کرنے والے صاحب ملا صاحب کے پاس سے گئے اور مشہور کرنے لگے کہ میں نے ملا صاحب کو بحث میں چپ کر دیا، شدہ شدہ یہ بات ملا صاحب کے تلامذہ تک پہونچی، مسئلۂ زیر بحث پر خود ملا صاحب اپنی بعض تصانیف میں روشنی ڈال چکے تھے، بحث کرنے والے صاحب نے جو بات چھیڑی تھی، اُس کے ۲۷ جواب ملا صاحب کی تصنیف میں لکھے موجود تھے، ملا صاحب کے طلبہ کو جب معلوم ہوا، تو اُن میں سے ایک صاحب بحث کرنے والے اہل علم کی خدمت میں پہونچے، اور اسی مسئلے میں اُن سے بھڑ گئے، یہاں تک کہ ان کو خاموش کر دیا، اور یہ بھی جتا دیا کہ ملا صاحب جو بحث میں خاموش ہو گئے تھے، تو محض اس لیے کہ فضول کی تکرار ان کا شیوہ نہیں، حالانکہ مسئلۂ زیر بحث کے بارے میں ملا صاحب اپنی تصنیف میں یہ سب لکھ چکے ہیں۔

طالب علم نے تو حق شاگردی ادا کر دیا، اور صحیح ادا کیا، لیکن ملا صاحب کو جب اس کی خبر لگی تو

ازاں طالب علم بسیار ناخوش و ملول خاطر گشت و گفت اگر مردمان بطریق طعن چیزے می گفتند مرا می گفتند، زیرا اگر در الزام من اعتبار فاضلے گردد، اولیٰ است ازانکہ بسبب من بربادی و حرج درس فاضلے شود،

عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)

اس طالب علم سے بے حد ناخوش اور رنجیدہ ہوگئے اور طالب علم سے فرمایا کہ اگر لوگ بطور طنز کچھ کہتے ہیں تو مجھ کو کہتے ہیں تم کو نہیں کہتے ہیں، اگر مجھ کو کم علم قرار دینے سے کسی عالم کا اعتبار زیادہ ہوتا ہے تو یہ بہ نسبت اس کے بہتر ہے کہ میری وجہ سے کسی صاحب درس فاضل کے درس میں خلل پڑے اور بربادی ہو۔

صرف اسی تلقین و نصیحت پر بس نہیں کی، بلکہ:-

و او را از خانۂ خود دور کرد و گفت کہ من بایں قسم کار راضی نشوم و بایذائے احدے ارتکاب نکنم،

(عمدۃ الوسائل قلمی)

اس طالب علم کو اپنے یہاں سے خارج کر دیا، اور کہہ دیا کہ اس قسم کی حرکتوں سے میں راضی نہیں ہو سکتا، کسی شخص کو بھی رنج پہونچانے کے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا ہوں۔

اس خاکساری اور فروتنی کا مطلب یہ نہیں کہ علم اور دین کے حقوق کی نگہداشت سے بھی چشم پوشی فرما جاتے تھے، اس کے برعکس اہل ثروت اور دنیاوی اقتدار رکھنے والوں سے زیادہ التفات نہ فرماتے، اور اگر ایسے لوگوں سے کوئی حاضر خدمت ہوتا تو اس کی تعظیم کے لیے کبھی کھڑے نہ ہوتے بلکہ فرماتے تھے کہ:-

ایں ہمہ از روئے ریاست

اہل ثروت کی اس طرح تعظیم کرنا دکھاوے میں داخل ہے،

اس سلسلے میں ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہے:-

میاں شیخ غلام مخدوم ساکن سہالی کہ بجناب حضرت اخلاص و نیاز و قرابتے داشتند ازیں خاکسار حکایت می کردند کہ من در ایام شباب خود بیمار شدم در مکانے کہ مولانا می نشستند بر سریرے ازیں سبب افتادہ می ماندم روزے یکے از امیران صاحب جاہ برائے ملازمت ایشان آمدند، دانستم کہ ایں وقت بالا نشینی مناسب نیست خواستم کہ از تخت فرود آیم و بر زمین نشینم فرمودند بحال خود باش و دیدن سفید پوشاں دیوانہ مگرد۔

(عمدۃ الوسائل مخطوطہ)

میاں شیخ غلام مخدوم ساکن سہالی نے جو ملا صاحب سے عقیدت بھی رکھتے ہیں، اور رشتہ داری بھی، مجھ سے بیان کیا کہ میں جوانی کے زمانے میں بیمار ہو گیا تھا اور اس مکان میں جو ملا صاحب کی نشست گاہ تھی ایک تخت پر پڑا رہتا تھا، ایک روز کوئی صاحب عزت و اقتدار امیر ملا صاحب سے نیاز حاصل کرنے آیا، میں نے خیال کیا اس وقت مجھ کو تخت پر لیٹے رہنا زیبا نہیں ہے، تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھنے کا ارادہ کیا، ملا صاحب نے فرمایا، غلام مخدوم! اپنی جگہ لیٹے رہو، سفید پوشوں (رئیسوں) کو دیکھ کر دیوانے نہ ہو جاؤ۔

ہفت ہزاری منصب رکھنے والے ایک امیر نے جو ملا صاحب سے تلمذ رکھتے تھے، اور عقیدت بھی، جمعہ کی نماز کے لیے ایک دفعہ کہلوا بھیجا کہ

انتظار من اگر حضرت فرمایند من ہم داخل جماعت گردم و باقتدائے آنحضرت نماز گزارم،

اگر تھوڑا سا انتظار فرمائیں تو میں بھی جماعت میں شامل ہو کر حضور والا کی اقتدار میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کروں،

اس ہفت ہزاری منصب والے شاگرد اور عقیدت مند کو آنے میں وقت مقررہ سے کچھ دیر ہو گئی، ملا صاحب نے بغیر انتظار کیے نماز پڑھا دی، اور فرمایا:-

نماز خدا است نہ اہل دنیا انتظار چنیں

نماز خدا کی ہے، دنیا داروں کی نہیں ہے،

کساں وجنسِ ریاست*
(عمدۃ الوسائل)

اور ایسے لوگوں کا شمار نہیں انتظار کرنا دکھائی
میں داخل ہے۔

لباس اور رہن سہن میں بھی ملا صاحب کے یہاں کوئی امتیاز اور شناخت والی بات نہ تھی، عام انسانوں کی طرح لوگوں میں بیٹھتے تھے، اجنبی پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ اس مجمع میں ملا صاحب کون ہیں:-

ابو المعالی خان برائے ملاقات آمدہ از مردمان پرسید کہ ملا نظام الدین کجا است مردم بایشان نشستِ مولانا قدس سرہ نشان دادند و آں وقت جناب شان بر زمین بر فرش ناکارہ نشستہ درس می دادند [illegible] واچوں بریں حالت دید شناخت و در نشست کدام ناخلف است کہ درس می دہد گفت مولانا نظام الدین بجائے ہم جا می نشیند و درس می دہد فرمود من فقیر ہم کہ مردمان گویند نظام الدینؒ نام من است۔

ابو المعالی خاں ملاقات کے لیے آئے، لوگوں سے پوچھا کہ ملا نظام الدین کہاں ہیں؟ لوگوں نے وہ جگہ بتا دی جہاں ملا صاحب بیٹھا کرتے تھے، ابو المعالی وہاں گئے اس وقت ملا صاحب زمین پر بچھے ایک پھٹے پرانے کپڑے پر بیٹھے ہوئے تھے اور سبق پڑھا رہے تھے، ابو المعالی علمائے فارس کی شان و شوکت دیکھے ہوئے تھے، ملا صاحب کو جو اس بے سروسامانی کے عالم میں پایا تو پہچان نہ سکے کہ کوئی مدرس ہوں گے جو لڑکوں کو پڑھا رہے ہیں ----- پوچھا، مولانا نظام الدین کس جگہ تشریف رکھتے ہیں اور درس دیتے ہیں، ملا صاحب نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مولانا کہاں ہیں نظام الدینؒ میرا ہی نام ہے۔

ابو المعالی خاں جو غیر ملک سے تازہ تازہ ہندوستان وارد ہوئے تھے اور اپنی ولایت میں علماء کا

کر و فر دیکھے ہوئے تھے، استاذ الہند ملا نظام الدین کی فروتنی اور سادہ مزاجی دیکھ کر اگر ان کو شناخت نہ کر سکے تو حیرت کی کوئی بات نہیں، حیرت اس پر ہو سکتی ہے کہ نہ جانے کیوں وہ ملا صاحب کو مذہب امامیہ کا مجتہد یا عالم سمجھ بیٹھے اور چند مسائل مسلک امامیہ کے انداز میں یہ کہتے ہوئے دریافت کیے:-

در مذہب حق چہ می نویسند، مولانا جواب ہر یک موافق کتب امامیہ بتفصیل ذیل بیان فرمودند، چنانکہ تسکین خاطرش گشت۔

مذہب حقہ (امامیہ) میں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ملا صاحب نے ہر سوال کا جواب کتب امامیہ کے مطابق اس تفصیل سے دیا کہ اس کی پوری طرح تشفی ہو گئی۔

ابو المعالی خاں نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ نادانستگی میں یہ بھی دریافت کر بیٹھے کہ:-

دریں مقدمہ مذہب اہل ضلال چہ می نویسند و اشارہ با اہل سنت کرد مولانا مراد او فہمیدہ آنچہ دریں کتب بود آنہم بیان ساختند وے بغایت مشغوف بآنحضرت گردید و گفت چنانچہ در ولایت شنیدہ بودم زیادہ تر یافتم و دیگر کلمات مشتمل بر خوشامد بر زبان آوردہ مولانا را ناگوار آمدہ از آنکہ از چنیں کلمات راضی نمی شدند فرمودند ہیچ نیافتند من ہم یکے از اہل ضلال ام۔

ان مسائل کے بارے میں اہل ضلال (گمراہ لوگ) کا مذہب کیا ہے؟ اہل ضلال سے اس کا اشارہ اہل سنت کی طرف تھا، ملا صاحب نے اس کا مطلب و مفہوم سمجھ لیا اور ان مسائل کے بارے میں کتب اہل سنت میں جو کچھ درج تھا وہ بیان کر دیا، ابو المعالی ملا صاحب کا انتہائی گرویدہ ہو کر کہنے لگا "اپنے ملک میں جیسی آپ کی شہرت سنی تھی اس سے بھی زیادہ آپ کو پایا"؛ اسی طرح کے کچھ اور تحسین و تعریف کے کلمے اس نے کہے، ملا صاحب کو اب ناگواری ہوئی، اس لیے کہ وہ اپنی تعریف و

از ضعیف کے جلوں سے کبھی خوش نہیں
ہوتے تھے، فرمایا "کچھ نہیں پایا آپ نے،
میں بھی ان ہی ضلال میں سے ایک ہوں"۔

اس نادانستہ غلطی کا ردعمل ہونا قدرتی تھا، وہ بیحد پشیمان ہوئے، لیکن

ای بدل وجان رسوخ دنیازے بدل جناب پیدا ساخته	اس ناخوش گوار واقعہ کے باوجود وہ دل و جان سے ملا صاحب کی خدمت میں نیاز مندی وعقیدت رکھتا رہا۔

اس واقعہ سے جو ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے عمدۃ الوسائل میں لکھا ہے، دو خاص باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کے علم کا دائرہ دوسرے علما کی طرح محدود نہ تھا، وہ جس مہارت سے فقہ حنفی کے مطابق استفسارات کا جواب دیتے اسی عبور کے ساتھ فقہ امامیہ کے مطابق بھی سائل کی تشفی کر دیتے تھے، دوسرے یہ کہ ملا صاحب کا شہرہ ان کی زندگی میں ہندستان کی حدوں کو پار کر کے غیر ممالک تک پہونچ گیا تھا، اور غیر ملکوں سے بھی لوگ اشتیاق ملاقات میں آیا کرتے تھے، ہندستان اور قرب وجوار کے اہل علم وفضل تو حاضر خدمت ہوا ہی کرتے تھے! اہل علم کی ملاقاتیں فوائد سے خالی نہیں ہوتیں، چنانچہ جوار کے ایک مشہور خانوادے کے ایک صاحبزادے ملاقات کو آئے تو ان سے ملا صاحب سے جو گفتگو ہوئی وہ خالص علمی تھی اور ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے ان ہی صاحبزادے کی زبان سے سن کر اس کو قلمبند کر لیا۔

رائے بریلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ علم اللہ تھے، جن کی طرف دائرہ شاہ علم اللہ منسوب ہے؛ ان کے پوتے مولانا محمد واضح ملا نظام الدین کے ممتاز شاگرد ملا عبد اللہ امیٹھوی کے شاگرد تھے؛ یہی مولانا واضح ایک دفعہ ملا صاحب کی یعنی اپنے استاذ الاستاذ کی ملاقات کو آئے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:-

می گفتند کہ من یکبار بجہت ملاقات مولانا	مولانا واضح بیان کرتے ہیں کہ ملا صاحب

علی الدوام ... بود کہ ان وقت قریب بہ شام ... تاریکی شب گذشتہ بود ... [illegible] ... وقت ... تاریکی ... [illegible] ... [illegible] ... خلاف شرع ... [illegible] ... ملا ... استعمال ... [illegible] ... [illegible]	رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے ایک روز میں حاضر خدمت ہوا، جاڑے کا موسم تھا اور شام کا وقت، بلکہ تھوڑا تھوڑا اندھیرا پھیل چکا تھا، اس وقت ملا صاحب بالوں کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، اندھیرے کی وجہ سے میں یہ سمجھا کہ ملا صاحب کے سر پر [illegible] قسم کے بال ہیں [illegible] ہیں [illegible] بالوں کا [illegible] بالوں کا استعمال [illegible] خلاف شرع ہے؟ اس وقت اس خلاف شرع بات کا گمان میرے دل میں پیدا ہوا، وہ شبہ اور بھی تھے، ایک یہ کہ ملا صاحب [illegible] ہیں، دوسرے [illegible] جاتے ہیں معروف [illegible] ہیں [illegible] علما نے [illegible] میں [illegible] کو حرام لکھا ہے۔
اول [illegible] بعد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]	ملا صاحب مجھ سے بڑی [illegible] سے پیش آئے [illegible] اپنے سر سے بالوں کی ٹوپی اتاری اور فرمایا: میاں محمد واضح [illegible] بہت گرم اور جاڑوں میں بہت مفید ہوتی ہے، میں سمجھ گیا میرے دل میں جو [illegible] تھی اس پر ملا صاحب

نماز خواندم کہ سوال از حلّت حقہ و منطق نمایم
قبل ازاں کہ بسخن آیم گفت: عمر عزیزم
کتب فقہیہ گذشت، امّا تحریم حقہ و
درس منطق از کلام معتبرین ثابت نگشتہ و
شاہ علم اللہ جد شما شاید حقہ را حرام
می گفتند، ایں را اگر از کتابے برآوردہ
باشند مرا نشان دہید، گفتم تصریح دریں
باب واقع نگشتہ اما حرکت لغو بے فائدہ
است ازیں جہت منع می کرد، فرمود
ایں منافع ہم دارد مثل کسر ریاح و دفع
قبض وغیرہ ازجاع و امراض بادی بعضے
کہ دریں باب از حد افراط و تفریط درگذشتہ
اند، لغو و باطل ست چہ اصل ہر شئے
مباح است و ہرگاہ کہ از شارع نص بر
حرمت نیافتہ باشند حل بر اصل نمایند
....

مطلع ہوکر میرے وہم کا جواب دے دیتے ہیں
تھے میں ایک خدمت گذار نے حقہ لاکر ملا
صاحب کے سامنے رکھ دیا، اب میں حقہ
کے جائز و ناجائز ہونے کے بارے میں
استفسار کرنا ہی چاہتا تھا کہ میرے کچھ کہنے
سے پہلے ہی ملا صاحب نے فرمایا: ساری
عمر فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں گزر گئی
لیکن مستند مصنفین کی کتابوں میں کہیں بھی
حقہ کشی اور منطق پڑھانے کی حرمت کا کوئی
ثبوت نہیں ملا، آپ کے دادا شاہ علم اللہؒ
غالباً حقہ نوشی کو حرام بتاتے تھے، اگر یہ
مسئلہ انھوں نے کسی کتاب سے لیا ہے تو
مجھے بھی اس کا حوالہ بتایئے۔ میں نے کہا
اس بارے میں کوئی صراحت تو کتابوں
میں نہیں ملتی ہے، لیکن چونکہ یہ ایک بے کار
اور لغو کام ہے، اسی لیے وہ منع کرتے
تھے۔ ملا صاحب نے فرمایا لیکن حقہ نوشی
میں فائدہ بھی تو ہے، ریاح کا توڑنا،
قبض کو دفع کرنا، حد اور بادی امراض
میں اس کا مفید ہونا وغیرہ، جو لوگ اس
سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار ہوگئے

ہیں وہ مہمل اور فضول بات ہے، اس لیے
کہ ہر چیز اصلاً مباح ہے، شریعت میں اگر
حرام ہونے کی صراحت نہیں ہے تو اصل
ہی پر ہر شئے کو محمول کرنا چاہیے......

ملا منطق وسیلۂ ازدیاد قوۂ نطقیہ و طریقہ
امتیاز رائے صواب از رائے باطل ست
کہ مراعات قوانین منطق موجب عصمت
از خطا است در فکر پس دانستن قدر ضروری
ازاں واجب، چہ وے از مبادی علم
اصول فقہ است و ممنوع و حرام مزاولت
قواعد فلسفیہ کہ مخالف نص قرآنی و
احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات
باشند۔

ملا منطق کا مطالعہ تو وہ قوت عقلیہ میں
اضافہ کرتی ہے، اور صحیح و غلط نتیجے کے
درمیان اس کے ذریعہ فرق کیا جاسکتا ہے،
منطق کے قواعد کو پیش نظر رکھنے سے خود
فکر میں غلطی سے حفاظت ہوتی ہے اس
لحاظ سے بقدر ضرورت منطق کا جاننا
واجب ہے، اس لیے کہ وہ علم اصول
فقہ کے مبادیات میں سے ہے، ممنوع
یا حرام اگر ہے، تو وہ فلسفے کے ان
قواعد و اصول میں مشغولیت ہے جو قرآن و
احادیث کے خلاف ہیں۔

اس واقعہ سے ملا نظام الدین فرنگی محلی کی فقیہانہ نظر اور دینی بصیرت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے، بلکہ اُن کے مرتب کردہ درس کا جسے درس نظامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک نمایاں پہلو اُبھر کر سامنے آجاتا ہے وہ یہ کہ فقہی تنگ نظری کا اس سے سدباب ہوجاتا ہے، اسی درس کے نتیجے میں علامہ شبلیؒ نعمانی کے الفاظ میں:

"علماء میں وہ سختی کم ہوگئی جو فقہا میں عموماً ہوتی ہے، فتاویٰ عالم گیری میں تکفیر کا
باب اٹھا کر دیکھو اس کے مقابلے میں مولانا بحر العلوم نے (ملا نظام الدین بانی درس نظامی کا

کے فرزند اور شاگرد تھے) ارکانِ اربعہ میں امامت کی بحث میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مقابلہ کرو تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔"

(درسِ نظامیہ از علامہ شبلی نعمانی)

فرق یہی نظر آئے گا کہ یہاں مسائلِ فقہیہ اصول پر منطبق نظر آئیں گے اور اصول ہی کی روشنی میں استفسارات کے جواب دیے جائیں گے، اگر ہر شے کی اصل مباح ہے تو جب تک اس کی ممانعت یا مضرت رسانی کے سلسلے میں کتاب و سنت سے کوئی سند نہ ملے گی، اس وقت تک وہ مباح ہی رہے گی، برعکس اس کے فتاوی عالمگیری میں، جو قدیم، مستند اور غیر مستند فقہی ذخائر کا مجموعہ ہے، ان ذخائر کے حوالے کی روشنی میں فیصلے ملیں گے، خواہ وہ اصول پر منطبق ہوں یا نہ ہوں، بانیٔ درسِ نظامی کے استاذ الاساتذہ ملا عبدالسلام دیوی (ملا قطب شہید سہالوی کے اور ان کے والد ماجد کے استاد) کے بارے میں رسالہ قطبیہ کے مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ:۔

خلاف روایات فتاوی فتوی می داد، زیرا کہ بر اصول منطبق نمی یافت۔

فتاوی کی کتابوں میں درج فتووں کے برخلاف فتوی دیتے تھے، اس لیے کہ کتابوں میں درج فتاوی اصول فقہ پر منطبق نہیں پاتے تھے۔

تو اس کا مطلب یہی ہے کہ فتاوی کے ذخیروں میں جو فتوے درج ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو اصولِ فقہ کے مقررہ قواعد استنباطِ مسائل کے مطابق نہیں ہیں، اسی لیے ملا عبدالسلام دیوی جو بقول مصنفِ رسالہ قطبیہ علم اصولِ فقہ کے ہندوستان میں رواج دینے والے تھے، ان "ذخائرِ فتاوی" میں درج فیصلوں کے خلاف فتوی دیتے تھے، بانیٔ درسِ نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی بھی جو فقہی رائے رکھتے تھے، وہ اصول کی روشنی میں قائم کر کے رکھتے تھے، اور عام فقہاء کی طرح تشدد اور تقشف سے کام نہیں لیتے تھے، اور یہ نتیجہ تھا معقولات سے مزاولت رکھنے کا کہ فکر و نظر سے مسئلے کی تہ تک پہونچنے کا سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے۔

مشرب کے اعتبار سے ملا صاحب صوفی تھے، اور اپنے وقت کے ایک ممتاز قادری شیخ حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے (یعنی ان کو اپنے مرشد کی طرف سے لوگوں کو مرید کرنے کی اجازت تھی) ملا صاحب کے مریدوں کی تعداد خاصی تھی، جن کی تربیت ملا صاحب کرتے تھے، کشف و کرامات کے متعدد واقعات عمدۃ الوسائل میں درج ہیں، جس میں سے ایک واقعہ ایسا ہے جو علمی رنگ بھی رکھتا ہے۔

ملا محمد مبین فرنگی محلی نے بیان کیا کہ مولوی امین الدین نے مجھ سے یہ واقعہ نقل کیا کہ میں خدمت میں حاضر تھا، ملا صاحب نے فرمایا کہ ایک صاحب چار منزل سے میرے لیے حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی لا رہے ہیں، یہ نہیں معلوم کہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا کون سا حاشیہ ہے، (ملا سیالکوٹی کے کئی کتابوں پر حاشیے ہیں) جی چاہتا ہے کہ تفسیر بیضاوی پر ان کا جو حاشیہ ہے وہ ہو، — ایسا ہی ہوا کہ چار روز کے بعد وہ صاحب آئے اور انھوں نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا وہ حاشیہ پیش کیا جو انھوں نے تفسیر بیضاوی پر لکھا تھا، مولوی امین الدین کہتے ہیں کہ مجھے مدتوں یہ خلجان رہا کہ ملا صاحب نے بطورِ کشف یہ تو معلوم کر لیا کہ اتنی دور سے ایک شخص ان کے لیے حاشیۂ عبدالحکیم لے کر آ رہا ہے، لیکن کشف سے یہ نہ معلوم کر سکے کہ کون سا حاشیہ ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جب میں نے کتابوں میں یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو از روئے کشف مقامِ ہجرت معلوم ہوا تھا اور آپ نے صحابہ سے اس کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ "یہ نہیں معلوم کہ ہجرت کی جگہ مدینہ ہے یا ہجر"، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ کشف میں اسی طرح ہوتا ہے کہ جو چیز دکھائی جاتی ہے اس کی بعض علامتوں کو ظاہر کر دیا جاتا ہے اور بعض کو نہیں ظاہر کیا جاتا، اس وقت میری تسلی ہو گئی۔

(عمدۃ الوسائل قلمی)

ایک صاحب میاں محمد ماہ جوہری تھے، جو بڑے دیندار آدمی تھے، ان کے بارے میں ملا ولی اللہ نے لکھا ہے کہ:۔

از ابتدائے طفولیت بخدمت مولانا علیہ الرحمہ حاضری شدند و استفادہ کردہ اند۔

بچپن ہی سے ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان سے فیض بھی حاصل کیا تھا۔

میاں محمد ماہ جوہری نے اپنا ایک واقعہ خود ملا ولی اللہ فرنگی محلی سے بیان کیا کہ مجھے جوانی کے زمانے میں بعض صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظنی رہتی تھی، ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت اونچا پہاڑ ہے جو بیچ سے دو ٹکڑے ہو گیا ہے، اور میری طرف اس طرح بڑھ رہا ہے کہ جیسے میرے گلے میں طوق کی طرح اتر کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔ ڈر کے مارے میری آنکھ کھل گئی اور صبح ہی میں ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا خواب ان سے بیان کیا، ملا صاحب نے فرمایا:-

شاید شما را با کسے از اصحاب جناب اطہر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بد اعتقادیست ازیں سبب بر شما چنیں حادثہ پیش آمدہ و آں کوہ ایمان شما بود کہ ازیں باعث شق گشتہ و در تخیل افتادہ و سابق ازیں بر عقیدہ من اطلاع نداشت فرمود کہ لازم کہ ازیں توبہ کن وگرنہ موجب ہلاک تو گردد۔

شاید تم اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے بد اعتقاد ہو، اسی سے تم پر یہ حادثہ گزرا، وہ پہاڑ تمھارا ایمان ہے جو اسی بد اعتقادی کی وجہ سے شق ہو گیا اور یہ پریشانی پیدا ہوئی۔ میاں محمد ماہ جوہری کہتے ہیں کہ میرے اس عقیدے کی ملا صاحب کو کوئی خبر پہلے سے نہ تھی، یہ خواب سن کر ملا صاحب نے فرمایا کہ اس بد اعتقادی سے توبہ کرنا تمھارے اوپر لازم ہے، ورنہ تمھاری تباہی کا باعث ہوگی۔

ملا صاحب کے دو بھانجے محمد عاشق اور فرحت اللہ زمیندار تھے، ایک دفعہ مالگزاری کے محاسبے کے سلسلے میں محمد اکبر یار خاں ناظم علاقہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے،

ان کے رشتہ دار اور عزیز ملا صاحب کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے۔ ملا صاحب نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص زیادہ دیندار ہو، وہ یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ کا جس قدر ممکن ہو وردع کرے، اس ورد کے دوران ورد کرنے والے نے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، حضرت غوث پاکؒ نے خواب دیکھنے والے کو اپنے پائے مبارک کے آبلے دکھائے اور دریافت فرمایا کہ تم نے اتنی تکلیف مجھے کیوں دی، واقعہ سننے کے بعد ناظم محمد اکبر یار خاں کو یاد فرمایا، اور اس کی سرزنش فرمائی، خواب دیکھنے والے نے خواب کی تفصیل ملا صاحب سے عرض کی، اس وقت ملا صاحب کے برادر زادے ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی بھی موجود تھے، انھوں نے خواب سن کر فرمایا کہ کام تو ہو جائے گا لیکن حضرت غوث پاکؒ کا اظہار تکلیف اور آبلہ پائی قرینہ ہے کہ کام ہونے میں دیر ضرور لگے گی۔ (عمدۃ الوسائل)

ایک نابینا شیخ ملک محمد ملا صاحب کی خدمت میں آئے اور اپنی معذوری اور بیروزگاری کا حال بیان کیا، ملا صاحب نے ان کو تسلی دی کہ بینائی نہ ہونے سے پریشان نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی صلاحیت بخشے گا کہ ہر قسم کے ہتھیار اور جواہرات کو ہاتھ سے چھو کر اس کی عمدگی خرابی اور قیمت وغیرہ کا صحیح صحیح حال بتا سکو گے، اور یہی پیش آیا کہ وہ تلوار وغیرہ کو چھو کر بتا دیتے تھے کہ اس کا لوہا کس قسم کا اور اس کی خوبیاں کیا کیا ہیں، یہاں تک کہ اگر ایک تلوار دوبارہ

ع اس ورد کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علما میں اختلاف رائے ہے۔ بعض علما اس کے پڑھنے کی مخالفت کرتے ہیں۔ کئی سال پہلے اس سلسلے میں ایک صاحب نے جن علما سے استفتا کیا تھا ان میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دیوبندی بھی تھے انھوں نے بھی کہیے اس ورد کو ممنوع نہیں قرار دیا ہے۔ ان علما کے جوابات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا نام ہے "فتویٰ جواز یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ" مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس کی اجازت دی ہے، ان کی تحریری اجازت مولانا حکیم ولی الیقین سجادہ نشین کرسی ضلع بارہ بنکی اور مولانا محمد ناصر فرنگی محلی (حفید ملا نظام الدین) کے پاس میں نے خود دیکھی ہے۔

محمد رضا انصاری

ان کو [illegible] تو وہ بیتاب ہو جاتے [illegible] دیکھ چکے ہیں [illegible] جو ہر اور صفائی کی قسم کا ہے [illegible] ان کے [illegible] کی توثیق کرتے تھے، اس [illegible] میں ان کی وسیع شہرت ہو گئی ہے۔

ناظم الملک [illegible] نواب عمدۃ جنگ [illegible] بہادر غفر اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

ملا نظام الدین کے دیکھنے والوں سے [illegible] حضرت [illegible] نے جو خصائل ملا صاحب کے بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں:

کان سیداً شریفاً کریماً حلیماً، و زاھداً، و ورعاً، متبعاً لسنۃ رسول اللہ ﷺ

نیک خصائل، شریف، مہربان، بردبار، متقی، [illegible] رسول اللہ

فی اعلاء کلمۃ الحق وکان لا یتکلم الا لیناً من القول ولا یلبس الا خشناً من الثیاب عضداً للضعفاء و للمساکین وھادیاً للمضلین ... . ہرگز نگہ بجہت طلب معاش بجانب احدے از اہل دول التجاء بردہ و بغیر خدا حال خود کسے نگفتہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پیرو، حق بات کے کہنے میں ہمیشہ نرم بات کہتے اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے، کمزور کے قوت بازو غریبوں کے مددگار اور گمراہوں کے راہنما تھے۔ .... گزارہ مقرر کرانے کی خواہش سے کبھی کسی دولتمند یا حاکم کے پاس نہیں گئے۔ سوائے خدا کے اپنا حال کسی سے نہیں کہا۔

خدائے تعالیٰ کے سوا کسی پر اپنا حال ظاہر نہ کرنے کے ذاتی رویہ کے ساتھ ساتھ ملا صاحب اس کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ ان کے متعلقین میں کوئی ایسی بات زبان سے نکالے جو خدا کے علاوہ، کسی اور پر اعتماد کا ادنیٰ سا شائبہ رکھتی ہو، اسی سلسلہ کا یہ واقعہ ہے کہ جب ملا صاحب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آخری حالت ہو گئی تو ملا صاحب کی پہلی بیوی حاضر خدمت ہوئیں اور کہا "آپ کی خدمت میں مجھ سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو معاف کر دیجئے" ملا صاحب نے فرمایا "تم سے کوئی قصور یا کوتاہی نہیں ہوئی ہیں میں نے ہی تمہارے سلسلہ میں کوتاہی کی کہ تمہارے اوپر تمہاری سوت لے آیا، میں خود تم سے معذرت خواہ ہوں"۔ دوسری بیوی (والدۂ ملا بحر العلوم) اس کے بعد آئیں اور کہنے لگیں "میرے لیے کیا فرماتے ہیں، اور مجھے مع ان بچوں کے کس کے سپرد کرتے ہیں، آپ کے بعد آپ کی بیوہ اور ان یتیموں کی خبر گیری کون کرے گا؟"

بسمع ایں کلمات مغموم خاطر گشت و گفت مرا بیوہ داریہ بر زبان گفتہ بود آہستہ فرمود "از پیش من برخیز نظام الدین نمی میرد"

یہ الفاظ سن کر ملا صاحب کبیدہ ہو گئے اور فرمایا "مجھے اٹھا کر بٹھا دو" حاضرین نے سہارا دے کر بٹھا دیا، فرمایا [illegible]

خدائے کہ رزاق مطلق است موجود و باقی است، ایں بگفت و بعد ازاں مشغول گشتہ

(عمدة الرسائل)

ثانیہ سے مخاطب ہو کر) میرے سامنے سے ہٹ جاؤ نظام الدین مر رہا ہے۔ خدا جو رازق مطلق ہے باقی اور موجود ہے۔" یہ فرما کر ملا صاحب انگلیوں پر وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

ملا صاحب کی گزر بسر کا ذریعہ کیا تھا؟ اس سلسلہ میں ایک حوالہ تو "حویلی فرنگی" کے اس فرمان میں ملتا ہے جو اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۱۰۵ھ میں جاری کیا تھا، جس میں "حویلی فرنگی" کے ساتھ "متعلقات حویلی" کا بھی ذکر ہے، یہ "متعلقات حویلی" کرایہ داروں کے پاس تھے، اور جیسا کہ اوپر گزرا، سرکش کرایہ داروں کو ملا صاحب کے برادر زادہ ملا احمد عبدالحق نے زیر کیا تھا، اور ان سے کرایہ داری کے سرخط لکھوا لیے تھے، مگر اس حوالے سے یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ کتنی آمدنی ہوتی تھی۔ بہرحال جو بھی ہوتی ہوگی وہ اولاد ملا قطب الدین شہید میں تقسیم ہوتی ہوگی، اس میں ملا صاحب کا کتنا حصہ ہوا کرتا تھا، یہ آج بتانا بہت مشکل ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کا ایک دوسرا فرمان، انتہائی کرم خوردہ حالت میں محفوظ رہ گیا ہے، جو "باسمہ سبحانہ وتعالیٰ" کی پیشانی سے شروع ہوتا ہے، اس کے نیچے ایک بڑی مہر سرخ روشنائی سے لگی ہے، جس میں "فرمان...... ابوالمظفر...... محمد محی الدین بادشاہ...... کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، باقی دیمک کے نذر ہو گئے ہیں، فرمان کی داہنی طرف ایک اور مہر ہے، جو سیاہ روشنائی سے لگائی گئی ہے، اس کے وسط میں ابوالمظفر محمد محی الدین عالمگیر کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، "ابن" کے تحت اور گرد کچھ نام اور ہیں جو پڑھے نہیں جاتے ہیں، مہر کے چاروں کونوں پر خلفاء کے چار نام لکھے ہوئے ہیں، جن میں دو "یا واسع" یا "فاتح" صاف صاف پڑھے جاتے ہیں اور "یا فتاح" بھی پڑھنے میں آتا ہے، اورنگ زیب کی یہ مہر ۱۱۰۰ھ کی ہے، مہر کا سال اسی پر کندہ ہے لیکن اجرائے فرمان کی تاریخ محو ہو گئی ہے، فرمان کی جو عبارت دیمک کی نذر ہونے

سے رہ گئی ہے، وہ حسب ذیل ہے:-

دریں وقت میمنت عنوان فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ یک صد و دہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ دیوی تابع سرکار لکھنؤ مضافات صوبہ اودھ در وجہ مدد معاش شیخ نظام الدین وغیرہ حسب التفصیل مقرر باشد کہ حاصلات آں را صرف ایحتاج نمودہ بدعائے بقائے دولت ابد طراز اشتغال نمایند، باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال اراضی مزبورہ را پیمودہ و چک نمودہ......... و قانون گویان ضبط بر سالہ بعد تشخیص چک و تکرار زراعت و کل مطالبات سلطانی و تکالیف دیوانی.........

اس کرم خوردہ فرمان سے اتنی بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب نے قصبہ دیوی کی ایک سو دس بیگہ اراضی جو قابل کاشت تھی، ملا نظام الدین وغیرہ (یعنی اولاد ملا قطب الدین شہید سہالوی) کو گزر بسر کے لیے دی تھی کہ اس کی پیداوار کو وہ اپنے صرف میں لائیں اور سلطنت کی دعا گوئی میں مصروف رہیں۔

اس فرمان میں بھی تنہا ملا نظام الدین کی گزر بسر کا جداگانہ بندوبست نہیں ملتا ہے، ملا قطب الدین شہید کا پورا کنبہ جو ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے تک اس سے زیادہ ہو چکا تھا جتنا سہالی سے ترک وطن کر کے یہاں آیا تھا، اس پیداوار میں یہ حصہ رسدی حق دار تھا، یہ قطعی ہے کہ یہ فرمان "حویلی فرنگی" کے فرمان کے کئی سال بعد صادر ہوا، اور اس وقت صادر ہوا جب ملا صاحب جو پہلے فرمان کے وقت ۲۱ سال کے تھے، اس لیے قابل ذکر نہ تھے، اس فرمان کے وقت سرگروہ خاندان ملا قطب شہید ہو چکے تھے اور یہ اورنگ زیب کا آخری زمانہ ہوگا۔

ایک اور فرمان کی اصل تو نہیں مگر نقل محفوظ رہ گئی ہے، جس پر کوئی مہر نہیں ہے، اس "فرمان والا شان" کی تاریخ اجراء "دہم رجب المرجب سال دوم از جلوس والا" ہے، پورا فرمان گھسیٹ میں نقل ہوا ہے، اور غیر ماہر اسے بدقت پڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ پورا کا پورا

محفوظ ہے۔

ایک غیر مجلد ڈوڈسکہ سے جس قدر پڑھا جا سکا اس کا ضروری اقتباس حسب ذیل ہے۔

"فرمان صاحب ... صادر شد کہ مدد معاش ... [illegible] ...... حالت یومیہ ... سرکار لکھنؤ ... حسب الصدور ... ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید حسب الحکم مقرر یافتہ ... [illegible] ... بعد وفات ... [illegible] ... مقرر باشد ... [illegible] ... فرخ سیر ... [illegible] ...... دوم ... جلوس ... مطابق ۱۱۲۵ھ ... [illegible]"

فرخ سیر بادشاہ کے تحت جن عہدیداروں کے نام درج ہیں: (۱) فتح المقتدر امیر خان (۲) ... [illegible] ... (۳) شجاعت ... صمصام الدولہ ... امیر الامراء بہادر نصرت جنگ (۴) ... السلطنت العلیہ نظام الملک ... (۵) ... [illegible] ...... قطب الملک یمین الدولہ خان خاناں بہادر ظفر جنگ ......

اس کی پشت پر ایک مہر ہے جس کی عبارت یہ ہے: "خادم شرع مفتی محمد غوث"۔ اس فرمان کی تاریخ اجراء سال دوم جلوس درج ہے، جس کو ۱۱۲۵ھ کے مطابق کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرمان اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال (۱۱۱۸ھ) کے بعد اس کے بیٹے شاہ عالم محمد معظم شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال جاری ہوا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کا ... قصبہ ... ضلع ... کی ایک ... بیگم ... زمین قابل کاشت کے فرمان کے بعد جس میں "شیخ نظام الدین وغیرہ" شامل تھے، اس کے بیٹے محمد معظم شاہ کا فرمان ملتا ہے، جس کا تعلق ... اس میں دو روپیہ یومیہ کا گزارہ صرف

"ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید" کے نام مقرر ہوا ہے۔ لیکن یہ دو روپے یومیہ کا گزارہ بھی صرف ملا نظام الدین کا نہ تھا، اس کے بعد والے ایک اور پروانہ میں بھی "دو روپیہ یومیہ" کا ذکر ہے "وغیرہ" بھی بڑھا ہوا ہے۔ یہ پروانہ جس میں "وغیرہ" کا اضافہ ہے، دو مہریں رکھتا ہے جو صاف صاف پڑھی جاتی ہیں۔ (۱) حبش خان مرید عالمگیر بادشاہ (۲) سربلند خان بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی۔ فرخ سیر کی مدت حکومت ۱۱۲۴ھ سے ۱۱۳۱ھ تک ہے۔ اسی طرح ایک اور پروانہ مہری "قطب الملک یمین الدولہ خان خاناں بہادر ظفر جنگ فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" (مہر کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے) بھی ہے۔ "حبش خان مرید عالمگیر بادشاہ" والا پروانہ جس پر دوسری مہر "سربلند خان بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی" کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب ہی کے زمانہ کا ہے۔ اس لئے کہ اس پر تاریخ "بست و ششم محرم الحرام سنہ ۴۲ جلوس" پڑی ہے، اور ملا نظام الدین کی زندگی میں مغل بادشاہوں میں سے صرف اورنگ زیب ہی نے اپنے جلوس کا بیالیسواں سال پایا تھا۔ اورنگ زیب کا بیالیسواں سال ہجری سال کے ۱۱۱۱ھ کے مطابق پڑتا ہے، اور یہ زمانہ ملا نظام الدین کی طالب علمی کا تھا، اسی لئے اس پروانہ میں بھی ان کے بڑے بھائی "شیخ محمد اسعد" وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے ۱۳-۱۴ سال بعد اسی کی تجدید فرخ سیر نے کی۔ اس وقت ملا نظام الدین فرنگی محل میں مسند درس بچھا کر طلبہ کو فیض پہنچانے لگے تھے، اور اس وقت تک خاندان کے دونوں بڑے بھائی وفات پا چکے تھے۔ اس لئے اس پروانے میں جو "قطب الملک یمین الدولہ عبداللہ خان بہادر ظفر جنگ فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" کی مہر سے مزین ہے "ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید" کا نام ہے۔

یہاں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ اورنگ زیب کے بیالیسویں سال جلوس کا جو فرمان ہے جس میں "یک ... دو روپیہ یومیہ" کا ذکر ہے اس میں یہ بھی استدلال ملتا ہے کہ طلبہ اور مہمانوں کے مصارف کے پیش نظر یہ مقرر ہوا تھا۔ فرمان کا مضمون ہے جب ملا نظام الدین خود طالب علم تھے، ان کے پاس طلبہ کے آنے کا کیا سوال۔ اس فرمان میں ... [illegible]

ملا نظام الدین کا نام نہیں ہے، ان کے بھائی شیخ محمد (اسعد) وغیرہ کا نام ہے، مگر شیخ محمد اسعد تو خود دربار عالمگیری سے متعلق تھے، اور عالمگیر کے ساتھ ہی رہتے تھے، پھر فرنگی محل میں اس وقت طلبہ کا مرجع ذوی کون تھا؛ ملا نظام الدین کے منجھلے بڑے بھائی ملا محمد سعید بھی جنازہ ابن ملا قطب شہید کو فرنگی محل میں رکھ کر بادشاہ کے پاس چلے گئے تھے، وہ یہاں رہتے ہوتے تو طلبہ ان کے پاس پڑھنے آسکتے تھے۔ ایک حوالہ ضرور ایسا ملتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے ملا محمد سعید بن ملا قطب الدین شہید نے بھی درس و تدریس کا شغل اپنے والد کے بعد جاری رکھا، تذکرۂ مشاہیر کاکوری میں مذکور ملا عبدالرقیب کے بارے میں صاحب تذکرہ نے لکھا ہے کہ "کتب درسیہ کی تعلیم ملا سعید فرنگی محلی سے اور احادیث کی سند ملا نقشبند سے حاصل کی" (ص ۲۲۶)، ملا عبدالرقیب کی وفات ۱۱۱۹ھ میں ہوئی۔ اس سے بھی قیاس قائم کیا جاسکتا ہے کہ ملا سعید نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس سے دلچسپی لی، مگر اس حوالے سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل ہے کہ فرنگی محل میں منتقل ہونے کے بعد (۱۱۰۵ھ) بھی ان کا یہ شغل جاری رہا، اس لیے کہ ملا عبدالرقیب کا زمانۂ تلمذ اس سے بہت پہلے کا معلوم ہوتا ہے، کاکوری میں ان کی تعمیر کردہ مسجد کا سنہ ۱۰۷۱ھ ہے۔ بہرحال اس "یک روپیہ مروجہ یومیہ" والا فرمان یہ ہے:-

متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ سرسنڈی درگاہ بن سرکار لکھنؤ مضافات صوبہ اودھ بدانند چوں حقیقت استحقاق فضیلت و کمالات دستگاہ شیخ محمد وغیرہ فرزندان غفران پناہ مولوی حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ بطور رسیدت بگوش وجہ معیشت ندارند بعسرت می گذرانند و خرچ و اخراجات طلبہ وارد و صادر مستوجب بسیار دارند لہٰذا مبلغ یک روپیہ مروجہ یومیہ وصولی با قصور حسب الضمن از محصول پرگنات من ابتدائے پانزدہم ربیع الاول سنہ ۴۲ بجہت خرچ و اخراجات بتصدق فرق مبارک بندگان حضرت خلافت منزلت قدر قدرت ظل سبحانی مقرر نمودہ شد کہ از تحویل وطوطہ پرگنات مذکور گرفتہ بتصرف خود در آوردہ بعبادات الٰہی و دعا گوئی مشغول باشند تحریر بتاریخ بیست و نہم شہر محرم الحرام سنہ ۴۲ھ۔

اس فرمان کی پشت پر جو شرح یادداشت ہے، اس میں چار الگ الگ خط کھینچے ہیں، اور ان کے نیچے الگ الگ "فرزندانِ غفران پناہ مولوی حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ" کے نام لکھے ہیں، جن میں دو نام "نظام الدین" اور "محمد رضا" صاف پڑھے جاتے ہیں، اس فرمان کے بموجب ایک روپیہ یومیہ میں ملا صاحب کا حصہ ایک چوتھائی ہوا، تاریخ اجرائے فرمان یعنی ۱۱۱۲ھ میں "اخراجاتِ طلبہ وارد و صادر" فرنگی محل میں ہوتے تھے؛ یہ تو ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۱۰۶ھ یا ۱۱۱۰ھ میں شروع ہوئے ہوں گے؛ بہرحال یہ نکتہ ابھی مزید تحقیق و تفتیش کا محتاج ہے۔ محمد معظم شاہ کے سال دوم جلوس والا مطابق ۱۱۱۹ھ میں بے شک طلبہ کی کثرت کے نتیجے میں ملا صاحب کو کفالت طلبہ میں تنگی محسوس ہوئی ہوگی، محمد معظم شاہ بادشاہ کے فرمان میں جو اوپر مذکور ہوا "یک روپیہ" کے بجائے "دو روپیہ یومیہ" بصراحت ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین" درج ہے۔ اس کے بعد فرخ سیر کے فرمان میں بھی ملا نظام الدین کے نام کی صراحت کے ساتھ "دو روپیہ یومیہ" گزارہ باقی رکھا گیا۔

ان دستاویزوں کے پیش نظر ملا صاحب کے گزارے کی "شرکاً" اور "منفرداً" تفصیل اس طرح کی جاسکتی ہے:-

۱. چاروں بھائیوں میں مشترک۔ کرایہ متعلقات "حویلی فرنگی"
از روئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر بابت حویلی فرنگی ۱۱۰۵ھ

۲. چاروں بھائیوں میں مشترک۔ قصبہ دیوی کی اراضی کی پیداوار
از روئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر (تاریخ محو ہو چکی ہے)

۳. چاروں بھائیوں میں مشترک۔ ایک روپیہ یومیہ
از روئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر۔ تاریخ جلوس والا سال ۴۲

۴. صرف ملا نظام الدین صاحب کے نام۔ دو روپے یومیہ برائے اخراجات طلبہ وارد و صادر
از روئے فرمان شاہ عالم محمد معظم شاہ بن عالمگیر ۱۱۱۹ھ

۵۔ ملا صاحب وغیرہ کے نام مشترک طور پر ۔ دو روپیہ یومیہ

از روئے فرمان محمد فرخ سیر بادشاہ غازی۔

بہر حال ملا نظام الدین فرنگی محلی کا ذریعہ آمدنی منفرداً، اگر تھا تو دو روپیہ یومیہ والا فرمان تھا، یہ روزینہ عہد فرخ سیر تک ضرور ملتا رہا ہوگا، اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کا لمبا دور آتا ہے، جس کے دوران صوبۂ اودھ میں وزیر الممالک نواب بُرہان الملک کا اقتدار قائم ہوا، اور علامہ آزاد بلگرامی کے الفاظ میں :۔

"تا آں کہ برہان الملک سعادت خان نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبۂ اودھ شد .... وظائف و سیورغالات خانوادہائے قدیم و جدید یک قلم ضبط شد و کار شرفا و نجبا بہ پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم ایں دیار را از کسب علم باز داشت .... اناللہ و انا الیہ راجعون و بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادۂ او ابوالمنصور خان صفدر جنگ رسید و وظائف و انقطاعات بدستور زیر ضبط ماند .... و تا حین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است۔ (ماثر الکرام، جس کی تصنیف کے اختتام کا سال ۱۱۶۶ھ ہے، جو صفدر جنگ کی حکومت کا آخری سال ہے)

یہاں تک کہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد کے شروع میں برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری صوبۂ اودھ کا حاکم ہوا اور تمام پرانے اور نئے خانوادوں کے وظائف اور جاگیریں یک قلم ضبط ہوگئیں، شرفا اور نجبا کے لیے زندہ رہنا مشکل ہوگیا، معاش کی مجبوریوں سے تنگ آکر اودھ کے لوگوں نے حصول علم سے ہاتھ اٹھا لیا...... ...... اناللہ و انا الیہ راجعون ..... برہان الملک کے انتقال کے بعد اس کے بھانجے ابوالمنصور صفدر جنگ کے ہاتھوں میں حکومت آئی، وظائف اور جاگیریں بدستور ضبط رہیں، اس کتاب کی تصنیف کے وقت تک اس دیار کے لوگ شدائد و حوادث روزگار سے پامال ہو رہے ہیں۔

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ تفصیل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے احوال لکھنے کے ذرا بعد ہی تحریر کی ہے، عجب نہیں کہ ملا صاحب کے ظاہری حالات سے متاثر ہو کر ہی یہ ضمنی تحریر ان کے قلم سے نکل گئی ہو، علامہ آزاد بلگرامی خود ملا صاحب سے ملنے لکھنؤ آئے تھے، جس کا زمانہ سنہ ۱۱۴۰ھ ہے، اور وظائف و جاگیرات کی ضبطی کو اُس وقت ۱۰ سال گزر چکے ہوں گے اس لیے کہ علامہ آزاد کی صراحت کے مطابق یہ صورت حال سنہ ۱۱۳۰ھ کے بعد پیش آئی، سنہ ۱۱۳۰ھ کے بعد اکتیس سال تک ملا صاحب بقید حیات رہے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی کا کہنا ہے :۔

غایت عسرت گذاشت اکثر تا سہ روز ہیچ میسر نمی شد و برشتہ از نخود قناعت می کرد بلکہ ایں ہم میسر نمی شد۔

انتہائی تنگ دستی کی زندگی گزارتے تھے، عموماً تین تین روز تک گھر میں کھانا نہیں پکتا تھا، صرف ایک مٹھی چنے پر بسر ہوتی تھی، بلکہ ایک مٹھی چنے بھی میسر نہ ہوتے تھے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے جو لکھا ہے اس کی کلیتاً تردید آج ڈھائی سو برس کے بعد کون کر سکتا ہے، البتہ ملا نظام الدین اور ان کے کنبے کی حد تک علامہ بلگرامی کا برہان الملک اور صفدر جنگ پر ضبطی جاگیر کا الزام صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے برہان الملک اور صفدر جنگ کی معافیاں اور گزارے ضبط کرنے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے عام طور پر اس کو حرف بحرف صحیح سمجھا گیا ہے اور اس کی بنیاد پر بڑی بڑی تاریخی عمارتیں مورخوں نے بنائی ہیں، علامہ کا دعویٰ قصبۂ بلگرام کی معافیوں اور گزاروں کی حد تک تو صحیح ہے، اس لیے کہ اس قصبے کے معززین اور معافی داروں سے اور برہان الملک سے کبھی نہیں بنی اور ان کے گزارے بلاشبہ ضبط ہوگئے، جس کی جرأت مندانہ فریاد بادشاہ دہلی تک گئی اور وہاں سے بحالی کے احکام بھی نافذ ہوئے، یہ تفصیل تاریخ خطۂ پاک بلگرام (مؤلفہ جناب شریف الحسن بلگرامی)

کے صفحات ۱۴۲-۱۵۰ پر دیکھی جا سکتی ہے، لیکن علامہ آزاد نے برہان الملک اور صفدر جنگ
کے دورِ حکومت کے سلسلے میں جو عام فیصلہ دے دیا ہے، وہ درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک علمائے فرنگی محل کا معاملہ ہے، ملا نظام الدین اور ان کے برادر زادگان ملا احمد
عبدالحق اور ملا عبدالعزیز کے گزارے اور معافیوں کے بارے میں برہان الملک اور صفدر جنگ کے
پروانے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ضبطی کی زد میں نہیں آئیں۔

برہان الملک کے زمانے کا پروانہ ملا صاحب کے برادر زادگان سے متعلق ہے جو حسب ذیل ہے:۔

"پروانہ بمہر نواب برہان الملک بہادر، از قرار تاریخ بست و دوم شہر شعبان سنہ [illegible] مطابق سنہ
یک ہزار و یک صد و چہل و یک ہجری (۱۱۴۱ھ) بنام عزت و اخلاص دستگاہ گلاب رائے و حقا
اتی باشند۔ وکیل فرزندان شیخ محمد سعید پسر ملا قطب الدین شہید سہالوی التماس نمودہ کہ سابق
بملاحظہ فرمان عہد مبارک و پروانہ عدم مزاحمت موضع سیام پور متعلقہ پرگنہ حویلی بہرائچ
بوجہ معاش موکلان بنام بحال (دگر) از سرکار حاصل نمودہ فی الحال آن اخلاص دستگاہ پروانہ
جداگانہ می خواہد (دگر) نوشتہ شود، لہٰذا قلمی می گردد کہ بر طبق فرمان عالی و پروانہ سرکار بجنس
واگذاشتہ (دگر) قبض و تصرف مزاحم دستور شخص بودہ واگزارند۔"

یہ پروانہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے گیارہویں سنہ جلوس یعنی ۱۱۴۱ھ میں جاری ہوا، جس پر خادم شرع
مصطفے قاضی "[illegible]" نام پڑھا نہیں جاتا، کی مہر ہے، اور مہر کے نیچے "مطابق باصل" لکھا ہوا ہے۔

موضع سیام پور متعلقہ پرگنہ حویلی بہرائچ کے سلسلے میں جو ملا احمد عبدالحق اور ملا عبدالعزیز
فرزندان ملا محمد سعید پسر ملا قطب الدین شہید سہالوی کے گزارے میں تھا، دو پروانے نواب ابو المنصور
خاں بہادر صفدر جنگ کی مہر سے شیخ عبداللہ اور اسمٰعیل خاں کے نام ہیں، دونوں کا مضمون تقریباً
وہی ہے جو برہان الملک کے پروانے کا ہے۔ ایک کے اجراء کی تاریخ بستم جمادی الاول سنہ ۲۰
مطابق ۱۱۵۰ھ ہے، اور دوسرے کی تاریخ اجراء ششم رمضان المبارک سنہ ۲۳ مطابق سنہ ۱۱۵۳ھ۔
دوسرے پروانے کی مہر پڑھی جاتی ہے: "خادم شرع احمد مقبول قاضی سید غلام رسول"

ملا نظام الدین کے وظیفہ یومیہ سے متعلق برہان الملک کا کوئی پروانہ نہیں ملتا، لیکن
ان کے جانشین نواب صفدر جنگ کے پروانے کی نقل خادم شرع قاضی حبیب اللہ کی مہر کے
ساتھ موجود ہے، جس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"پروانہ بمہر نواب ابو المنصور خاں بہادر صفدر جنگ از قرار تاریخ بست و ہشتم شہر ذی الحجہ
سنہ ۵ جلوس (کا سنہ نہیں) برادر مہربان من! وکیل حقائق و معارف آگاہ جامع العلوم مولوی
نظام الدین التماس نمودہ کہ دو روپیہ یومیہ بلا قصور بنام متعلقان مشار الیہ از تحصیل مال
پرگنہ حویلی لکھنؤ مقرر است و تا حال یافتہ آمدہ اند، در ینولا آں برادر پروانہ مجدد بنام خودی
خواہند دریں باب نوشتہ شود بنا بر آں نگارش می رود کہ وجہ مذکور را موافق معمول رسید
سابق سرکار از محال قدیم می دادہ باشند و ہر سال پروانہ جدید نطلبند۔"

نواب صفدر جنگ کے نائب راجہ نول رائے جو اپنے منیب کی عدم موجودگی میں حکومت اودھ
کے سیاہ و سپید کے مالک رہتے تھے، وہ بھی علمائے فرنگی محل کی مدد معاش اور معافیوں سے کبھی
متعرض نہیں ہوئے، ان کے زمانے میں "حویلی فرنگی" سے متعلق ایک آراضی کا قضیہ بھی اٹھا تھا،
جس کے سلسلے میں فرزندان مولوی قطب الدین شہید" کے وکیل نے راجہ نول رائے کی عدالت میں
استغاثہ بھی کیا تھا، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"مہاراجہ سلامت! واقعہ نامی قدرے زمین متصل حویلی فرنگی بدست شیر بیگ و جان بیگ
فروخت و مامردمان کہ شفیع مستقیم ہر چند کہ دعوی شفعہ نمودیم اثر نہ کرد، لاچار شدہ بجناب
عالی عرضی کردیم دستخط خاص مزین شد کہ اول حق شفعہ بگیرد اگر جواب بدہد دیگرے بگیرد شیر بیگ
وغیرہ بر دستخط خاص عمل نکردہ بزور می گیرد، امید از فضل و کرم است کہ سزاول از سرکار
متعین شود یا بنام شیخ دوست محمد امر شود کہ زمین از شیر بیگ برآوردہ حوالہ مامردمان نماید و حق بہ
حقداراں کہ شفیع اند برساند عرضی وکیل فرزندان مولوی قطب الدین شہید۔"

اس عرضی پر کوئی مہر بھی نہیں ہے اور تاریخ بھی نہیں ہے، لیکن اس عرضی پر نائب صوبہ

مہاراجہ نول رائے نے جو حکم دیا ہے اس سے تاریخ وغیرہ معلوم ہو جاتی ہے، نائب صوبہ مہاراجہ کے حکم کی نقل "مطابق باصل" خادم شرع محمد تقی الدین کی مُہر کے ساتھ موجود ہے، مُہر پر "۱۱۵۳ھ" کندہ ہے، بیچ میں "محمد تقی الدین خادم شرع" کا نام ہے اور نام کو احاطہ کیے ہوئے یہ عبارت ہے:-

"قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا. فقل الحق والا فاسكت."

آراضی متصل حویلی فرنگی کے سلسلے میں نائب صوبہ مہاراجہ نول رائے کی مہر سے حسب ذیل حکم صادر ہوا:-

"از قرار بتاریخ بست و دوم ربیع الاول سنہ ۲۶ مطابق سنہ ۱۱۵۸ھ آنکہ متصدیان مہمات حال و استقبال حویلی لکھنؤ بدانند حویلی فرنگی مع اکنہ و زمین متعلقہ محدودہ طرف مشرق بکوچہ نافذہ کہ داخل بیت المال بود حضرت خلد مکاں (یعنی اورنگ زیب) برائے بودن حقائق و معارف آگاہ جامع العلوم مولوی نظام الدین و دیگر فرزندان مولوی قطب الدین شہید مرحمت فرمودند درینولا رافعہ نامی باغوائے بعض دعوی زمین متعلقہ آں نمودہ لہذا نگارش میرود کہ دعوی او بے حساب و باطل است زمین مذکور بدستور بفرزندان مولوی قطب الدین شہید بحال و برقرار داشتہ واحدے مزاحم و متعرض نگردد."

استغاثہ یہ تھا کہ رافعہ نامی شخص نے جو زمین "متصل حویلی فرنگی" شیر بیگ وغیرہ کے ہاتھ بیچ ڈالی ہے، اس پر حق شفعہ فرزندان ملا قطب شہید کا ہے، لہذا حق شفعہ کے تحت یہ زمین فرزندان ملا قطب الدین شہید کے ہاتھ پہلے فروخت کی جائے اگر وہ لینے سے انکار کریں تو دوسرے کے ہاتھ فروخت کی جا سکتی ہے، اس استغاثہ پر یہی حکم ہوا کہ پہلے فرزندان ملا قطب شہید کو خریداری کا موقع دیا جائے، مگر رافعہ نامی نے نہ مانا، خریدار شیر بیگ وغیرہ نے اس حکم کی پروا نہ کی، حالانکہ وہ "دستخط خاص سے مزین" تھا یعنی مہاراجہ نول رائے نائب صوبہ کے دستخط سے جاری ہوا تھا، فرزندان ملا قطب کے وکیل نے دوبارہ عرضی دی کہ شیر بیگ وغیرہ حکم پر عمل نہیں کر رہے ہیں، اور زبردستی زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔

نائب صوبہ نے دوبارہ جو حکم دیا وہ یہ کہ "حویلی فرنگی مع مکانات و زمین متعلقہ" تا بکوچہ نافذہ خلد مکاں اورنگ زیب نے ملا نظام الدین اور دیگر فرزندان ملا قطب الدین شہید کو رہنے کے لیے مرحمت کی تھی، رافعہ نامی نے جو دعوی کیا ہے کہ زمین اس کی ہے (اور اسے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ہے) یہ سب دوسروں کے اکسانے سے کیا ہے، رافعہ کا دعوی باطل اور بے وزن ہے، زمین مذکور ملا قطب الدین کے فرزندوں کے نام بحال کی جائے اور کسی شخص کو اس سے مزاحم نہ ہونے دیا جائے۔

آراضی کا یہ معاملہ ملا نظام الدین کی عمر کے آخری دور میں پیش آیا، یعنی ان کی وفات سے پورے چار سال قبل۔ یہ اودھ میں صفدر جنگ کی وزارت کا اور دلی میں محمد شاہ بادشاہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ صفدر جنگ ہی کے زمانۂ وزارت میں ملا نظام الدین کا انتقال ہوا۔

ایک قدیم تحریر اور دستیاب ہوئی ہے، جس کی مہر صاف نہیں ہے، صرف "خدایار" کے مٹے مٹے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، جو ملا نظام الدین کی مدد معاش سے بالواسطہ تعلق رکھتی ہے، یہ ایک خط ہے جو "خدایار" نامی افسر نے جلول (گرامی جلول) کے تعلقداروں کے نام لکھا ہے اور ان کو تنبیہ کی ہے کہ ملا نظام الدین کے "ایمہ" سے مزاحمت نہ کریں، خط کا متن اس طرح پر ہے:-

"زبدۃ الاقران چودھری نانک جانسی وغیرہ تعلقدار جلول معلوم نمایند
چوں پروانہ واگزاشت ایمہ مولوی نظام الدین ..... آراضی موضع محمد پور وغیرہ از حضور رسید و قبولیت شمایان با نفع جفتہ ہزار روپیہ خالصہ مع محمد پور بجز رسید و مصالحت سابق کہ از ذریعت پایانہ و قبولیت گرفتہ بودہ بحال نمایند و نیز بجلکہ شمایان حاضرت کرایان از ایمہ مزاحمت بحکم رسید ظاہرا آں زبدۃ الاقران از ایمہ مولوی مزاحمت می رسانند مناسب ندارد و بیجا می نماید، اگر جہت خود پیش دیگرے پیش رفت بود میں ہم چنیں گفتن و جہت ایچ نمودن خوب نیست، زینہار مزاحمت ایمہ مولوی نہ کنند محصول موضع مطلوبہ حوالہ مولوی مذکور نمایند و دریں باب تاکید بلیغ دانستہ حسب المسطور بعمل آوردہ و قبولیت موضع محمد پور کہ سابق داخل شدہ بود حوالہ آں زبدۃ الاقران شدہ درج باد."

صاف عیاں ہے کہ موضع محمد پور وغیرہ میں ملا نظام الدین فرنگی محلی کا "ایمہ" تھا، یعنی معافی تھی، جس کا سالیانہ ملا صاحب کو ملنا چاہیے تھا، گر می بھلول کے تعلقداروں کی طرف سے مزاحمت ہوتی تھی، یہ معاملہ حکام بالا کے علم میں آیا تو انھوں نے تعلقداران بھلول کو سرزنش کی اور ان سے مچلکے لیے کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا، مچلکے کے بعد بھی مزاحمت ہوتی رہی، جس کی شکایت حکام بالا تک پہونچی تو یہ تنبیہہ کا خط بھیجا گیا کہ "یہ حرکت نامناسب اور سراسر بیجا ہے" اس حرکت کے جواز میں تعلقداروں کی طرف سے جو دلائل دیے گئے ان کو تنبیہی خط میں "پوچ دلیل قرار دے کر متنبہ کیا گیا کہ "یہ ڈھنگ نازیبا ہے" اس کے بعد آگاہی دی گئی ہے کہ "ملا نظام الدین کے ایمہ (گزارہ معافی) سے ہرگز مزاحمت نہ کی جائے اور موضع مذکور کی آمدنی ملا صاحب کے حوالے کی جائے"۔

* ایمہ "مغل بادشاہوں کے زمانے میں اس گزارہ کا نام تھا جو عالموں اور درویشوں کو دیا جاتا تھا، بہرحال ملا نظام الدین کا موضع محمد پور میں ایمہ تھا، قصبۂ دیوی میں ایک سو بارہ بیگھہ آراضی کی معافی تھی، اور پہلے ایک روپیہ یومیہ، پھر دو روپے یومیہ کا روزینہ تھا، یہ سب قدیم فرامین اور پروانہ جات سے معلوم ہوا ہے جو خراب و خستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں۔

ملا صاحب کی یہ تمام آمدنی "خرچ و اخراجات طلبہ و وارد و صادر و ابناء" یعنی طلبہ آنے جانے والے اور اہل و عیال کی خبرگیری، قیام و طعام کے لیے تھی۔

یہاں یہ وضاحت بھی بے موقع نہ ہوگی کہ اسی طرح کی مدد معاش اور روزینہ وغیرہ ملا نظام الدین کے دوسرے بھائی بھتیجوں کے لیے بھی جداگانہ طور پر مقرر تھی، جیسا کہ اس وقت تک موجود بعض فرامین اور پروانہ جات سے ظاہر ہوتا ہے، ملا نظام الدین کے منجھلے بڑے بھائی ملا محمد سعید کے دونوں صاحبزادوں ملا احمد عبد الحق اور ملا عبد العزیز کے نام "موضع شیام پور سندرونہ پرگنہ حویلی بہرائچ" کا ایک پروانہ ہے جس پر "ہاشم خان فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی کی مہر" بہت صاف ہے، دوسری مہریں پڑھی نہیں جاتی ہیں، صرف "نعمت خاں" قدرے صاف ہے۔

"در وجہ مدد معاش جامع الفضل و الکمال شیخ احمد عبد الحق و شیخ عبد العزیز پسران فضائل و کمالات مرتبت شیخ محمد سعید مرحوم ولد قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین ملا قطب الدین شہید" یہ موضع مقرر کیا گیا تھا۔

اسی طرح ملا نظام الدین کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کے لیے "خزانۂ عامرہ سرکار لکھنؤ صوبۂ اودھ" کے گماشتوں اور متصدیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ :-

"بموجب فرمان والا شان بندگان حضرت بادشاہ زمین و زمان خلیفۂ عدالت نشان در جمیع امن و امان وسیلۂ آرائش عالمیان ظل ظلیل ایزد متعالی ...... خلد الرحمٰن ملکہ و حشمہ آفریدگار باقی ساقی جہان باقی ...... مرقوم و بہم شہر رجب المرجب سنہ ...... یک روپیہ بلا قصور ...... معاف یومیہ از خزانۂ عامرہ مذکور از غرۂ صفر سنہ ...... در وجہ مدد معاش ملا محمد رضا ولد ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر گشتہ باید کہ مطابق فرمان والا شان عمل آورده یومیہ مسطور را بادی رسانیده باشند کہ آن را صرف معیشت نموده بدعاے دوام دولت ابد طراز اشتغال نماید و اگر ده عمل دیگر چیزے نوشتہ باشد آن را اعتبار نکنند"

اس پروانہ پر دو مہریں ہیں، ایک "معظم خان خان خانان ظفر جنگ یار وفادار فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی" اور دوسری "محمد امیر الدولہ بندۂ شاہ عالم بادشاہ غازی" کی، پھر اسی حکم کی تجدید ایک دوسرے پروانے کے ذریعہ عہد فرخ سیر میں ہوئی جس پر "قطب الملک یمین الدولہ سید عبد اللہ خان بہادر ظفر جنگ سپہ سالار یار وفادار فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" کی صاف مہر ہے، اس مہر پر ۱۱۲۵ھ کندہ ہے۔

اسی طرح ملا نظام الدین کے سب سے بڑے بھائی ملا محمد اسعد کے لیے "پرگنہ سہالی من اعمال سرکار لکھنؤ مضاف صوبۂ اودھ" کے حکام و چودھریان و قانون گویان کو ہدایت کی گئی تھی کہ مبلغ پنجاہ و یک ہزار دام از پرگنہ مذکور ...... بجاگیر شیخ محمد اسعد ولد شیخ قطب الدین مقرر گشتہ" اس پروانے پر "امیر الامرا بندۂ عالمگیر بادشاہ غازی" کی مہر ہے، اور تاریخ تحریر ۹ ربیع الآخر سنہ ۔۔۔ ہے (یعنی

عالمگیر کی تخت نشینی کے پچاسویں سال، گویا اس کے بالکل آخری زمانے میں یہ فرمان ہوا تھا، پھر اسی فرمان کی تجدید "آصف الدولہ بندۂ شاہ عالم بادشاہ غازی" کی مہر سے اور "خان خانان بہادر ظفر جنگ فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی" کی مہر سے ہوئی۔

ان موجود قدیم فرمانوں اور پروانوں میں بعض ایسی دستاویزیں ہیں جن پر خود بادشاہ وقت کی مہر ہے، بعض پر صرف وزرائے سلطنت کی اور بعض تحریریں ایسی ہیں جن پر بادشاہ یا وزراء میں سے کسی کی مہریں نہیں ہیں، جیسے مفتی شرع محمد غوث کی مہر والا پروانہ، اس سلسلے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ عہد مغلیہ میں احکام جاری کرنے کے مختلف مراحل تھے، روزانہ دربار میں بادشاہ کی طرف سے جو احکام صادر ہوتے یا جو واقعہ پیش آتا، ان سب باتوں کو دربار میں موجود "واقعہ نویس" قلمبند کر لیتا تھا، اس کو "روزنامچہ" کہتے تھے جو اعلیٰ امراء میں اس امیر کی نگرانی میں لکھا جاتا تھا جس کی اس دن ڈیوٹی ہوتی تھی، متعدد واقعہ نویس دربار میں ملازم ہوتے تھے جن میں سے دو کی حاضری روزانہ ضروری ہوتی تھی، دن بھر کا روزنامچہ جس امیر کی نگرانی میں واقعہ نویسوں نے لکھا ہوتا شام کو وہی امیر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کر کے اس کی آخری منظوری حاصل کر لیتا تھا، بادشاہ کی منظوری کے بعد یہ روزنامچہ منشیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا جو ہر حکم اور ہر اطلاع کی ایک ایک نقل تیار کر کے اس پر اپنے دستخط بھی ثبت کر دیتے تھے، اس پر پروانچی (پروانچہ لکھنے والا یعنی ایسا حکم جس پر شاہی مہر کی ضرورت نہ ہوتی تھی) میر عرض (وہ عہدیدار جو عرض داشتوں سے متعلق امور کی انجام دہی کا ذمہ دار ہوتا تھا) اور اس امیر کے بھی دستخط ہوتے تھے جو پہلے یہ روزنامچہ بادشاہ کے سامنے پیش کر چکا ہوتا تھا، تیار شدہ نقل "یادداشت" کہلاتی تھی، عام حالات میں اسی طرح فرمان کا مسودہ مکمل ہو جاتی تھی، لیکن تقررات اور عطائے جاگیر کے سلسلے میں کچھ مراحل اور طے کیے جاتے تھے، یعنی "یادداشت" کے بعد منشیوں سے وابستہ نقل نویس، اسی کا خلاصہ تیار کرتے تھے، اس خلاصے پر واقعہ نویس، رسالہ دار وہی امیر جس کی نگرانی میں واقعہ نویس نے دربار میں روزنامچہ قلمبند کیا تھا، میر عرض اور داروغہ (مہتمم دربار) کے دستخط ہوتے تھے، یادداشت دفتر میں محفوظ رکھی

جاتی تھی، اور خلاصہ متعلقہ اشخاص کے حوالے کر دیا جاتا تھا، اس طرح تیار کیا ہوا خلاصہ "تعلیقہ" کہلاتا تھا، اس کے تیار کرنے والے کو تعلیقہ نویس کہتے تھے، تعلیقے پر وزرائے سلطنت کے دستخط ثبت ہوتے اور ان کی مہر لگتی تھی، اس پر شاہی مہر لگانا ضروری نہ تھا، جن احکام پر شاہی مہر ضروری ہوتی تھی ان میں اہم عہدوں پر تقررات کے احکام، کسی شہزادے کے اتالیق کا تقرر اور کسی منصب کا عطیہ وغیرہ شامل ہیں، فوجی خدمت کی شرط کے ساتھ یا اس کے بغیر عطائے جاگیرات پر شاہی مہر ضروری ہوتی تھی، اسی طرح عطائے "سیورغال" یعنی رفاہی اغراض اور روزمرہ کی ضروریات کے لیے عطیات کے احکام پر شاہی مہر ضروری تھی۔

عطائے جاگیر کا تعلیقہ تیار کر کے دیوان جاگیر کے پاس بھیجا جاتا، جس پر جاگیر سے متعلق حسابات لکھنے کی ذمہ داری ہوتی تھی، اگر یہ جاگیر فوجی خدمت کے لیے دی جاتی تو تعلیقہ جانچ پڑتال کے لیے بخشی کے پاس (داروغہ یا وزیر دفاع) بھیج دیا جاتا تھا جو ان شرائط کی تعمیل کا ذمہ دار ہوتا تھا جو کسی جاگیر سے متعلق ہوتی تھیں، بخشی تعلیقے کو اپنے پاس رکھ لیتا اور ایک تصدیق نامہ جاری کرتا تھا جسے سرخط کہتے تھے، جس پر بخشی کے دستخط ہوتے تھے، پھر یہ سرخط دیوان (داروغہ یا وزیر مال) کے پاس بھیجا جاتا تھا جسے وہ خود اپنے پاس رکھ لیتا تھا، اور اس سے وصول کی جانے والی ماہانہ یا سالانہ رقوم کا حساب تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا، سیورغال سے متعلق فرامین مستوفی (تنقیح کنندہ حسابات یا آڈیٹر) کے دستخط ہو جانے کے بعد محکمۂ امور مذہبی کو بھیج دیے جاتے تھے، جہاں ان کا اندراج "دیوان سعادت" کے دفتروں (رجسٹروں) میں ہوتا تھا، اور ان پر صدر (وہ اعلیٰ عہدیدار جو علماء اور دوسرے اہل حاجت کو وظائف اور جاگیریں عطا کرنے کا اختیار رکھتا تھا) دستخط ہوتے تھے، آخر میں دیوان کل (صدر دیوان یا وزیر اعظم) ان پر دستخط کرتا تھا، اگر نقد رقم ادا کرنے سے متعلق کوئی حکم جاری ہوتا تو اس پر معمولی فرمان کی طرح عمل ہوتا تھا، لیکن ناظر (عہدیدار نظر ثانی) کے دستخط کے بعد دیوان بیوتات (سرکاری مال خانوں اور کارخانوں کا دیوان) کے پاس جاتا اور بخشیوں اور دیوان کے ہاتھوں سے گزر جانے کے بعد اس پر خان سامان (مہ

آج کل اصطلاح میں اعلیٰ اسٹیٹ آفیسر کہہ سکتے ہیں) کی مہر اور دستخط ثبت ہوتے۔ بعض احکام بادشاہ کی خدمت میں نہیں بھیجے جاتے تھے اور نہ ان پر شاہی مہر لگائی جاتی تھی یہ احکام بیگمات اور شہزادوں کی مقررہ تنخواہوں، دیوان سعادت (محکمۂ امور مذہبی) کے زیر تحویل وظیفوں، امدادوں اور شاہی کارخانہ جات کے بعض ملازمین کی تنخواہوں کے سلسلے میں جاری کیے جاتے تھے، پر اونچے بادشاہ کے حضور میں ان کی مہر کے لیے پیش نہیں ہوتے تھے (یہ ساری تفصیل خلاصہ ہے ڈاکٹر ابن حسن مرحوم کی قابل قدر کتاب "دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی" کے متعلقہ مباحث کا جو ۱۹۵۵ء میں مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہے)

فتویٰ نویسی: علمائے فرنگی محل جب سے لکھنؤ میں آباد ہوئے، غیر سرکاری فتویٰ نویسی، ان کی کے سپرد ہی، شہر اور بیرون شہر سے ان کی خدمت میں استفتے آتے اور ان کے جوابات عموماً سرگروہ علمائے فرنگی محل کے دستخط سے جاتے، فرنگی محل میں اولین عالم اور مفتی ذات ملا نظام الدین کا ایک فتویٰ ڈھائی سو برس سے زیادہ گزر جانے کے باوجود آج بھی بعینہٖ موجود ہے، اصل سوال بھی اور ملا صاحب کا دستخط سمیت جواب بھی۔ جس کی نقل یہ ہے:-

سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین درصورتے کہ زید ملکہ، مملوکہ خود بہ عمر بہ عقد خالد دعویٰ خفقہ می نماید بلی درین صورت دعویٰ خالد متوجہ می شود یا نہ، بینوا و توجروا۔

جواب:- قل اللہ یفتیکم متوجہ نمی شود واللہ اعلم کتبہ نظام الدین محمد تجاوز اللہ عن سیاتہ"

اس سوال و جواب پر کوئی تاریخ نہیں ہے۔ قیاس سے تقریباً ڈھائی سو سال قدیم فتویٰ قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ ملا صاحب کی وفات ہی کو اس وقت دو سو بیس سال ہو چکے ہیں۔

ملا صاحب کے شاگرد رشید اور مفتی شہر ملا مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی کا بھی ایک فتویٰ بعینہٖ محفوظ رہ گیا ہے، جو بلا شبہ دو سو سال قدیم ہے۔ اس پر ملا محمد ولی فرنگی محلی کے بھی دستخط موجود ہیں، جن کی وفات کو ایک سو بانوے سال گزر چکے ہیں، اس کی نقل بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان صورت کہ شخصے مسجد را بنا کردہ بود آں مسجد از چند مدت خراب و شکست افتادہ است دوران جا کہ بجائے مسجد است آبادانی ہم نیست حالا ورثہ بانی مسجد شخص دیگر را اجازت کردہ از خشت ایں مسجد افتادہ مسجد دیگر را بنا کند در انجا کہ آبادانی است پس شخص دیگر را می رسد کہ مسجد بجائے خود کہ آباد است بنا کند یا نہ، بینوا توجروا۔

جواب:- ھو المصوب باجازت ورثہ بانی و تجویز قاضی درست است۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد یعقوب غفر اللہ ذنوبہ و کفر عن سیاتہ

الجواب المرقوم صحیح کتبہ خادم الطلبہ محمد ولی تجاوز اللہ عن سیاتہ

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب۔ (مہر مفتی شرع غلام حضرتؒ)

اسی فتوے کے ساتھ ایک دلچسپ اور بہت قدیم فتویٰ بھی منسلک ہے، جس پر ایک درجن مہریں ہیں جن میں صرف ایک مہر بہت صاف پڑھی جاتی ہے۔ یہ ہے ملا عبدالسلام دیوی کی جو ملا نظام الدین کے والد ملا قطب الدین شہید کے غالباً، اور ملا قطب شہید کے والد ملا عبدالحلیم کے یقیناً استاد ہیں، ان کی مہر کی عبارت ہے "خادم العلماء النعمانی عبدالسلام الاعظمی الکرمانی" یہ تحریر ساڑھے تین سو برس قدیم ضرور ہے، اور اس سے بھی پرانی ہو سکتی ہے۔ مسئلہ نکاح فاسد سے متعلق ہے کہ نکاح فاسد کے ذریعہ شوہر پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، سوال محفوظ نہیں رہا ہے۔ جواب موجود ہے، جس میں مختصر وقایہ سے عربی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فارسی میں یہ لکھا ہے "چوں ثابت النسب شد وارث نیز شود۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے نزاعی قضیہ میں علمائے زمانہ سے رجوع کیا گیا تھا، اگرچہ نوعیت مسئلہ پیچیدہ نہیں ہے، پھر بھی بارہ ۱۲ علماء کی مہریں بتا رہی ہیں کہ معاملہ جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، خاص اہمیت رکھتا تھا، مہریں اتنی زیادہ ہیں لیکن یہ نہیں کھلتا ہے کہ جواب کس عالم کا تحریر کیا ہوا ہے۔ بہرحال ملا عبدالسلام دیوی کی مہر اس سلسلے میں بہت اہم اور تاریخی ہے۔

ملا نظام الدین کے زمانے ہی میں اگرچہ ان کے بھائی کے پوتے ملا مفتی محمد یعقوب سرکاری طور پر مفتی شہر قرار پاگئے تھے، جو راجہ نول رائے نائب صفدر جنگ کے "روز عدالت" میں راجہ کے پاس موجود رہ کر معاملات کے بارے میں شرعی فیصلے راجہ کو بتاتے تھے، لیکن غیر سرکاری طور پر ملا نظام الدین کے فتووں کو اہمیت حاصل تھی، ملا نظام الدین کے بعد ان کے صاحبزادے ملا بحر العلوم کے دستخطی فتووں کو مقبولیت رہی، ملا بحر العلوم کے ترک وطن کے بعد ملا حسن فرنگی محلی کی طرف عام رجحان ہوا اور ان کے فتووں کو معتبر مانا جاتا رہا، یہ تفصیل رسالۂ قطبیہ مصنفۂ ملا عبد الاعلیٰ ابن ملا بحر العلوم میں درج ہے، جس کا اقتباس بھی اوپر گزر چکا ہے، مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی جو فرنگی محل کے پہلے سرکاری مفتی شہر تھے، راجہ نول رائے کے بعد (۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) نظام عدالت درہم برہم ہو جانے کے نتیجہ میں خانہ نشین ہو کر نجی طور پر فتوے دیتے رہے، ان کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے مفتی احمد ابو الرحم فتوے دیتے تھے، فرنگی محل میں مفتی محمد یعقوب کی شاخ کے علماء میں علاوہ درس و تدریس کے فتویٰ نویسی خاص رہا ہے، بیٹے مفتی ابو الرحم کے بعد مفتی محمد اصغر (مفتی ابو الرحم کے بھتیجے) ان کے بعد مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر اور مولانا امین اللہ، پھر ان کے بیٹے مولانا عبد الحلیم ابن مولانا امین اللہ، پھر مولانا عبد الحی ابن مولانا عبد الحلیم فتوے دیتے رہے، حکومت اودھ میں مفتی محمد یعقوب، مفتی محمد اصغر، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف، مفتی محمد نعمت اللہ، اور ملا محمد مبین، اپنے اپنے زمانے میں مفتی عدالت رہے،

خطوط | ملا نظام الدین کے دستخطی فتویٰ کے علاوہ جس کی نقل اوپر گزری، ملا صاحب کے لکھے ہوئے چار خط بھی بعینہٖ موجود ہیں، اور چند خطوط کی نقلیں بھی، چاروں اصلی خط قاضی قل محمد (سترکھی) کے نام ہیں، اور خطوط کی نقلیں بھی ان ہی قاضی قل محمد سترکھی (ضلع بارہ بنکی) سے متعلق خطوط کی ہیں، یا تو وہ خود ان ہی کے نام یا ان کے سلسلے میں کسی صاحب اثر عہدیدار کے نام ہیں۔

ملا صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط (۱)

"ہو اللہ ـــــ شریعت پناہ قاضی قل محمد سلّمہ الصمد، بعد سلام و دعوات جمعیت بو بادا

ای گردد کہ ایشان در عمل ندر انجا ہستند، لازم است و لازم کہ یک جان دو قالب شدہ در بہ امور متعلقہ شان کار رائے خود دانستہ، مساعی وافرہ و مشکورہ پرداختہ صورت فعلیت گردانند، درین مادہ تا کجا نوشتہ آید لازم است اندک را بسیار تصور نمایند زیادہ زیادہ است والسلام۔

دوسرا خط (۲)

"شریعت پناہ اعز قاضی قل محمد جیو سلامت، از نظام الدین محمد بعد سلام و دعوات جمعیت بود ای گردد کہ تبرک حضرت غوث اعظم قدس سرہ العزیز رسیدہ شیخ دو پیہ برسر خانہ شدہ خانۂ آباد و سعادت باد، دیگر از شما بخواہش تمام قلمی آنکہ نفسانیت و کینہ را جا دادن بسیار بسیار خصلت ذمیمہ است، ہرگاہ غلام مسعود در تبرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم در دعوت اول دعوت کردہ بود و قبول نکردند، خوب نکردند، حالا رسم سلام علیک در میان آمد، در تقریبات چنانچہ وجہے از وجوہ شادی و تقریب ضیافت عامہ عرس وغیرہ بایکدیگر ملاقات نمودہ باشند از خود تانف و تکلفات نکنند و صورت آشتی در نظر داشتہ باشند زیادہ زیادہ است والسلم

(آخر میں تر بھی کچھ سطریں ہیں جو پھٹے کاغذ جوڑنے میں ادھوری رہ گئی ہیں)

تیسرا خط (۳)

"شریعت پناہ قاضی قل محمد جیو سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات جمعیت بود یا آنکہ بندہ داعی است در ہمہ اوقات بتحقیق رفاہ بے چارگان و نجات مظلومان است آخر بندہ ام عاجز، حق تعالیٰ چون رؤف بعباد است انشاء اللہ تعالیٰ اگرچہ تا این زمان تاخیرے گزشتہ بکمال نظر عنایت و امن و امان خواہد فرمود لا تقنطوا من رحمۃ اللہ را نمایان باشد کار دوران غم نخورد والسلم

چوتھا خط (۴)

باسمہ خیر الاسماء، برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد۔

بعد سلام و دعوات ۔ دو شیخ آنکہ شرحی در روپیہ رسیدہ، خانہ آباد و برکت باشد و خط میر خدا یار خان نوشتہ شد۔ امید قوی است کہ نافع آید، و قدرے انبہ قسم ٹپکہ خوب پختہ در درخت و ترمیں صدمہ نیافتہ باشد اطلاع دارند زیادہ جہت دعا سلام از ہمہ خورد و کلاں، دعا سلام برخوردار ان دعوات انبہ پال نہ باشد در زمین نارسیدہ گرفتہ شود و پختہ باشد۔"

ملا صاحب کے خطوط کی نقلیں (جو شیخ محمد اشرف استر گلی نے شمس العلماء مولانا محمد نعیم کو ارسال کی تھیں اور شمس العلماء کے جانشین اور پوتے مولانا محمد ناصر فرنگی محلی کے پاس محفوظ ہیں)

(۱) مکتوب الیہ ملا محمد اشرف سندیلوی

باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ۔ مجمع فضائل عقلیہ و نقلیہ اخی اعز مکرمی محمد اشرف جیو سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد سلام و دعوات جمعیت مرضیہ جویا می گردد کہ شریعت مآب فرزندم قاضی قل محمد در آں جا آں رسید و بہر امر یکہ در خدمت سامی ظاہر نماید کار خود دانستہ بقدر وسع ساعی وافرہ و مشکورہ بفعل در آیند و دریں باب ہر چہ تعلی گردد کمتر از آں بود کہ در دل است و السلام فالسلام ثم السلام۔

رقیمہ نظام الدین محمد

(۲) بنام میر اکبر یار خان:-

باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ ۔۔ مورد عنایات وہاب ذی من و دال و محیط مراسم فیوضات و حسنٰی۔

خان دلشاں لبس مہرباں میر اکبر یار خان سلمہ اللہ تعالیٰ، از خادم طلبہ نظام الدین بعد سلام و استدعائے ترقیات لائقہ مرضیہ آں کہ شریعت و فضیلت مآب قاضی قل محمد بشایہ فرزندے از فرزندان اند، در خدمت والا متعلق بجناب نواب صفدر جنگ عبر ذو اپند ساخت، امید چناں است کہ توجہ وجیہہ در سر انجام وے مبذول باشد و صرف نیما بوان سعود انیہ متوالی بودہ باشد تا شکرے بسمع رسد، زیادہ جز تمنی مطلب مرقوم علی جمعیت و السلام ۔ در عنایات بحق برخوردار شیخ محب اللہ حاجت نوشت جمعیت بخودی خود متوجہ ہستند در اسباب معاش از خورش و لباس و ضروریات اوّ وعدہ در لیسر باشد۔

(۳) بنام خالق داد خاں:- باسمہ خیر الاسماء

خان والاشان (ذکرنا) شہامت و امارت نشان مورد عنایات وہاب منان خالق داد خان سلمہ الرحمن از نظام الدین محمد بعد سلام و اشتیاق تمام واشتہ باشے ترقی درجات مرضیہ مویدامی گردد کہ قاضی قل محمد کہ از ین فقیر عن اب عن جد رابطہ مراتب ظاہری و ارتباط معنوی دینی محکم دارند دجات اخلاص و یگانگی بحدیست کہ عبارت از بیان آں عاجز است، بنا بر ایں بر ایں (ذکرنا) مجمل بطلبے می پردازد کہ در خیولا از سبب آنچہ قاضی قضات مومی الیہ معزول شدند و امارت مرتبت اسریار خان اگر اندک توجہ فرمایند مشارالیہ بحال می شوند از امارت منزلت علی رستم خان و امیر معزز الیہ ظاہر اخلاص بسیار بسیار است توجہ وجیہ شما علی رستم خان متوجہ شدہ امارت مرتبت معزز الیہ در بارہ قاضی مشار الیہ موکد شدہ بر ایں چہ آنند کہ از قاضی قضات بطورے بگوید کہ قاضی متوجہ شدہ قاضی مشار الیہ را بحال نمایند انشاء اللہ تعالیٰ قاضی قضات از گفتہ امارت مرتبت بیرون نخواہد شد والبتہ قبول خواہند کرد دریں باب توجہ نمودن لازم است و لازمہ و تمام امتنان و احسان است و ادائے شکر تا کجا نمودہ آید بجد افراط زیادہ خیر...... چہ تعلی گردد والسلم از احمد عبد الحق سلام و اشتیاق۔

(۴) بنام قاضی قل محمد:- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلہ الصمد از نظام الدین محمد بعد سلام و دعوات مرضیہ آں کہ رقعہ متضمن خیر و عافیت و دیگر احوال ساعت گشتہ خدا تعالیٰ تا از طلق مسبب الاسباب عنایت فرماید کہ با حصول مطلب متوجہ ایں سمت شوید و بایکدیگر ملاقات شد بہرہ بخشد آمین رب العالمین، و بعد از صلات پیوستہ استغفار خواندہ باشند نحو اللّٰھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک، و مصحوب آمدہ بودہ باشند و قاضی ... محمد تا ہنوز نہ رسیدہ اند طبع متعلق است، ظاہر ا براہ عظیم آباد بلشکر نواب متوجہ شدہ اند حق تعالیٰ بسلامت بجانہ رساند آمین آمین آمین۔ فقط از احمد عبد الحق وجہ دعا و سلام از عبد العلی

سلمہ العلی سلام و ... قاضی مبارک جیو نوشتہ شدہ خواہند رساند و اگر کتابے بہم رسند
کفیل شدہ بگیرند و اطلاع دارند فقط

(۵) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء

برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلامت، بعد سلام و دعوات جمعیت مطالعہ نمایند
کہ ملا احمد اللہ جیو از سندیلہ تشریف آوردہ بجہ او مردم راہی شدند کہ بتاریخ ہفتہ ہم روز نکاح
دلدار ایشان مقرر است حاضر باید شد چوں ایں مسافت طے کردہ بہ نیت دعوت آمدند تخصیص اجابت
ضرور شد، چنانچہ پیر فرزند راہی غالب کہ بعد از ایں راہ دراں جا الحق تواں رسید و اگر بیش
ازیں معلوم شد ایں بمقدم و نوشتہ می شد والسلام از عبد العلی سلمہ العلی۔ سلام

(۶) بنام قاضی قل محمد :- شریعت پناہ قاضی قل محمد جیو سلامت، بعد سلام و دعوات
جمعیت بوده، آنکہ عطائے وہاب تعالیٰ فرزند مبارکباد ہی و قیوم قادر مطلق بکمالات
و فضائل نائز ساختہ عمر طبعی برساند و فتویٰ در کاغذ علیحدہ نوشتہ شدہ چنانچہ بمطالعہ
خواہد رسید والسلام از عمل بجمیع احبہ و والدہ ... رسانند بجمیع خورد و کلاں دعا و
سلام۔ فقط

(۷) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ۔ شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد جیو
سلامت، بعد سلام و دعوات جمعیت پیدا می گردد کہ ہر چند شگوفہ ہائے جنگل بسیار آمدہ
است لیکن مزاج موافقت سیر و عشرت نمی کند، بنابر ایں روز باموقوف است۔ دو دیو
تشریف ... شکوفات خانہ آباد والسلام بعد دعا و سلام فقط۔

(۸) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ فضائل دستگاہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات بالفقہ
مطالعہ نمایند خطے کہ ذریعہ مرتضیٰ خان فرستادہ بودند چندے قبل بر حسب تحقیق ازیں
خط نوشتہ شدہ بود التفات نہ نمودند بلکہ خط را نخوانده حوالہ هم مشاہدہ کردہ باز نہ پرسیدند

برخوردار محب اللہ ملاقات کردند ہیچ التفات نہ فرمودند، میر اکبر یار خاں۔
باشند ...... وغیرہ باشد ازیں راہ خط شار الیہ سوزنده وهمچنے ...... یا اوب صفدر جنگ
(دکا) ناسی بحسب واگر از شار الیہ وفتر صدارت .... (بقیہ خط محفوظ نہیں رہا)

(۹) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات مطالعہ نمایند کہ
مطابق نوشتہ لمسعود خاں و میر اکبر یار خاں، ملا احمد اللہ خطوط نوشتہ نگاہ داشتہ خواہد
شد وقتیکہ شما راہی شاہجہاں آباد خواہید شد خواہید گرفت انشاء اللہ زیادہ جز دعوات
جمعیت والسلام دیگر اینکہ بر حال شیخ رحمت اللہ متوجہ حال باشند و در امور مرجوعہ معاونۂ
سرانجام کار ہائے شاں بے اہمال کردہ دہند والسلام فقط

(۱۰) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و ادعیہ تجلی انوار تفضلات
ربانیہ ہویدا می گردد کہ تبرک شیرینی مع دو پیہ طعام رسید شکر است، خانہ آباد و جواب مسئلہ
ایں است کہ اگر خواہر دعمہ باشد و دیگرے از ورثہ نباشد ہمہ ترکہ ملوکہ بخواہری رسد و ہمہ
بجواب رست واللہ اعلم، از احمد عبد الحق و ہمہ دعا و سلام۔

(۱۱) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت و فضائل پناہ برخوردار قاضی قل محمد سلمہ الصمد بعد سلام آنکہ دو عدد ...
نامہ خوب قسم رسید خوش است، حق تعالیٰ برکت دہد و خانہ آباد و در مقدمہ بدیع الدین و
قدرت اللہ آنچہ نوشتہ بودند دریافتہ شد ایں جانب تابع حساب است آنچہ وجہ طلب
وصول باشد ہیچ غلام احمد بگیرند و از بیش ازیں معمول نبود کہ فنا بسے سر سالہ بود زیادہ جمعیت
والسلام برخورداراں برخوردار باشند دعا و سلام خوانند فقط

(۱۲) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام واضح آنکہ تملیک نامۂ اصل
باید مع خود اگر مدعی بصحت نسبے معترف است بہتر والا گواہان باید کہ مورث در حال حیات خود تملیک
نمودہ و قابض و متصرف گردانیدہ است، اگر گواہان نہ باشد حق مدعی ثابت می شود لیکن حلف
برئے لازم است کہ فلاں تملیک نکردہ است و مرا علم نیست واللہ اعلم بر خورداران
سلام و دعوات خوانندہ از احمد عبدالحق و عبدالعلی و ہمہ خورد و کلاں سلام

(۱۳) بنام میاں غلام مسعود — باسمہ خیر الاسماء

اخوت پناہ اعزی بس مہربان میاں غلام مسعود سلمہ الودود، از نظام الدین محمد بعد سلام و
دعوات جمعیت واضح آنکہ قاضی قل محمد را فرستادہ شدہ است برادر خورد شما اند و منصب
قضائے کہ بثبوت اجداد کلاں شما، از اجداد کلاں موصی الیہ تا ایں زماں بایشاں منتہی شدہ
در خانۂ شما انتہا یافتہ، اگر بالفرض مقصر اند توقع از بزرگان عفو است از خورداں خطا و
بزرگان عطا، ازیں راہ امید قوی دارم کہ آنچہ گذشت گذشت در بندد و بحال رابطۂ اخلاص
را محکم نمودہ بدستور سابق بحال کنانند و از خود احسان کنند و ایں احسان برایں داعی
مستحق است و شکر ایں بعبودیت کہ زبان و خامہ از ادائے آں معترف بعجز است، زیادہ چہ
خواست آں مطلوب دیگر چیست۔ والسلم

(۱۴) بنام قاضی قل محمد — باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

فضیلت و شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات لائقہ واضح می
گردد کہ شادی مبارک مزاج بسیار ضعیف گرفتہ است، در ذیحجہ اطلاع خواہند شد ہر چہ
مصلح خواہد بود معمول خواہد شد، انشاء اللہ تعالیٰ روا نیست بمرقعات ظاہری سازند و بجے نکنند و جواب
مفصل قلمی باشد کہ دعوی ملک خود بچہ سبب، آں زماں جواب نوشتہ پری روز ہم آدم بطلب
مسئلہ آمدہ جواب نوشتہ شدہ بود، اگر مسئلہ مطلوبہ امروزہ ہماں است مطابق نوشتہ سابق عمل
در آمدہ والسلم، از ہمہ خورد و کلاں دعا و سلام بر خورداں را دعوات

(۱۵) بنام قاضی قل محمد۔

شریعت پناہا بعد سلام آنکہ موہبۂ منعم وہاب تعالیٰ فرزند مبارکباد بعمر طبعی رسد انشاء اللہ
تعالیٰ و عجب فال و کلام رب العزت اسم محمد اعلم است نام نہند مطابق اسم مسمیٰ باشد آمین۔

ان خطوط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے، اس زمانے میں لفافے پر تاریخ، پتہ اور مکتوب الیہ کے
یا کاتب کا نام تحریر کیا جاتا تھا، ان خطوط کے لفافے محفوظ نہیں رہے، یہ ظاہر ہی ہے کہ یہ خطوط دستی
بھیجے گئے ہوں گے۔

مذکورہ خطوط زیادہ تر سفارشی ہیں، وہ بھی صرف قاضی قل محمد ستر کھی کے سلسلے میں جو قاضی
القضات کی ناراضگی یا عدم التفات کی بنا پر معزول ہو گئے تھے، ان کی بحالی کے سلسلے میں ملا نظام الدین
نے اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کیا، جن امراء و حکام سے تعارف تھا، ان کو قاضی قل محمد کی
حالت کی طرف توجہ دلائی اور ان کو لکھا کہ قاضی قل محمد مثل میرے فرزند کے ہیں، جن امراء کو
براہ راست خطوط لکھے ان میں میر اکبر یار خاں، نواب مرتضیٰ خاں، خالق داد خاں، خدا یار خاں،
اور مسعود خاں ہیں، جن میں سے مسعود خاں، خدا یار خاں کے نام خطوط، نہ اصل نہ نقل دستیاب
نہیں ہیں، مذکورہ خطوط میں ذکر ہے کہ ان کو خطوط ملا صاحب نے لکھے تھے، ایک مکتوب الیہ ملا
حمد اللہ سندیلوی بھی ہیں، یہ ملا نظام الدین کے شاگرد تھے، اور نواب معتمد جنگ سے خصوصی تعلق
رکھتے تھے، بلکہ دستار بدل بھائی ہو گئے تھے، ان سے اسی پہلو سے قاضی قل محمد کی سفارش
کی گئی ہے، یہی وہ ملا حمد اللہ ہیں جن کی شرح سلم العلوم "حمد اللہ" کے نام سے داخل درس نظامی
ہے، ان خطوط میں قاضی مبارک دگوپاموی، کے نام خط لکھنے کا بھی ذکر ہے، یہ وہی قاضی مبارک
گوپاموی ہیں جن کی شرح سلم العلوم "قاضی مبارک" کے نام سے درس نظامی میں داخل نصابی
کتاب ہے۔

اگرچہ خطوط بلا تاریخ و سنہ کے ہیں، لیکن قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ملا صاحب کے آخری
پندرہ سولہ سال کے خطوط ہیں، خصوصاً وہ خطوط جن میں اپنے صاحبزادے "عبدالعلی سلمہ العلی" کے

سلام کا ذکر ملا صاحب نے کیا ہے، تقریباً ہر خط میں "احمد عبد الحق" (برادر زادہ) کی طرف سے مکتوب الیہ کو سلام لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چچا بھتیجے یک جان دو قالب کی حیثیت رکھتے تھے، جو شخص ملا صاحب سے متعارف تھا وہ ان کے بھتیجے کو بھی جانتا تھا، ایک خط میں میر اکبر یار خاں کے نام ہے، ملا احمد عبد الحق کے بڑے بیٹے ملا محب اللہ کا بھی ذکر ہے، جن کی طرف مکتوب الیہ نے روزگار دلانے کے لیے توجہ کی تھی، ایک خط میں سب سے بڑے بھائی کے بیٹے قاضی غلام محمد مصطفےٰ کی خیریت نہ معلوم ہونے پر تردد کا اظہار ہے، یہ قاضی غلام محمد مصطفےٰ ملاؤں کے قاضی تھے، ایک دفعہ معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے، پھر معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے، آخر بار معزول ہونے کے بعد جب بحالی کی کوشش میں اپنے بڑے بیٹے محمد علی کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے تو پھر واپس نہ آئے، دونوں، خیال کیا جاتا ہے کہ حریف قاضی کے اشارے پر قتل کر دیئے گئے، یہ حادثہ کب پیش آیا، اس کی نہ کوئی تفصیل ملتی ہے نہ اجمال، لیکن ان ہی خطوط کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ۱۱۵۵ھ تک (ملا صاحب کی وفات سے چھ سال پہلے تک) بقید حیات تھے، اس لیے کہ ملا صاحب نے قاضی قل محمد کے خط میں لکھا ہے کہ قاضی غلام محمد مصطفےٰ "تا ہنوز نہ رسیدہ اند طمع متعلق است ظاہرا براہ عظیم آباد بلشکر نواب متوجہ شدہ اند، حق تعالیٰ بسلامت بخانہ رساند" یہ وہی کوشش معلوم ہوتی ہے جس کے بعد قاضی مصطفےٰ "بسلامت" گھر واپس نہ آ سکے، "لشکر نواب" سے مراد نواب صفدر جنگ کا لشکر ہے، جس کی طرف وہ متوجہ ہوئے تھے، اور عظیم آباد تک کے سفر کا قصد ظاہر کیا تھا "ظاہرا براہ عظیم آباد" سے یہی سمجھ میں آتا ہے، نواب صفدر جنگ کا مع لشکر عظیم آباد جانے کا زمانہ شوال یا ذیقعدہ ۱۱۵۵ھ ہے، تو اس وقت تک قاضی غلام محمد مصطفےٰ برادر زادہ ملا نظام الدین کو بقید حیات ہونا چاہیے اور یہ ملا صاحب کی وفات سے چھ سال قبل کا زمانہ ہے۔

سفارش کے علاوہ ان خطوط میں تلقین و ارشاد بھی ہے، مسئلوں کا جواب بھی، عقیدوں کا انکشاف بھی، اور آم کی پسند اور اس پسند میں لطافت کا اظہار بھی، تلقین و ارشاد کے سلسلے میں یہ ہدایت کہ نمازوں کے بعد استغفار پڑھا جائے، جیسے اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح

لی ابواب رحمتک" اور قاضی قل محمد کو سخت ملامت کہ "نفسانیت اور کینہ کو دل میں جگہ دینا بے حد بری عادت ہے" اور یہ حکم کہ غلام مسعود سے رسم صاحب سلامت شروع کی جائے اور اب جو وہ کسی تقریب شادی بیاہ یا عام دعوت وغیرہ میں بلائیں تو شرکت کی جائے اور انکار بیزاری کا اظہار نہ کی جائے" یا یہ تلقین کہ "مقصد کو پورا ہونے میں دیر ہونے سے مایوس نہ ہونا چاہیے" یا غلام مسعود کو یہ ہدایت کہ "قاضی غلام محمد تمہارا چھوٹا بھائی ہے .... بالفرض غلطی اس کی ہے تو تم سے درگزر کی امید ہے، چھوٹوں سے خطا بڑوں سے عطا ہوتی ہو"۔ بھائیوں میں صفائی کرانے کے سلسلے میں ملا صاحب کی دلسوزی کا اس حد تک ہے کہ دونوں بھائیوں قاضی قل محمد اور غلام مسعود کو الگ الگ کئی مرتبہ تلقین کرتے تھے، اور غلام مسعود کو یہاں تک لکھتے ہیں کہ "تم تعلقات بحال کر کے احسان کرو، یہ احسان میرے اوپر ہوگا اور اتنا بڑا احسان ہوگا کہ اس کا شکریہ ادا کرنے سے زبان و قلم قاصر ہیں"۔

عقیدے کا اظہار اس طرح ہے کہ "ربیع الاول میں تبرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی میلاد شریف کی تقریب (ضیافت) میں شرکت کو مستحسن قرار دیتے ہیں اور قاضی قل محمد نے جو بھائی نہ ہونے کی وجہ سے اس ضیافت میں شرکت نہیں کی تو ان کو تحریر فرمایا کہ "تم نے اچھا نہیں کیا"۔

خود قاضی قل محمد نے "تبرک حضرت غوث اعظم قدس سرہ العزیز" یعنی حضرت غوث پاک کی نیاز کا تبرک بھیجا تو ان کو اطلاع دیتے ہیں کہ "میں نے اس تبرک کو سر آنکھوں پر رکھا" اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے جو اس قسم کے تبرک کی اہمیت کے منکر ہیں ملا صاحب کا عقیدہ یکسر مختلف تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین کے زمانے تک تبرک، میلاد شریف اور نذر و نیاز کو بدعت اور شرک کہنے کا چلن شروع ہی نہیں ہوا تھا

آموں سے شوق تو ملا صاحب کو تھا ہی، مگر اس شوق میں بھی نکتہ رسی اور مردانگی کا مزاج ملا صاحب کی تحریر سے عیاں ہے، یعنی "جو ڈال کے ہوں (از قسم ٹپکا) خوب پکے ہوئے"

درخت میں رہتے یا زمین پر ٹپکنے کی حالت میں، ان میں کوئی داغ نہ آیا ہو۔ پھر مکرر توجہ دلاتے ہیں کہ جو آم بھیجو وہ پال کے ہرگز نہ ہوں، خوب پکے ہوئے اور زمین پر ٹپکنے سے پہلے ہی درخت سے توڑ لیے گئے ہوں۔

جن لوگوں کو آموں کا شوق ہے وہ ہی خوب جان سکتے ہیں کہ ذائقہ کے اعتبار سے "پال" اور "ڈال" کے آموں میں کیا نازک فرق ہوتا ہے، پھر چوٹ کھائے آموں اور بے داغ آموں کی لذت میں کتنا تفاوت ہے، وہ شوق جو "میٹھے ہوں اور بہت ہوں" کا متقاضی ہوتا ہے، آم کا نہیں پیٹ بھرنے کا شوق ہے، ملا صاحب پیٹ بھرنے کے بجائے آموں کا معیاری ذوق رکھتے تھے،

ملا صاحب کے لکھے ہوئے خطوط کے علاوہ ایک خط ملا صاحب کے نام کسی صاحب کا لکھا ہوا "قدیم خاندانی کاغذات" میں پایا جاتا ہے، یہ خط بلاشبہ ڈھائی سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہے، اس لیے کہ اس میں ملا صاحب کے پیر و مرشد سے بھی ایک استدعا ہے جن کے وصال کو آج دو سو چھپن سال ہو چکے ہیں، ملا صاحب کے نام خط یہ ہے:-

"فضائل و کمالات دستگاہ ملائی (مکرمی) نظام الدین در حفظ الٰہی باشند، بمکتوب مرغوب متضمن خیریت خویش و عدم رسیدن نوشتجات آنجا کہ ارسال داشتہ بودند رسید، چون پریشانی احوال کار از تحریر گزشتہ میں سبب ادرو نوشتجات توقف بیان نمود آں فضیلت پناہ بمقتضائے اخلاص بر رفع پریشانی و کشائش کامیابی بکار دعا خواہند نمود خدائے تعالیٰ فضل نماید کہ مستجاب گردد و شیخ غلام مصطفیٰ در حویلی سرکار سکونت دارد و از خط ایشان مفصل واضح خواہد شد و ہمیں (مکرر) از کیفیت احوال خود اطلاع می دادہ باشند کہ خاطر متعلق بجا باشد، زیادہ نیاز مشتاق دانند والسلم۔

فضیلت پناہا پریشانی از حد گزشت و گوشہ نشینی شکل فقرا بسبب بے حاجت اختیار کردہ دعا باید کرد کہ خدائے تعالیٰ فضل نماید و خالی بنایہ بود کہ حالت نمازہ و شیخ غلام مصطفیٰ اینجا می مانند تا احوال کار خود صورت نگرفتہ است باندک خاطر جمعی انچہ خواہر شد تامقدور دریغ

نخواہد شد خطے بجناب فیض مآب حضرت پیر و مرشد حق شاہ عبدالرزاق سلمہ، بہ مرحول ساختہ بوقت نیک باید گزرانند و خود ہم مقید باید شد کہ در گذشت خاطر باشد تا باندک توجہ کامیاب داری گردد۔

یہ پتہ نہیں چلتا کہ خط لکھنے والا کون ہے، بیچ میں غلام مصطفیٰ کا نام آیا ہے، یہ وہی ملا صاحب کے برادر زادے معلوم ہوتے ہیں جو ملاواں کے قاضی ہوئے تھے، پھر معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے پھر معزول ہوئے، اس کے بعد بحالی کی کوششوں میں مفقود الخبر ہو گئے، یہ خط ملا صاحب کو اس وقت لکھا گیا ہے جب ان کی عمر چالیس پینتالیس کے درمیان تھی، اس لیے کہ ملا صاحب کے مرشد کا جب وصال ہوا ہے تو ملا صاحب کی عمر ۴۲ سال تھی، اتنا یقینی ہے کہ یہ خط ملا صاحب کے خط کے جواب میں ہے، شاید ملا صاحب نے اپنے برادر زادے قاضی غلام مصطفیٰ کے سلسلے میں کوئی سفارشی خط لکھا ہوگا جس کے جواب میں لکھنے والے نے لکھا ہے "تا مقدور دریغ نخواہد شد" اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کسی بااثر شخصیت کا یہ خط ملا صاحب کے نام آیا، جو ملا صاحب کا "ہم پیر" بھی معلوم ہوتا ہے۔

وفات

استاذ الہند ملا نظام الدین کی علمی، تدریسی اور ارشادی سرگرمیاں اس انداز سے جاری تھیں کہ کسی کو کبھی خیال نہ آتا ہوگا کہ وہ قرحۂ مثانہ کی سخت تکلیف میں مبتلا ہیں اور ہمیشہ سے اس کے مریض ہیں۔

در مرض تنگ مثانہ چناں مبتلا بود کہ	مثانہ میں پتھری پڑ جانے کی تکلیف ایسی
گاہے بول بفراغت نشد	تھی کہ کبھی بھی سکون اور فراغت کے ساتھ
رسالہ قطبیہ (مخطوطہ)	پیشاب نہیں کر پاتے تھے۔
حضرت ملا از ابتدائے عمر بیماری	ابتدائے عمر ہی سے قرحۂ مثانہ کی بیماری

قرحۂ شانہ گرفتار بود گاہے بہ تدبیر علاج نپرداختہ۔
عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)

میں گرفتار رہتے، اور کبھی علاج دوا کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے:

اپنی اس تکلیف دہ مرض کے بارے میں خود ملا صاحب نے اپنے مرشد کے حالات میں تصنیف کردہ رسالہ "مناقب رزاقیہ" میں بضمن کرامات لکھا ہے:۔

بندۂ درگاہ از آزار قرحۂ شانہ مبتلا بود ہر چند ایں علت از زمان پیشین بود لیکن دریں ہنگام استیلا گرفتہ کہ رنجش بہ حدے بود کہ نطاق عبارت و میدان تحریر از بیانش تنگ است آثار ترحم بر آنحضرت قدس سرہ العزیز لائح شدن گرفت پس گفت خبری بود کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم وانت ارحم الراحمین خواندہ بردہ کف دست دراز کردہ چنانچہ در حالت دعا دم ...... انشاء اللہ صحت خواہد شد ...... وگو خو چہ ادا کردہ بعنایت الٰہی ازاں شدت غیر متوقع، تخفیف فی الحال یافتہ قریب بمزاج قدیم شد" الحمد للہ علیٰ ذالک۔

بندۂ درگاہ، قرحۂ شانہ کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا، اگرچہ یہ مرض عرصۂ دراز سے ہے لیکن اس زمانہ میں اس حد تک تکلیف دہ ہو گیا تھا کہ بیان سے باہر ہے، (اس سخت تکلیف میں دیکھ کر) حضرت سید صاحب (سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ) قدس سرہ العزیز پر شفقت و رحم کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے اس کے بعد فرمایا: خبر دیت خبر دیت دہ خبر دیتا ہو خبر دینے والا، کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم وانت ارحم الراحمین' پڑھ کر ہاتھوں کو اس طرح پھیلائے جس طرح دعا میں پھیلاتے ہیں اور ہتھیلیوں پر پھونکے پھر چہرہ، سر، اور پورے جسم پر ہتھیلیوں کو پھیرے، (انشاء اللہ صحت ہو جائے گی ...... اس ورد پر اسی طرح عمل کیا جس طرح حضرت سید صاحب نے ہدایت فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سخت تکلیف سے جس میں کمی آنے کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی نجات حاصل ہو گئی، اور سابق میں جو مزاجی حالت رہتی تھی وہی عود کر آئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

جب ملا صاحب کی عمر ستر سال سے متجاوز ہو گئی تو:۔

بنشستن کہ عادت گشتہ بود پشت خم گردید۔
عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)

ناتوانی اس حد تک بڑھی کہ بیٹھے جھک گئی۔

تا آنکہ از ہمیں مرض وفات یافتہ
رسالہ قطبیہ

یہاں تک کہ قرحۂ شانہ کی بیماری میں انھوں نے وفات پائی۔

وفات سے چھ ماہ قبل اپنے اکلوتے فرزند ملا عبدالعلی بحر العلوم کے نکاح سے فراغت پا چکے تھے، ایک دن اپنے بڑے منجھلے بھائی ملا محمد سعید کی اہلیہ سے ملا صاحب نے فرمایا:۔

اگر کسے دریں سال وفات نماید شمایان بداں تشاؤم نہ نمائید چہ ہمہ از قضائے الٰہی بظہور می آید"
(عمدۃ الوسائل)

اگر اس سال گھر میں کسی کی موت واقع ہو جائے تو آپ لوگ اسے کسی کی منحوسیت سے تعبیر نہ کریں، جو کچھ ہوتا ہے حکم الٰہی سے ہوتا ہے۔

ملا صاحب اپنی علالت کے دوران میں گھر کے اندر کوٹھے پر مقیم رہے، عمدۃ الوسائل کے مصنف نے اس زمانے کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

بڑی تعداد میں لوگ عیادت کو آتے رہتے تھے، گھر میں بار بار پردہ کرایا جاتا جس سے خواتین کو زحمت ہوتی تھی، مولانا احمد عبدالحق (حقیقی بھتیجے) نے عرض کیا کہ دیوان خانے میں تشریف لے آئیں تو بہتر ہوگا۔ ملا صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت شاہ عبدالنبی قدرداہیؒ (ایک شیخ طریقت) ایک دن عیادت کو آئے، مولانا احمد عبدالحق نے ان سے کہا کہ آپ ملا صاحب سے فرمایئے کہ باہر کے حصے میں تشریف لے آئیں، شاہ صاحب جس وقت ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ملا صاحب استنجا کر رہے تھے، اس سے فراغت کے بعد قبل اس کے کہ شاہ صاحب کچھ کہیں ملا صاحب نے فرمایا:۔ میاں عبدالنبی ا ہر روز میبنم تنگ تر سوراخ ایں غربالہا (چھلنیوں کے سوراخوں کو روز بروز تنگ سے تنگ تر ہوتے دیکھ رہا ہوں) اس کے بعد فرمایا:۔ میاں عبدالحق کی جو مرضی ہے وہی کیا جائے، اس کے بعد اندرون خانہ سے دیوان خانے میں منتقل ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالنبی قدرداہیؒ، ملا صاحب کی وفات سے ایک روز قبل عیادت کے لیے گئے تھے، شاہ صاحب کے مرید اور داماد مولوی وجیہ الدین اشرف نے اپنی ضخیم تصنیف "بحر ذخار" میں لکھا ہے:۔

یک روز پیشتر از وفاتش قدوۃ العارفین بحسب اتحاد فیما بین کہ بمرتبہ کمال داشت برائے عیادت او رفت و گفت کہ شب دیدہ ام در تمام شہر شور عظیم برپا شد و جوش استغفار نمودم ظاہر کرد کہ قطب ازیں عالم انتقال کرد، و فرمود کہ در حق بادشاہ وقت خدا خیر کند، بعد ساعتے قدوۃ العارفین گفت رخصت من شوم فردا باز برائے دیدن ایشاں خواہم آمد او تبسم نمودہ رخصت کرد، صبح آں تاریخ نہم جمادی الاولیٰ روز چہار شنبہ ۱۱۶۱ھ جان بجاناں و جاناں تسلیم نمود

بحر ذخار (مخطوطہ)

ملا صاحب کی وفات سے ایک روز قبل قدوۃ العارفین حضرت شاہ عبدالنبی قدرداہیؒ ان تعلقات کی بنا پر جو دونوں میں انتہائی حدود تک پہونچے ہوئے تھے عیادت کے لیے تشریف لے گئے، شاہ صاحب نے بیان کیا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ شہر میں بہت سخت کہرام بپا ہے، کسی سے پوچھا کہ کیا بات ہے، جواب دینے والے نے کہا، قطب وقت نے اس جہان سے انتقال فرمایا (یہ اسی کا کہرام ہے)، اس کے بعد شاہ صاحب نے ملا صاحب سے کہا "بادشاہ وقت کی خدا خیر کرے" (یعنی یہ خواب بادشاہ کے حق میں اچھا نہیں معلوم ہوتا) تھوڑی دیر بعد قدوۃ العارفین نے کہا "اب میں اجازت چاہتا ہوں، کل پھر عیادت کو حاضر ہوں گا" ملا صاحب مسکرائے اور شاہ صاحب کو خدا حافظ کہا، اس کے دوسرے دن صبح نہم جمادی الاول روز چہارشنبہ ۱۱۶۱ھ کو ملا صاحب انتقال فرما گئے۔

سلطنت مغلیہ کے وارث، شہنشاہ ہند محمد شاہ، اور سلطنت علمیہ کے اورنگ نشین یعنی پشتوں سے علم و فضل کے وارث، بانیٔ درس نظامی ملا نظام الدین کا وصال ایک ہی سال میں (۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء) ہوا۔ اور دونوں "بادشاہوں" کی وفات کے درمیان فرق بھی صرف ڈیڑھ ہفتہ کا رہا، مغل بادشاہ ربیع الثانی (۱۱۶۱ھ) میں سدھارا، اور استاذ الہند ۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ کو عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوئے۔ ملا صاحب کی عمر ۷۰ سال کی تھی۔

میاں عبدالباسط امیٹھوی نے ملا صاحب کی وفات کی تاریخ

ملک بود و بہ یک حرکت فلک شد

۱۱۶۱ھ

سے نکالی ہے، پورا قطعہ اس طرح ہے:۔

نظام الدین محمد واصلِ حق	چو از روئے زمیں سوئے فلک شد
وصالِ سالِ تاریخش فلک گفت	فلک بود و بیک حرکت فلک شد

ان ہی میاں عبدالباسط امیٹھوی نے ایک اور قطعۂ تاریخ بھی کہا جس کی تقلید بعد کو بہت کی گئی، یہاں تک کہ مومن دہلوی کے اس مادۂ تاریخ کی بڑی شہرت ہوئی جو انھوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی وفات پر نکالا تھا یعنی

دستِ بیدادِ اجل سے بے سر و پا ہو گئے	فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

اس سے تقریباً سو سال قبل میاں عبدالباسط امیٹھوی ملا نظام الدین کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھ چکے تھے۔

در وفاتِ مولوی صاحب خصال	ہاتفِ تاریخ گفتش در مثال
در وفاتش بے سر و پا گشتہ اند	عشق و خیر و فیض و فضل و علم کمال

عمدۃ الوسائل میں درج دیگر تفصیلات کے مطابق، ملا صاحب کی وفات گرمی کے مہینے جیٹھ میں ہوئی، اس مہینے میں لکھنؤ اور اطراف میں سخت تپش ہوتی ہے، دوپہر کے وقت جب جنازۂ مبارک روانہ ہوا تو لوگ یہی اندیشہ کر رہے تھے کہ باغ تک جہاں تدفین عمل میں آنے والی تھی، جو فرنگی محل سے کم و بیش ایک میل ہے، پہونچتے پہونچتے گرمی کی شدت سے کہیں ہلاک نہ ہو جائیں، اس زمانے میں باغ میں بھی، جہاں مدفن ملا صاحب ہیں، کہیں کوئی سایہ نہ تھا، جوں ہی جنازہ اٹھایا گیا ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادھر اُدھر سے نمودار ہو گئے۔ جب جنازہ باغ پہونچا ہے تو پورا باغ بادل کے نیچے تھا اور سوئی کے ناکے کے برابر ترشح بھی ہونے لگا، یہاں تک کہ دفن سے فرصت ہوئی، ادھر دفن ختم ہوا، ادھر بادل بھی چھٹ گئے، لوگوں کو واپسی دشوار ہو گئی۔

مزارِ مبارک

فرنگی محل سے سمت مشرق کم و بیش ایک میل دور ایک وسیع آراضی ہے جو اب دو حصوں میں منقسم ہو کر "باغ ملا صاحب" اور "باغ مولوی انوار" کہلاتی ہے، یہ آراضی

شراءً یا ہبۃً ملا صاحب اور ان کے حقیقی بھتیجے ملا احمد عبدالحق کی ملک میں آئی تھی، ملا احمد عبدالحق کے حصے کی آراضی اُن کے ایک بیٹے مولانا احمد انوار الحق کی طرف منسوب ہو کر "باغ مولوی انوار" سے موسوم ہو گئی اور اب تک موسوم ہے، اب تو وہ پورا محلہ ہی "باغ مولوی انوار" کہلاتا ہے، یہی آراضی خاندان فرنگی محل کا قبرستان ہے۔[1]

ملا نظام الدین کا مزار مبارک ایک بلند چبوترے پر ہے جو "باغ ملا صاحب" والی آراضی میں واقع ہے، مزار پر نہ چھت ہے نہ گنبد وغیرہ، بلند چبوترہ بھی ملا صاحب کی تدفین کے بعد تعمیر ہوا، کہا جاتا ہے کہ اودھ کے ایک اعلیٰ منصب دار نواب دبیر الدولہ نے اسے بنوایا تھا۔

بلند چبوترے پر جس کی تعمیر کو اب دو سو سال سے زیادہ قطعی ہو چکے ہیں، پانچ قبریں ہیں، درمیانی قبر ملا صاحب کی ہے، بائیں جانب مولانا محمد نعیم اور مولانا عبدالغفار اور داہنی جانب مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحلیم کی قبریں ہیں، یہ چاروں بزرگ ملا صاحب کے احفاد میں ہیں۔

پورا علاقہ رکاب گنج کہلاتا ہے، جس کا ایک جز 'باغ مولوی انوار' ہے، اس باغ کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب ایک راستہ ہے جو ملا نظام الدین کی قبر مبارک تک پہونچاتا ہے، سیدھا جانے والا راستہ 'باغ مولوی انوار' کے اندرونی پھاٹک تک لے جاتا ہے جس میں داخل ہو کر داہنی طرف ایک وسیع مسجد ہے۔

---

[1] مولانا حسرت موہانی مرحوم نے اسی "باغ مولوی انوار" کو اپنی ایک غزل کے ذریعہ نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے، یہ غزل ان کی کلیات میں شامل ہے، جس کا مطلع ہے ؎

تا قیامت رہے قائم مری سرکار کا باغ	وہ جسے کہتے ہیں سب حضرت اللہ کا باغ

مولانا حسرت کے مرشد اور کئی پیران سلسلہ اسی باغ (قبرستان) میں محو خواب ہیں۔

سالانہ فاتحہ ملا صاحب کا سالانہ فاتحہ، یومِ وصال ۹ رجمادی الاول کی شب کو یعنی ۸ رجمادی الاول کا دن گزر کر بعد مغرب، بلند چبوترے سے متصل سڑک پر پختہ قطعۂ آراضی پر ہوتا ہے۔ اس موقع پر حاضرین میں سے کچھ لوگ پنج آیتیں، چاروں قل اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں، اور ایصال ثواب کے بعد تبرک تقسیم کیا جاتا ہے، عرس سے متعلق دوسرے کسی قسم کے مراسم نہیں ہوتے، بالکل یہی طریقہ، ملا صاحب کے پیرِ طریقت حضرت سید شاہ عبد الرزاق بانسویؒ کے سالانہ عرس کا بھی ہے، جو ۵ رشوال کو بانسہ شریف (ضلع بارہ بنکی) میں ہوتا ہے۔

ملا صاحب کے سالانہ فاتحہ کے موقع پر ایک عجیب منظر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ فاتحہ سے قبل بڑی تعداد میں شیشیاں اور بوتلیں، جن میں جلانے والا تیل بھرا ہوتا ہے مزار کے سرہانے رکھی ہوتی ہیں، اور فاتحہ کے بعد لوگ اپنی شیشیاں اور بوتلیں اٹھا لے جاتے ہیں، مشہور ہے کہ طالبانِ علم مزار کے سرہانے اس لیے جلانے والا تیل رکھتے ہیں کہ اس تیل سے چراغ جلا کر مطالعۂ کتب کرنے سے مشکل مطالب بآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں اور مسائل ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہے:۔

"قبر مبارک اس وقت بھی مفید خاص و عام اور خاص کر طالبانِ علم کے لیے نسخۂ شفا ہے، مشہور ہے کہ جس کو مطلب کتاب کا سمجھ میں نہ آتا ہو، کتاب کھول کر مزارِ اقدس پر حاضر رہے اور روحانیت حضرت سے توجہ کرے تو فوراً مطلب سمجھ میں آجائے گا۔

(وھو مجرب)" [1]

قیام گاہ جس "حویلی فرنگی" میں ملا قطب الدین شہید کا کنبہ سہالی سے آکر مقیم ہوا تھا، کنبے میں اضافے کے ساتھ اس میں گنجائش کم ہوتی گئی، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کے الفاظ میں:۔

---

[1] تذکرۂ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص۵۰۔

"جب اولاد بڑھی اور جگہ کی تنگی ہوئی تو ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کوٹھی (حویلی فرنگی) کے جنوب جانب ...." [1]

مکان بنوالیا اور آخر تک ملا صاحب کا مکان مسکونہ یہی جنوب جانب والا مکان رہا، اور یہیں سے درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کے چشمے پھوٹتے اور دور دور تک تشنگانِ علم و رشد کو سیراب کرتے رہے، ملا صاحب کی وفات کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے ملا عبد العلی (بحر العلوم) نے بھی دس بارہ سال تک اسی مکان کی مسندِ تدریس کو زینت بخشی، ان ہی تدریسی سرگرمیوں کی بنا پر یہ مکان "مدرسہ ملا نظام الدین" کہلانے لگا، جس کا ایک حوالہ لطائفِ اکبری میں "ملا محمد ولی فرنگی محلی (متوفی ۱۱۹۸ھ) کے ذکر میں ملتا ہے جن کے بارے میں مرتبِ ملفوظ نے لکھا ہے:۔

"در مدرسہ ملا نظام الدین مدرس قوی الخدمت بود" [2]

دوسرا حوالہ بحر العلوم کے ذکر میں "رسالۂ قطبیہ" میں مولانا عبد الاعلیٰ بن بحر العلوم نے دیا ہے:۔

"چونکہ مدرسۂ مولانائے کامل در آنجا دادہ بود" [3]

لطائفِ اکبری کے حوالے سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ بحر العلوم کے ترکِ وطن کے بعد بھی، جو تخمیناً ۱۱۷۲ھ - ۱۱۷۳ھ میں ہوا تھا، ملا صاحب کا یہ مکان علاوہ رہائش کے درس و تدریس کے بھی کام میں آتا رہا، اس لیے کہ ملا محمد ولی فرنگی محلی سے متعلق واقعہ ۱۱۹۳ھ کا ہے جبکہ بحر العلوم کو یہ مکان چھوڑے بیس برس ہو چکے تھے، بیس برس کے بعد بھی "مدرسۂ ملا نظام الدین"

---

[1] تذکرۂ علمائے فرنگی محل، مطبوعہ ص ۱۱۔ [2] لطائفِ اکبری (مخطوطۂ فرنگی محل)، خواجہ حسن مودودی (متوفی ۱۲۰۹ھ/ ۱۷۹۵ء) نے اپنے مرشد خواجہ سید علی اکبر مودودی چشتی (وفات ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۹۰ء) کے ملفوظات و حالات میں ایک مبسوط کتاب تحریر کی تھی جس کا نام "لطائفِ اکبری" ہے، اس دلچسپ اور گرانمایہ ملفوظ کی تصنیف کے آغاز کا سال ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء ہے۔

[3] رسالۂ قطبیہ (مخطوطۂ فرنگی محل)، سالِ اختتام تصنیف ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۵ء ہے۔

قائم و جاری تھا جس میں ملا محمد ولی فرنگی محلی (شاگرد ملا نظام الدین و ملا کمال الدین سہالوی) مدرس "قوی الخدمت" تھے۔

جیسا کہ صفحات سابقہ میں گزر چکا ہے کہ ملا نظام الدین کے زمانے میں "مدرسہ" کے نام سے مسدود فرنگی محل میں کوئی الگ عمارت نہیں تھی، ملا صاحب کی قیام گاہ ہی ان کی درس گاہ تھی یا قیام گاہ سے بالکل ملی ہوئی مسجد، جیسا کہ بحر العلوم سے متعلق ایک مذکورہ واقعہ میں نقل ہو چکا ہے کہ:-

"بگوشۂ مسجد نشستہ مرا درس می دادند" الخ[1]

ہو سکتا ہے کہ بحر العلوم کو مسجد میں پڑھانے کا واقعہ محض اتفاقی ہو، اس لیے کہ ابو المعالی خاں سے متعلق جو واقعہ اوپر گزر چکا ہے اس میں صراحتاً ذکر ہے کہ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ ملا صاحب کہاں ملیں گے؟ تو:-

مردم بمکان نشست مولانا قدس سرہ نشان دادند	لوگوں نے ملا صاحب کا بیٹھکا بتایا۔
و آں وقت جناب شاں بر زمین بے فرش	وہ جب خدمت میں پہنچا تو حال یہ تھا کہ
ناکارہ نشستہ درس می دادند الخ	ملا صاحب زمین پر بیٹھے ہوئے جس پر بوریہ
	سا فرش بھی تھا، درس دے رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب عموماً اپنے بیٹھکے ہی میں درس دیا کرتے تھے، اور یہ بات اتنی معروف تھی کہ نو وارد کے پوچھنے پر لوگوں نے "مکان نشست مولانا قدس سرہ" ہی کا راستہ بتایا نہ کہ مسجد کا، لیکن کیا یہ مکان نشست "(بیٹھکا)" ملا صاحب کے زمانے میں "مدرسہ" بھی کہلاتا تھا؟ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، ملا صاحب کے بعد "مدرسۂ ملا نظام الدین" اور "مدرسۂ مولانائے کامل" (بحر العلوم) کے الفاظ ملتے ہیں۔

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ)

بحر العلوم کے ترک وطن (سنہ ۱۱۷۲ھ / ۱۷۵۸-۵۹ء) کے بعد بھی "مدرسۂ ملا نظام الدین" کے نام سے یہ مکان نشست "معروف رہا۔

اس مکان کی ملکیت، ظاہر ہے کہ ملا صاحب کے وارث بحر العلوم کو منتقل ہوئی، اور ان کے نقل سکونت کے بعد ان کی اولاد، جو فرنگی محل میں قیام پذیر رہی اس مکان کی مالک رہی، بحر العلوم نے جب فرنگی محل چھوڑا تو ان کے صاحبزادگان خورد سال تھے، ملا حسن فرنگی محلی، ملا محمد ولی فرنگی محلی، ملا محمد حسین فرنگی محلی، اور مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی (شاگردان ملا نظام الدین) نے استاد کی مسند درس پر فرائض قائم مقامی انجام دیئے، اور یہ وہی زمانہ ہے جب ملا محمد ولی کے بارے میں "سیٹ مدرسۂ ملا نظام الدین مدرس قوی الخدمت بود" کی بات کہی گئی ہے، بحر العلوم کے ترک وطن کے دس بارہ سال کے بعد ملا حسن فرنگی محلی بھی ترک وطن پر مجبور ہوئے اور ان کی جگہ ان کے ایک شاگرد ملا محمد مبین فرنگی محلی نے لے لی، یہاں تک کہ وہ صدی (بارھویں صدی ہجری یا اٹھارھویں صدی عیسوی) ختم ہو گئی جس کا بڑا حصہ استاذ الہند ملا نظام الدین کے غلغلۂ درس و تدریس سے معمور رہ چکا تھا، اب یہ "مدرسۂ ملا نظام الدین" بحر العلوم کی وفات (سنہ ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) کے بعد ان کے صاحبزادے ملا عبد الرب اور پوتے ملا عبد الجامع کی وراثت میں آ گیا، اس طرح وراثت اور باہمی تصفیہ سے یہ مکان موسوم بہ "مدرسۂ ملا نظام الدین" مولوی عبد الجامع کے صاحبزادے مولانا عبد الغفار کی تنہا ملکیت میں آیا، مولانا عبد الغفار کی وفات سنہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں ہوئی، اور یہ مکان ان کی بیوہ ذاکیۃ النساء کی طرف منتقل ہو گیا، مولانا عبد الغفار کا کوئی عقب نہیں رہا تھا۔ ان کی بیوہ اپنے میکے کاکوری (ضلع لکھنؤ) میں مقیم ہو گئیں۔

مدرسۂ نظامیہ مولانا عبد الغفار کی وفات کے ایک ہی سال بعد "مدرسۂ ملا نظام الدین" والے مکان میں "مدرسۂ نظامیہ" قائم کیا گیا، یہ مدرسہ، علمائے فرنگی محل پر مشتمل ایک تعلیمی ادارے انجمن مؤید العلوم نے قائم کیا تھا۔

"اس مدرسہ کا افتتاح جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہو چکا ہے ۹ رجادی الاول ۱۳۲۳ھ (مطابق ۱۹۰۵ء) کو ہوا، جو روز وفات حضرت استاذ الہند ملا نظام الدین علیہ الرحمہ کا ہے، پہلے دور میں جب مدرسہ قائم کیا گیا تھا اس کا نام "اشاعت العلوم" رکھا گیا تھا اور اس کے لیے مولانا مفتی محمد یوسف علیہ الرحمہ (وفات ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء) کا مکان کرایہ پر لیا گیا تھا جس میں اب مطبع یوسفی ہے، لیکن جب مدرسہ کو (اشاعت العلوم کی) ازسرِنو زندہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت وہ پہلا مکان خالی نہ تھا، اس لیے ارکان مدرسہ نے موقع کو غنیمت دیکھ کر استاذ الہند ملا نظام الدین علیہ الرحمہ کا مکان اہلیہ مولوی عبد الغفار صاحب مرحوم حفید حضرت مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ سے کرائے پر حاصل کر لیا، اور ملا نظام الدین علیہ الرحمہ کی زندہ یادگار کے طور پر انھی کی وفات کے دن اس کا افتتاح کیا اور چونکہ مدرسہ انھی کے متبرک مکان میں قائم کیا گیا تھا اس لیے اس کا نام بھی اپنے بانی کے نام نامی پر (ملا نظام الدین کے نام نامی پر) رکھا گیا۔"[1]

مدرسۂ نظامیہ کا افتتاح ۹ رجادی الاول ۱۳۲۳ھ (مطابق جولائی ۱۹۰۵ء) کو مکان ملا نظام الدین میں اس طرح ہوا کہ:-

صاحبزادۂ والا تبار مخدوم و محترم حضرت میاں سید خورشید احمد نبیرۂ حضرت سید السادات (سید شاہ عبد الرزاق) بانسوی رحمۃ اللہ علیہما نے بموجودگی حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ افتتاح کرایا اور تبرکاً میں نے حضرت استاذ الاساتذہ سے حدیث انما الاعمال بالنیات مشکوٰۃ شریف سے پڑھی۔[2]

---

[1] روئیداد سال دوازدہم مدرسۂ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ، تیار کردہ مولانا محمد قطب الدین عبد الوالی نائب مہتمم (مخطوطہ)، یہ روئیداد ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء کی ہے جو افتتاح مدرسہ کا بارھواں سال ہے۔

[2] مسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق صفحہ ۵ مطبوعہ ۔ از مولانا مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی۔

مکان ملا نظام الدین کو مدرسۂ نظامیہ کے لیے جب کرایہ پر اہلیہ مولوی عبد الغفار مرحوم سے لیا گیا تھا تو اس وقت مکان کی حالت یہ :-

"یہ تھی کہ صرف ایک دالان اور ایک بالاخانہ کام میں لانے کے قابل تھا اور باقی حصہ مکان کا منہدم اور بے کار پڑا ہوا تھا۔"[1]

مالکۂ مکان نے ۱۹۰۵ء میں یہ مکان مدرسۂ نظامیہ کو کرایہ پر جب دیا تھا، اس وقت اس کا صرف ایک دالان اور بالاخانہ قابلِ استعمال تھا، چار سال کے بعد ۱۹۰۹ء میں مالکۂ مکان نے اس مکان "ملا نظام الدین" کو امور خیر کے لیے، یعنی اس کی آمدنی جو ۹۶ روپے سالانہ تھی، فاتحہ، نذر نیاز وغیرہ کے لیے وقف کر دی اور اس وقف کا متولی مولانا محمد عبد الباری فرنگی محلی کو بنا دیا۔

ظاہر ہے کہ مدرسۂ نظامیہ کی ضروریات ایک دالان اور ایک بالاخانہ سے پوری نہیں ہو سکتی تھیں، اس میں اضافے کی ضرورت اور مکان موقوفہ میں باجازت واقفہ رد و بدل کی احتیاج شدید نے ارکان مدرسہ کو مجبور کیا کہ وہ کوئی قدم اٹھائیں اور یہ قدم اٹھایا گیا، جس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے :-

"مدرسہ اور مکان مدرسہ کے ابتدائی حالات اور وہ معاہدے (کذا) جو مابین مالکۂ مکان اہلیہ جناب مولوی عبد الغفار مرحوم و ارکان مدرسہ بوساطت جناب مولانا عبد الباری صاحب متولی وقف مکان مدرسہ ہوا تھا۔ ان سب کا تذکرہ گزشتہ روئیدادوں میں ہو چکا ہے۔"[2]

مذکورہ اقتباس میں "معاہدے" کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ "معاہدے .... ہوا تھا" درست نہیں ہے، یہ لفظ "معاہدہ" ہے، جیسا کہ سال دوازدہم

---

[1] روئیداد سال دوازدہم مدرسۂ عالیہ نظامیہ (مخطوطہ)، [2] روئیداد سال سیزدہم مدرسۂ نظامیہ از نائب مہتمم مولانا محمد قطب الدین عبد الوالی (مخطوطہ)

کی روئیداد میں ہے :-

"مدرسہ اور مکانِ مدرسہ کے ابتدائی حالات اور معاہدہ جو مابین مالکۂ مکان اور ارکانِ مدرسہ ہوا تھا...... الخ" [1]

"بہرحال مدرسۂ نظامیہ (موسوم بنام ملا نظام الدین) ملا صاحب کے جس "متبرک مکان" میں ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں انجمن مؤید العلوم کی نگرانی میں قائم کیا گیا تھا، نہ صرف یہ کہ اس کی آمدنی امورِ خیر کے لیے مالکۂ مکان نے ۱۹۰۸ء میں وقف کی تھی، بلکہ ارکانِ مدرسہ اور مالکۂ مکان کے درمیان "بتوسط متولی وقف مکانِ مدرسہ" ایک معاہدہ بھی ہوا تھا، ارکانِ مدرسہ نے از روئے معاہدہ مکانِ موقوفہ میں مدرسۂ نظامیہ کی ضرورت کے تحت ترمیم و اضافہ کیا :-

"آج بفضلِ ایزدی آپ حضرات مکان کی ہیئت کو متغیر اور خوش قطع پاتے ہیں جو ارکانِ مدرسہ کی ہمت اور استقلال کا نتیجہ ہے :" [2]

مکانِ مدرسہ کی ہیئت کو متغیر اور خوش قطع بنانے میں ارکانِ مدرسہ کی ہمت اور استقلال کے ساتھ جن چندہ دہندگان کا خصوصی دخل رہا ہے اُن میں :-

"سب سے پہلے رانی صاحبہ جہانگیر آباد کا شکریہ ادا کروں گا جنھوں نے پہلے بھی شرقی حصے کی تعمیر کے لیے روپیہ عنایت کیا تھا اور اب سال گزشتہ کی بارش میں (۱۹۱۳ء) جب یہ حصہ منہدم ہو گیا تو پھر انھوں نے اس حصے کی تعمیر کے لیے روپیہ عنایت کیا، ان کے بعد جناب نواب نصیر الدین صاحب کا شکریہ جس قدر بھی ارکین مجلس (مجلس مؤید العلوم) ادا کریں کم ہے۔" [3]

روئیداد سال سیزدہم میں ہے :-

---

[1] روئیداد سال دوازدہم مدرسۂ نظامیہ۔ از ناظم منصرم مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی (مخطوطہ)
[2] ایضاً [3] ایضاً

"جیسا کہ میں نے سال گزشتہ کی روئیداد میں ظاہر کیا تھا کہ خدا کے فضل و کرم سے مکان کی تعمیر اور درستگی مکمل حالت کو پہونچ چکی ہے جو کچھ حصہ باقی تھا اس کو بھی نواب نصیر الدین دہلوی کی ہمت سے خدا نے پورا کر دیا۔ اب بظاہر کوئی ضرورت بجز تعمیر بالفعل مدرسہ میں نہیں ہے :" [1]

مدرسۂ نظامیہ کی موجودہ عمارت وہی ہے جس کو "تعمیر اور درستگی" کی "مکمل حالت" سے تعبیر کیا گیا ہے، ۱۹۱۵ء کے بعد سے اب تک مکانِ مدرسہ میں کوئی رد و بدل نہیں ہوا ہے، بڑے چھوٹے سب ملا کر پندرہ کمرے اس مکانِ مدرسہ میں ہیں جو مدرسہ کے افتتاح کے وقت محض ایک دالان اور ایک بالاخانہ پر مشتمل تھا۔ [2]

۱۹۰۵ء میں اس متبرک مکان میں قائم ہونے والا مدرسۂ نظامیہ پچاس پچپن سال تک علوم عقلیہ و دینیہ کی اعلیٰ تعلیم کا مشہور مرکز رہا، اور ۱۹۲۰ء سے شروع ہونے والی قومی جنگِ آزادی میں اس کے بیشتر اراکین نے پوری طرح حصہ لیا، یہی وہ مدرسہ ہے جس نے مشہور

---

[1] روئیداد سال سیزدہم مدرسۂ نظامیہ۔ از ناظم منصرم مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی (مخطوطہ)
[2] اس تاریخی مکان کی مدرسۂ نظامیہ کے لیے نئی تعمیر اور درستگی کے "مکمل حالت" تک پہونچنے میں شاید بہت زیادہ بے محل نہ ہوگا اگر بطور اظہار تعلق خاطر، ان ہی روئیدادوں سے تھوڑا سا اضافہ ذیل میں کر دیا جائے :-

"تعمیرات کا صیغہ بھی مدرسہ میں باقاعدہ قائم ہے، جناب مولوی سخاوت اشرف صاحب اور جناب مولوی برکت اللہ صاحب ناظم تعمیرات ہیں" (روئیداد سال دوازدہم از ناظم منصرم مدرسہ)

مولوی سخاوت اشرف مرحوم (وفات ۱۹۳۰ء) راقم سطور کے والد ماجد ہیں جو علاوہ (اعزازی) ناظم تعمیرات کے مدرسۂ نظامیہ میں اعزازی مدرس بھی تھے، ان کا مدرسہ سے اعزازی تعلق ۱۹۲۳ء تک قائم رہا جس کے بعد وہ سابق ریاست حیدرآباد بسلسلۂ ملازمت چلے گئے۔ مولوی برکت اللہ مرحوم (متخلص بہ رضا فرنگی محلی شاگرد امیر مینائی) راقم کے خسر تھے (وفات ۱۹۳۶ء) اللھم اغفر لھما۔ ۱۲

محمد رضا انصاری

"قومی رہنماؤں" مسٹر محمد علی بی۔ اے (آکسن) اور مسٹر شوکت علی بی۔ اے علیگ کو ایک مخصوص جلسۂ تقسیم اسناد میں "خدمۃ الاسلام والمسلمین" کے سلسلے میں مجاہدانہ سرگرمیوں کے شاندار ریکارڈ پر "مولانا" کی اعزازی ڈگریاں دے کر "مولانا محمد علی" اور "مولانا شوکت علی" بنا دیا۔ یہ مدرسہ ۱۹۲۰ء کے بعد سے تارکینِ موالات کا مدرسہ آخر تک رہا، اور برطانی حکومت کی کبھی اور کسی قسم کی امداد اس نے قبول نہیں کی، یہاں تک کہ ہندوستان آزاد ہو گیا۔

ترکِ موالات کے ایک بڑے علم بردار مولانا محمد عبد الباری فرنگی محلیؒ کی حیات تک ہندوستان کی مسلم ریاستوں تک سے امداد نہیں لی گئی کہ "تاجِ برطانیہ" سے بہرحال وابستہ ہیں، مولانا عبد الباریؒ اس وقت مدرسۂ نظامیہ کے منصرم اور انجمن معید العلوم کے صدر تھے، ان کی وفات کے بعد (۱۳۴۴ھ) ریاست حیدر آباد اور رام پور کی امداد کو قبول کیا گیا جو ۱۹۳۶ء تک ملتی رہیں۔

تقسیم ہند کے اور اس کے بعد خاتمۂ زمینداری کے نتیجے میں مدرسۂ نظامیہ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں رہی، مگر مدرسہ جاری رہا، طلباء کے لیے وظائف کا بندوبست نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان کی تعداد گھٹتی گئی، اس کے بعد بھی مدرسہ میں فتویٰ نویسی، بلا درجہ بندی مختلف اسباق اور ابتدائی درجات کی باقاعدہ تعلیم ہوتی رہی، آخری دو تین برسوں میں پرائمری درجات، (ناظرہ قرآن اور اردو) کی پڑھائی تک تعلیم محدود ہو گئی، لکھنؤ میونسپل کارپوریشن سے پرائمری تعلیم کے لیے امداد بھی ملنے لگی تھی کہ ۱۹۷۹ء میں اس کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔

بانیٔ درسِ نظامی ملا نظام الدین کی قیام گاہ اور درس گاہ، نیز بحر العلوم کے مولد و منشاء ہونے کی وجہ سے اس مکان کی حیثیت تاریخی اور من جملہ آثار قدیمہ ہے، قدیم مشرقی علوم کے قدر دانوں کے لیے یہ مکان بلاشبہ ایک زیارت گاہ ہے، بانیٔ درسِ نظامی، ان کے درس اور خاندانِ فرنگی محل کی شاندار علمی و دینی خدمات کا اثر صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ افغانستان، ماوراء النہر اور مشرق وسطیٰ تک پھیلا ہوا ہے، بیرونی ممالک کے علماء و فضلاء اب تک فرنگی محل کے ماضی سے متاثر معلوم ہوتے ہیں، اور گاہ گاہ ان کے وفود تاریخی آثار کی زیارت کے لیے

آتے رہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ادھر دو ایک سال سے اس "متبرک مکان" کی حالت "زیارت" کے بھی قابل نہیں رہی ہے ـــــ ارباب اوقاف کی بے توجہی کا جتنا بھی شکوہ کیا جائے کم ہو

لطفِ ماضی کی جو کچھ یاد تھی باقی دل میں
اس کو بھی تیرے تغافل نے مٹا کر چھوڑا

تصانیف

"تصانیف ملا نظام الدین" ایسا موضوع ہے جو بجائے خود ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے، ظاہر ہے کہ ضمنی عنوان کے تحت اس موضوع کا پورا حق ادا کرنا ممکن نہیں، اس لیے ملا صاحب کی تصانیف کے اجمالی ذکر تک گفتگو کو محدود رکھنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

ملا صاحب کی تصانیف کے موضوعات، (۱) اصول فقہ (۲) کلام (۳) فلسفہ (۴) سیر اور (۵) حدیث ہیں:۔

۱۔ اصولِ فقہ:۔

(الف) شرح مسلم الثبوت۔

ملا صاحب کے والد ملا قطب شہید کے شاگرد، نیز ملا قطب شہید کے شاگرد ملا قطب الدین شمس آبادی کے بھی شاگرد، ملا محب اللہ بہاری (وفات ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) نے اصول فقہ میں ایک مختصر مگر نہایت جامع کتاب "مسلم الثبوت" لکھی تھی جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، آخری شارح مولانا عبد الحق خیر آبادی (بن مولانا فضل حق خیر آبادی) تھے، جن کی وفات مسلم الثبوت کے مصنف کے دو سو برس بعد ہوئی، اولین شارح ملا نظام الدین تھے، جنھوں نے ایک روایت کے مطابق ملا بہاری کی زندگی ہی میں شرح لکھی تھی اور ملا بہاری کو ارسال بھی کر دی تھی،

جس کے صفحات کی تعداد (۲۰۸) ہے۔

(ج) رسالہ صیانۃ الدین فی العقائد الاسلامیہ کی شرح:- اس شرح کا سراغ بھی رضا لائبریری (رامپور) میں ملا، جو مخطوطہ رضا لائبریری میں ہے اس کے صفحات (۱۹۸) ہیں اور شرح نامکمل ہے۔

۳۔ فلسفہ

(الف) علامہ صدر الدین شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ معروف بہ صدرا کا حاشیہ۔

یہ حاشیہ صدرا، اصل کتاب کے حاشیہ پر دیگر حواشی کے ساتھ، متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ اس حاشیے کے مخطوطے بھی پائے جاتے ہیں، دو نسخے رضا لائبریری (رام پور) میں ہیں جن کے صفحات (۲۱۸) اور (۲۴۰) ہیں، مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) کے مولانا عبد الحی کلکشن میں بھی اس کا مخطوطہ موجود ہے، اور اس کا ایک مخطوطہ حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری) میں ایسا پایا جاتا ہے جس کی کتابت ملا صاحب کی حیات میں ہوئی ہے۔

ایک عجیب بات نواب صدر یار جنگ سے اس مخطوطے کے بیان کے سلسلے میں یہ سرزد ہوئی کہ وہ "شرح ہدایۃ الحکمۃ" کو "شرح حکمۃ العین" تحریر فرما گئے۔ اپنے کتب خانے (حبیب گنج) کے لیے اس کی خریداری کے بعد نواب صاحب نے ایک خط میں بے حد مسرت اس نادر مخطوطے کے حصول پر ظاہر کرتے ہوئے مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی (ناظم ندوۃ العلماء) کو تحریر فرمایا کہ:

"آزاد (میر غلام علی آزاد بلگرامی) نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ ملا صاحب کے تالیف میں سے حاشیہ شرح حکمۃ العین صدر الدین شیرازی بھی ہے"

(کتاب صدر یار جنگ ص ۲۳۰)

حالانکہ سبحۃ المرجان میں حکمۃ العین نہیں ہدایۃ الحکمۃ ہے:-

ومن تواليفه حاشية على شرح هداية الحكمة صدر الدين الشيرازي	ملا نظام الدین کی تصانیف میں ایک حاشیہ ہے بر صدر الدین شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر ہے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں بھی بعینہٖ یہی عبارت فارسی میں تحریر کی ہے:-

"و از تالیفات او شرح ہدایۃ الحکمۃ ...."

نواب صدر یار جنگ کے قلم سے چوک یہی ہوئی کہ وہ ہدایۃ الحکمۃ کو حکمۃ العین تحریر کر گئے، اور اسی خط میں آگے وہ خود لکھتے ہیں:-

"عنوان میں (مخطوطے کے صفحہ اول پر) نام اس عبارت سے ہے۔ "نسخۂ حاشیہ مولوی نظام الدین بر شرح ہدایۃ الحکمۃ صدرا"

(کتاب صدر یار جنگ ص ۲۳۱)

میں نے خود اس مخطوطہ کو حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری) میں دیکھا اور حاشیہ صدرا (از ملا نظام الدین) کے دوسرے مخطوطوں سے اس کا مقابلہ کیا تو سب میں یکسانی پائی۔

(ب) حاشیہ شمس بازغہ۔ ملا محمود جونپوری کی شہرۂ آفاق تصنیف الشمس البازغہ پر ملا صاحب کا حاشیہ، (اصل کتاب کے حاشیہ پر دیگر حواشی کے ساتھ) طبع ہو چکا ہے، اس کا کوئی مخطوطہ ابھی تک علم میں نہیں آیا ہے۔

۴۔ سیر

اس فن میں ملا صاحب کی ایک ہی تصنیف ہے، یہ اپنے مرشد حضرت شاہ عبد الرزاق بانسویؒ (وفات سنہ ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء) کے حالات میں ہے جس کا نام مناقب رزاقیہ ہے جو کئی بار طبع ہو چکی ہے اور اس کے مخطوطے بھی پائے جاتے ہیں، لیکن ملا صاحب کے قلم کا لکھا مسودہ دستیاب نہیں ہے، اس کتاب کی شرح ملا صاحب کے پوتے ملا عبد الاعلیٰ بن بحر العلوم (وفات سنہ ۱۲۰۰ھ) نے لکھی ہے، جس کا نام محاسن رزاقیہ ہے، اس کے مخطوطے پائے جاتے ہیں۔ اصل اور شرح دونوں فارسی میں ہیں، اصل کتاب کا اردو ترجمہ بھی نصف صدی قبل شائع ہوا تھا، ملا عبد الاعلیٰ نیز ولی اللہ فرنگی محلی (وفات سنہ ۱۲۷۰ھ) کی تصریح کے مطابق ملا صاحب کی یہ تصنیف صرف مرتب پائی تھی، مصنف کو اس پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے اس کے متعدد مخطوطوں میں

خاصا اختلاف ہے۔

بہر حال جس حالت میں بھی یہ تصنیف ہے ایک فاضل اجل کی تصنیف ہے، جس کی اپنے مرشد سے عقیدت انتہائی درجے پر پہونچی ہوئی ہے، پھر بھی عقیدت سے سرشار قلم کہیں بھی حدود سے متجاوز نہیں ہوا ہے، یہ اختصار اور علمی و فقہی نکتوں سے مملو تذکرہ ہے کہ اہل علم، اہل ذوق دونوں کو اس میں کشش کا پورا سامان مل جاتا ہے۔

اس تذکرہ کا نمایاں ترین پہلو اس کے مصنف کا ——— جو علامۂ وقت اور استاذ الاساتذہ بھی ہے ——— عجز و انکسار ہے، پوری کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں آنے پایا جس میں ادعائے علم کا شائبہ بھی ہو سکے۔ اس کے برعکس اپنے علم و فضل کو اپنے امی (ناخواندہ) شیخ کے عرفان کے آگے ہیچ سمجھنے کی متعدد بے ساختہ مثالیں مناقب رزاقیہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مثلاً: ملا صاحب کا بیان ہے کہ: ایک روز بندۂ درگاہ اور دوسرے مریدین حاضر تھے حضرت (سید صاحب) نے فرمایا: مرشد ہمارا پیر دستگیر میر سید عبد الصمد علیہ الرحمۃ کو میں نے عالم کشف میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں "آج دوشنبہ ہے اور آج میں نے قید خانۂ حیات سے رہائی پائی اور لقائے حبیب سے ہمیشگی نصیب ہو گئی" بعض پیر بھائی گجرات سے آئے اور انھوں نے بتایا کہ حضرت میر سید عبد الصمد (حضرت سید صاحب کے پیر و مرشد) کا انتقال منگل کے روز ہوا، حضرت سید صاحب نے فرمایا: مجھے حیرت ہوئی کہ کیا کشف میں بھی غلطی ہو سکتی ہے؟ حالانکہ ایسا ہونا بعید ہے۔ بندے نے عرض کیا: اولیاء اللہ کے معاملے "تعبیر پذیر" ہوتے ہیں، حضرت سید صاحب نے فرمایا: صحیح ہے، اولیاء اللہ کے معاملے "تاویل پذیر" ہوتے ہیں جیسا کہ سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ و علی نبینا و آلہ الطاہرین کو پیش آیا، چونکہ حضرت سید صاحب نے مجھ سے یہی قصد فرمایا تھا اس لیے بندے نے عرض کیا:

خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ و علی نبینا و آلہ　　　حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ و

چو طور لاحق شدہ بعض یاران گفتند کہ
آں قصہ را ای داں سوال از بہر چیست
گفتم برائے کہ بزبان مبارک ہویدا فرمایند۔

علی نبینا و آلہ کو کس طرح کا معاملہ پیش آیا تھا؟ بعض موجود پیر بھائیوں نے کہا "آپ خود اس معاملے کو اچھی طرح جانتے ہیں پھر حضرت سے یہ استفسار کس لیے کر رہے ہیں؟"

میں نے جواب دیا: اس لیے استفسار کر رہا ہوں کہ حضرت اپنی زبان مبارک سے اس معاملے کو بیان فرمائیں۔

یہ صرف ایک مثال ہے، اس سے ملتے جلتے بہت سے واقعے مناقب رزاقیہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ سوانح اولیاء اللہ کے مصنفین عام طور پر اسی طرح کی انکساری اور بے مقداری کا انداز اپنے لیے اختیار کیا کرتے ہیں، لیکن اول تو اتنا بڑا عالم و فاضل مصنفین سوانح اولیاء اللہ میں شاذ و نادر کوئی دوسرا ملے گا، دوسرے ایسے عظیم فاضل کا مرشد ظاہری علم و فضل سے بالکل ہی بیگانہ ہو، ایسا تو بہت ہی نادر ہے، ایسے مرشد کی جلالت شان سے ایک فلسفی، منطقی، متکلم اور بحاث کا اس درجہ مغلوب ہونا اور اپنی علمی عظمت و وقار کو اس کے حضور میں لاشے محض یقین کر لینا، ایک عدیم النظیر واقعہ ہے، تیسرے یہ کہ دوسرے مصنفین سوانح کی تحریروں میں احساس بے مقداری و ہیچ میرزی کی وہ بے ساختگی کم پائی جاتی ہے جو ملا صاحب کی تصنیف 'مناقب رزاقیہ' میں لفظ لفظ سے مترشح ہے۔

۵۔ حدیث

بانی درس نظامی کی طرف حدیث سے متعلق کسی تصنیف کا انتساب ان لوگوں کے لیے یقیناً حیرت کا باعث ہوگا جو یہ سنتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں کہ درس نظامی میں حدیث اور تفسیر سے بالکل بے توجہی برتی گئی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ملا صاحب کی ایک تصنیف

"دربیان وضوء مسنون" بھی ہے، جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ کسی فقہی کتاب کے باب الطہارت کے قسم کی کوئی تصنیف نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طریقۂ وضو کے سلسلے میں جو احادیث صحیحہ مروی ہیں اُن پر مبنی وضو کے مسنون طریقے کا بیان ہے! اس تصنیف کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس قدر جزئی اور فروعی مسئلے پر ملا صاحب نے قلم کیوں اٹھایا؟ یہ سوال بہت سے ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے

'مناقب رزاقیہ' میں ملا صاحب نے حضرت سید صاحب کا ایک کشف نقل کیا ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہی سبب 'رسالہ وضو' کی تصنیف کا ہو، ملا صاحب فرماتے ہیں

در تیمم از بعض حاضرین پرسید کہ تیمم تا بندِ دست کفایت ماند یا نہ؟ چون درین نواح مردم حنفی المذہب بستند چنانچہ حضرت قدس سرہ الاصفیٰ ہم در اعمال حنفی بود، گفتند کہ کفایت نہ دارد، فرمود مرا معلوم می شود کہ کفایت دارد یا گفت کہ خبر می دہد کہ کفایت دارد۔

ایک دفعہ حضرت سید صاحبؒ نے تیمم کے بارے میں حاضرین مجلس سے پوچھا کہ گٹوں تک تیمم کرنا کافی ہے یا نہیں؟ اس جگہ کے لوگ چونکہ حنفی ہیں اور حضرت سید صاحب بھی اعمال میں حنفی مسلک پر عمل کرتے تھے، حاضرین نے عرض کیا، گٹوں تک کافی نہیں ہے کہنیوں تک تیمم ضروری ہے، سید صاحب نے فرمایا: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ گٹوں تک ہی کافی ہے۔ یا سید صاحب نے اس طرح فرمایا: خبر دیتے خبر دیتے کہ گٹوں تک تیمم کافی ہے۔

حضرت سید صاحب بانسویؒ کی بولی دیہاتی بولی تھی اور وہ عموماً اپنے الہام کو "خبر دیت" (یعنی ملہم غیب بتا رہا ہے)، کے الفاظ سے بیان فرماتے تھے۔

ہر حال یہ واقعہ، حضرت سید صاحبؒ کے کشف پر ختم ہو جاتا تو کوئی بات نہ تھی، اس کے

بعد ہوا یہ کہ:۔

بعض طلبۂ علم چون عقیدت کلی بجناب عالی نداشتہ تکلم کردند کہ بچہ طور کفایت دارد کتب فقہیہ بخلاف آن ناطق۔

بعض اہل علم نے جو حضرت سید صاحبؒ سے پوری عقیدت نہیں رکھتے تھے معترض ہوئے، ان کا کہنا یہ تھا کہ گٹوں تک تیمم کیسے کافی ہو سکتا ہو جبکہ کتب فقہیہ (احناف)، اس کے خلاف صاف و صریح حکم دے رہی ہیں

مرشد پر لوگوں کا اعتراض ملا صاحب کے لیے تکلف بن گیا، اس کے آگے اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

کہنیوں تک تیمم ضروری ہے یا گٹوں تک اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہو، حضرت امام اعظم اور صاحبین (رحمہم اللہ) کہنیوں تک کے قائل ہیں، امام شافعی قول قدیم کے مطابق اور دوسرے مسلک کے فقہاء کی ایک جماعت گٹوں تک تیمم کو کافی قرار دیتی ہے، مگر حنفی مسلک سے ہٹ کر ایک محقق کے انداز میں ملا صاحب فرماتے ہیں:۔

واکثر احادیث صحاح مؤید قول امام شافعی وغیرہ است و ظاہراً فتویٰ حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ الاصفیٰ ہمیں است

اور اکثر صحیح حدیثیں امام شافعی وغیرہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں (کہ گٹوں تک تیمم کافی ہی) اور بظاہر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا فتویٰ بھی یہی ہے۔

حضرت سید صاحبؒ کے اس کشف کی تائید میں ملا صاحب معترضین کو ایک اور جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اشیاخ حضرت چنانچہ حضرت سری سقطی و حضرت غوث اعظم کہ عامل بمذہب امام شافعی و یا احمد بن حنبل بر ہمیں است ہیں۔

حضرت سید صاحبؒ کے مشائخ سلسلہ جیسے حضرت سری سقطی اور حضرت غوث اعظم جو امام شافعی یا احمد بن حنبل کے مسلک پر عامل تھے

تکلم بچہ طور است

اسی رائے کے تحت کہ گٹوں تک تیمم کافی ہو۔ ایسی حالت میں حضرت سید صاحبؒ پر اعتراض کے کیا معنی ہیں؟

اس کے بعد ملا صاحبؒ کشف کی حمایت ایک اور پہلو سے کرتے ہیں:۔

و مع ہذا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ مرفوعاً روایت می کند کہ اختلاف امتی رحمۃ پس احتمال دارد کہ حضرت قدس سرہ الاعلیٰ کہ تیمم بکفایت تا بند دست شدہ باین رحمت مبشر شدہ بودہ باشند والاول اوجہ واللہ اعلم

مزید یہ کہ امام مالکؒ نے مرفوعاً روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: میری امت کا (فقہی) اختلاف رحمت ہے، تو ہو سکتا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کو گٹوں تک تیمم کے کافی ہونے کا جو الہام ہوا اس کا مقصود یہی ہو کہ اس رحمت سے وہ مبشر کیے گئے ہوں، مگر پہلی بات احادیث صحاح والی زیادہ قوی ہو۔ واللہ اعلم۔"

تیمم کی اس بحث میں ’مقلدین جامدین‘ کا جو رویہ رہا، ہو سکتا ہے کہ ملا صاحب اسی بے لچ رویے سے بددل ہو کر وضو کے اس طریقے کی وضاحت کی طرف متوجہ ہوئے ہوں، جو احادیث صحاح پر مبنی ہے، جس سے فقہی مسلک کو عین سنت سمجھنے والوں کی غلط روش کی اصلاح مقصود ہو۔ لیکن یہ سب قیاس آرائی ہی ہے، اس لیے کہ ملا صاحب کا یہ ”رسالۂ وضو“ بھی اب دسترس سے باہر کا معاملہ بن چکا ہے، اس رسالے کے کسی مخطوطے کا ابھی تک پتہ نہیں چلا ہے

پیر و مرشد

حضرت سید شاہ عبد الرزاق بانسویؒ

استاذ الہند ملا نظام الدین محمد کی فروتنی، عاجزی، خاکساری اور بردباری کے نمونے واقعات اور خود ملا صاحب کی نجی تحریروں کے ضمن میں اوپر گزرے، بظاہر ان کا بنیادی سبب تو وہ ہولناک واردات ہے جس سے ملا صاحب نو عمری ہی میں دوچار ہوئے تھے، ۱۴ سال کی عمر میں آنکھوں کے سامنے نامور والد ماجد کی شہادت، گھر کی تاراجی اور خود اپنی اسیری وہ زبردست سانحے تھے جنہوں نے ملا صاحب کو تمام عمر کے لیے رقیق القلب اور حلیم بنا دیا۔ تاریخ اسلام میں اس کی نظیر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی سیرت میں نظر آتی ہے جن کی نگاہوں میں پورا حادثۂ کربلا اس طرح بسا رہا کہ تمام عمر کسی نے ان کو شادماں نہیں دیکھا، ملا نظام الدین پر جو کچھ گزرا اس کا بھی فطری تقاضا یہ تھا کہ ان کا قلب رقیق و گداز ہو، اور ان کے مزاج میں عجز و انکسار کا پورا دخل ہو جائے۔ تاہم ملا صاحب کے اس مخصوص مزاج کے استحکام اور درجۂ کمال تک پہونچنے میں اس رشتے کا بھی بڑا ہاتھ نظر آتا ہے جو ان کے پیر طریقت حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۱۳۶ھ) سے غلامی اور نیاز مندی کا تھا۔

استاذ الہند کے سوانح حیات کا یہ پہلو، عقیدت و ارادت کی تاریخ کا انتہائی روشن باب ہے، وہ جس کے علم و فضل کے آگے بڑے بڑوں کی گردنیں خم ہوتی تھیں اور وہ جس کا جاری کردہ نصاب ــــــ درس نظامی ــــــ اکیلے اپنے عہد ہی میں نہیں صدیوں بعد تک علم و فضل کا اعلیٰ معیار بنا رہا اور وہ جس کی معقولات کی ہمہ گیری اوج کمال تک پہونچی ہوئی تھی

ایک ناخواندہ بلکہ اُمّی محض کے آستانے پر جبینِ عقیدت رکھے نظر آئے تو تاریخ کا طالب علم اس جگہ حیرت سے کھڑا اس نادر الوقوع واقعے کے اسباب و علل پر پوری توجہ صرف کرتا نظر آئے گا۔ بلاشبہ اس بظاہر عجیب واقعے میں استاذ الہند کی سیرت اتنی زیادہ معرضِ بحث میں نہیں آئے گی جتنی اس مرشد اور پیرِ طریقت کے علوئے مرتبت کی تحقیق اور تفتیش جس نے منطق و فلسفہ کے امام الوقت کو اپنی تربیت و ارشاد کا محتاج بنا کر رکھ دیا، اور چونکہ علوئے مرتبت کا ادراک ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں اس لیے جو اس میدان کا مرد نہیں وہ حیرت میں مبتلا رہ جاتا ہے کہ یہ کیسے ہو گیا کہ اتنا بڑا فاضل ایک اَن پڑھ پیرِ طریقت کا اس درجہ عقیدت مند ہو جائے!

یہ حیرت ذہنوں میں صرف ایک خلش بن کر نہیں رہ گئی تھی اور نہیں رہی! دوسرے نہیں خود گھر والے ملا صاحب کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا حیرت ہی نہیں بلکہ خاصی ناراضگی کے ساتھ کہتے تھے:۔

"تعجب ہے کہ اس علم و عزت کے باوجود آپ نے ایک ناخواندہ جاہل فقیر کی بیعت کر لی اور خاندان کی عزت کا بھی کوئی پاس نہیں کیا۔"

حلیم الطبع بھائی چھوٹے بھائی کے اس انداز پر غصہ نہیں ہوتے بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے تھے:۔

"محمد رضا! جس معاملے پر تم اعتراض کر رہے ہو وہ ایک ایسی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا ادراک بغیر اس کیفیت کے حصول کے ممکن نہیں ہے، اگر الفاظ و بیان کے ذریعہ اس کا سمجھانا ممکن ہوتا تو میں تمہاری تشفی ضرور کر دیتا۔"

غور کرنے کی بات ہے کہ وہ جو افلاطون، ارسطو، بو علی سینا، فارابی اور طوسی کے پیچیدہ خیالات اور باریک نظریات سے شب و روز کھیلنے کا عادی ہو وہ اس "لطیف کیفیت" کے شرح و بیان سے اس درجہ اپنے کو عاجز ظاہر کرے!

استعجاب اس وجہ سے اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ ملا نظام الدین نے "پیرِ طریقت" کا انتخاب خود کیا تھا، یہ نہ تھا کہ خاندانی طور پر وہ اس سلسلۂ بیعت سے وابستہ چلے آ رہے ہوں، اور انھوں نے

محض اس رشتہ کی تجدید کر کے خاندانی روایات کی تعمیل کر لی ہو، ایسا ہوتا تو چنداں تعجب نہ تھا مگر ایسا نہیں ہوا — ملا صاحب کے والد ماجد ملا قطب الدین شہید سہالوی، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کے جانشین اور خلیفہ قاضی گھاسی کے — جن کا پورا نام قاضی صدر الدین تھا — مرید اور خلیفہ تھے اور ملا قطب شہید کے دونوں بڑے بیٹے محمد اسعد اور ملا محمد سعید، جیسا کہ تذکروں میں ضمنی طور پر ملتا ہے، اپنے والد ماجد کے مرید ہوئے تھے، اور ان سے خلافت بھی پائی تھی، منجھلے صاحبزادے ملا نظام الدین محمد کے لیے بظاہر حالات، یہی راہ کھلی ہوئی تھی کہ وہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں جو ان کے والد ماجد کا سلسلہ تھا مرید ہو جاتے! لیکن انھوں نے اپنے پیرِ طریقت کو خود پا لیا، اور ایسا پیر پایا جو عام نگاہوں میں اَن پڑھ اور اُمّی تھا لیکن علم و فضل کی نکتہ رس نظر میں وہ اس رتبے پر پہونچا ہوا تھا کہ علم و فضل کو اس کے قدموں پر نثار کر دینا بھی نفع کا سودا نظر آیا، پھر بھی یہ پہلو تحقیق طلب رہ جاتا ہے کہ وہ ظاہری اسباب کیا تھے جنھوں نے ایک عالم فاضل کو ایک اُمّی بزرگ کے آستانے تک پہونچا دیا۔

خواب و خیال کی باتیں عام تاریخ میں خواہ کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں لیکن عقیدت و ارادت کی تاریخ میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ رویائے صادقہ کو منجملہ اقسامِ وحی قرار دیا گیا ہے، بہت زیادہ قدیم روایت تو اس سلسلے میں کوئی نہیں ملی: مولانا عبد الباری فرنگی محلی (وفات ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء) نے اپنے بزرگوں سے سلسلہ بسلسلہ سُن کر تحریر کیا ہے:۔

"ملا نظام الدین اور ان کے بھتیجے ملا احمد عبد الحق نے ایک ہی رات میں خواب دیکھا کہ حضرت غوث پاکؓ کے دربار میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری بھی ہیں اور حضرت غوث پاکؓ فرما رہے ہیں کہ ان دونوں کو (ملا نظام الدین اور ملا احمد عبد الحق کو) ہمیں دیدو، خواجہ صاحبؒ نے دونوں کو ہاتھ پکڑ کر حاضر کر دیا، حضرت غوث پاکؓ نے دونوں کو ایک صاحب کے حوالے کر دیا، یہ صاحب، جو کہ پس پشت کھڑے ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں دے دیا، ہاتھ میں دیئے ان کی صورت دونوں نے دیکھی اور خوب یاد کر لی۔ صبح کو دونوں نے

ایک دوسرے سے اپنا خواب بیان کیا۔ ملا نظام الدین نے فرمایا کہ غالباً ہماری تمہاری قسمت
میں ان ہی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔" (فیوض حضرت بانسہ مطبوعہ)

جن صاحب کے ہاتھ میں ان دونوں کے ہاتھ دیے گئے اُن سے بیداری میں ملاقات کب
ہوئی اور کہاں ہوئی؟ اس سوال کا کوئی صریح جواب تذکروں میں نہیں ملتا، یہاں تک کہ خود ملا صاحبؒ
نے اپنے مرشد کے حالات میں جو رسالہ تحریر فرمایا ہے اور جو اس وقت ہماری دسترس میں ہے
وہ بھی اس سوال کے جواب سے خالی ہے۔ اس جگہ بھی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی سماعی روایت
کا سہارا لینا پڑتا ہے جو واقعہ کے دو سو برس کے بعد قلم بند ہوئی، لیکن اس تاخر زمانی سے یہ لازم
نہیں آتا کہ روایت مستند نہیں رہی یا ضعیف ہو گئی، اس لیے لازم نہیں آتا کہ ملا صاحب کا ایک
ہی بزرگ کے ہاتھ پر مرید ہو جانا ایسا واقعہ تھا کہ ہر زمانے میں خاندان کے لوگوں میں اس
نادر الوقوع معاملے کا ذکر ہوتے رہنا ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی تھا۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:-

"مجھے اپنی سماعت سے یاد پڑتا ہے کہ اکثر اکابر سے یوں سنا ہے کہ اس کرامت کے
ہم معنی (اس کرامت کا ذکر تفصیل سے آگے آرہا ہے) ذکر حضرت ملا نظام الدین کے درس
میں بھی ہوا۔ ملا صاحب کے طلباء شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر رہتے تھے، باہم بحث
کرنے لگے کہ ملا صاحب نے دلائل عقلیہ سے ہم کو ساکت تو کر دیا مگر یہ بات ناممکن ہے۔
حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ تشریف لائے یا پہلے سے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا
"کیا بحث کر رہے ہو؟" ایک طالب علم نے کہا: "تم کیا جانو جاہل سپاہی! یہ علمی بحث ہے"
آپ نے فرمایا "علم کی باتوں سے جاہل خالی تو بھاگتے ہیں"؟ غرضکہ ایک طالب علم نے
بحث کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا "تم لوگ معقول بھی جانتے ہو کہ بعد وقوع کے امکان سے
بحث نہیں ہوتی۔ اگر تم اس امر کو واقع میں دیکھ لو تو پھر تم کو قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا؟"
اس کے بعد طلباء نے کرامت کا مشاہدہ کر لیا، حضرت سید صاحبؒ پر اس وقت جلال

طاری تھا۔ مصنف "فیوض حضرت بانسہ" کے الفاظ میں:-

"آپ نے فرمایا، جناب رسالت مآبؐ بڑے مرتبے کے ہیں۔ ان کے خادموں کی یہ
نورانیت ہے کہ جب کثیف جسم سے مس کر جائیں اس کو نورانی کر دیتے ہیں، چنانچہ اسی
حالت غیظ میں کہا۔ یہ مسجد ہے اس کے ستون سے مجھ کو باندھو وہ خشتی ستون جو اب
تک ہے، حضرت کی کمر میں باندھا گیا اور چادر نکل آئی۔"

'خشتی ستون' جس کا ذکر مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی نے فرمایا ہے ان کی تحریر کے
وقت تک گویا آج سے پچاس سال قبل تک موجود تھا، مگر اب نئی تعمیر میں جو اس کے بعد ہوئی
باقی نہیں رہا، لکڑی کے ستون کے بجائے سیمنٹ اور اینٹوں کے کھمبے بن گئے ہیں۔

بہرحال مولانا عبدالباری صاحبؒ نے اس کے بعد تحریر فرمایا ہے:-

"یہ قصہ صدور کرامت کا واقعہ جو ملا نظام الدین کے شاگردوں کے سامنے شاہ
پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر پیش آیا تھا، حضرت ملا نظام الدین نے سنا اور حلیہ حضرت کا
دریافت کیا تو وہ خواب جو انھوں نے دیکھا تھا کہ حضرت غوث اعظمؒ نے ان کو حضرت
خواجہ بزرگ سے مانگ کر ایک بزرگ کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے دیا تھا، یاد آیا، حلیہ مطابق ان
بزرگ کے حلیہ کے پایا، یہی امر حضرت ملا نظام الدین اور حضرت ملا عبدالحق (فرنگی محلی)
قدس سرہما کے داخل سلسلہ ہونے کا ہوا" (فیوض حضرت بانسہ)

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ملا صاحب نے بچشم خود کرامت کا مشاہدہ نہیں کیا، بلکہ ان کے طلباء نے
جو شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلے پر رہتے تھے، صدور کرامت کا واقعہ بیان کیا تھا۔ ملا صاحب نے
ان بزرگ کا حلیہ دریافت کیا جن سے کرامت صادر ہوئی تھی۔ طلباء نے جو حلیہ بتایا وہ بالکل وہی
تھا جو خواب میں دکھائے گئے بزرگ کا تھا، اب کوئی وجہ تاخیر کی نہ تھی، ملا صاحب اور ان کے
بھتیجے اسی جگہ پہونچے جہاں ان بزرگ کے قیام فرما ہونے کا گمان تھا، اور ملاقات کے بعد
تصدیق بھی کر لی کہ بعینہ وہی بزرگ ہیں جن کی زیارت خواب میں ہوئی تھی، دونوں حضرات ان کے

مرید ہو گئے۔

مگر یہ کرامت کیا تھی؟ جسم نورانی سے کپڑے کا جو جسم پر بندھا ہو، بے بغیر کھولے آر پار نکل جانا! اس کرامت کا ذکر خود ملا صاحب نے اپنے مرشد کے ذکر پر مشتمل رسالہ "مناقب رزاقیہ" میں کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا ہے کہ یہی کرامت ان کے مرید ہونے کا باعث ہوئی۔ ملا صاحب نے کرامت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"بعض علماء کی محفل میں معجزے کی بحث چھڑی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے پر جو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کی ردائے مبارک اگر آگے یا پیچھے کھینچی جاتی تو آپ کا جسم مبارک حائل نہ ہوتا اور بے تکلف ردائے مبارک ادھر سے ادھر نکل آتی تھی، اس محفل علماء میں لوگ انکار کے انداز میں اظہار تعجب کر رہے تھے، حضرت سید صاحب بانسویؒ نے فرمایا:۔ حضور انور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ کے فیضان سے آپ کی امت کے امین جو یعنی خلفاء آپ کے ہیں، یہی کر سکتے ہیں، پھر حضرت سید صاحب نے فرمایا:۔ میری چادر کھینچو۔ حضار مجلس نے حسب الحکم چادر کھینچی اور وہی بات پائی کہ چادر کے دونوں سروں کو پکڑ کر گھسیٹ لیا اور وہ کھنچ آئی جسم مبارک مانع نہیں ہوا۔" (مناقب رزاقیہ صفحہ ۸)

"مجلس علماء" کی کوئی وضاحت ملا صاحب نے نہیں فرمائی اور یہ بھی تحریر نہیں فرمایا کہ اس کرامت کا صدور کہاں ہوا۔ صاحب عمدۃ الوسائل النجاۃ ملا ولی اللہ فرنگی محلی (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے جنھوں نے ملا صاحب کی تصنیف "مناقب رزاقیہ" کو از سر نو ترتیب دے کر اور متعدد اضافوں کے ساتھ مکمل کر کے اس کا نام "عمدۃ الوسائل النجاۃ" رکھا، اس کرامت کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس تفصیل کے بیان کے بعد جو ملا صاحب نے تحریر فرمائی ہے ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

"محفل علماء میں معجزے پر بحث کے دوران بعض تو یہاں تک بہک گئے کہ

کفر کے قریب ہو گئے، جیسے شک اور تردد میں جا پڑے۔ حضرت سید صاحب کو غیبی حکم ہوا کہ ان لوگوں تک پہنچو اور انھیں گمراہی کے بھنور سے نجات دلاؤ، فوراً حضرت سید صاحب علماء کی محفل میں پہنچے، کہتے ہیں کہ یہ وہ دور تھا جب حضرت سید صاحب فوجی دربار میں ملازمت کرتے تھے اور سپاہیوں جیسی وضع اور لباس میں رہتے تھے، آپ نے وہاں پہنچتے ہی حاضرین محفل کو سلام کیا اور ان سے فرمایا۔۔۔۔۔

حضار مجلس سے سید صاحب نے وہی کہا فرمایا جس کا ذکر ملا نظام الدین نے "مناقب رزاقیہ" میں کیا ہے۔ ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ حضار محفل نے حضرت سید صاحب کے ارشاد کو خود مداخلت سمجھا بلکہ آپ کا دخل انھیں ناگوار ہوا، خاموش رہنے کی ہدایت کر کے وہ پھر بحث و تکرار میں لگ گئے، دوبارہ حضرت سید صاحب نے انھیں یہ کہہ کر اپنی طرف متوجہ فرمایا کہ

"آنحضرتؐ کے اس معجزے میں شک کی کیا وجہ ہے؟ جسم نورانی سے ردائے مبارک کا بندھے بندھے نکل آنے کا معجزہ آنحضرتؐ پر ختم نہیں ہو گیا ہے، آپ کی امت کے اولیاء سے بھی اس کا بطور کرامت صدور ممکن ہے۔"

حاضرین محفل نے مطالبہ کیا کہ "اگر تم سے اس کا صدور ممکن ہو تو دکھاؤ" شک آپ ہی کا رفع ہو جائے گا۔ ملا ولی اللہ لکھتے ہیں:۔

"اس وقت حضرت سید صاحب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ آپے میں نہیں معلوم ہوتے تھے، جلال ربانی کا پوری طرح ظہور آپ سے ہو رہا تھا۔"

پھر وہی عمل ہوا جیسا کہ ملا صاحب نے صدور کرامت کے سلسلے میں مناقب رزاقیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

ملا نظام الدین کی "مناقب رزاقیہ" غالباً واحد کتاب ہے جو حضرت سید عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ مستند ترین لکھی ہے نہ صرف اس لیے کہ مصنف کا مرتبہ علمی بہت بلند ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ یہی وہ کتاب ہے جو [illegible]

ہوئی ہم تک پہونچ پائی ہے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی کے بیان کے مطابق ملا صاحب کی یہ تصنیف کامل اور جامع نہیں ہے، وہ اپنی تصنیف "عمدۃ الوسائل للنجاۃ" کا سببِ تالیف بیان کرنے کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"یہاں تک کہ اچانک خیال ہوا کہ عارف کامل رئیس علماء مقتدائے زمان قطب الاقطاب مولانا نظام الدین سہالوی (ثم فرنگی محلی) قدس سرہٗ کی تالیف کردہ رسالہ مناقب رزاقیہ کہ جس کی تصحیح و ترتیب کا موقع مصنف کو نہیں مل سکا تھا اور نقل کرنے والوں کی تحریف نے اس کی عبارت کو اور مسخ کر کے فارسی اسلوب تک سے ہٹا دیا تھا حتی المقدور درست کیا جائے، اور ملا صاحب نے اپنے رسالے میں جو حالات جمع کئے ہیں ان کو سلیس فارسی میں ایسی ترکیب کے ساتھ پیش کیا جائے کہ ہر خاص و عام اس سے فائدہ اٹھا سکے، لیکن اس بارِ عظیم کے اٹھانے کی ہمت نہیں ہو پاتی تھی....

ملا نظام الدین کا تالیف کردہ تذکرہ "مناقب رزاقیہ" جامع و کامل نہ ہونے نیز نظرثانی سے محروم ہونے کے باوجود ایک ماہر مصنف اور ایک مستند عالم دین کی تصنیف ہے، اور ایسی تصنیف ہے جو عقیدت و ارادت کے بے محابا اظہار پر مشتمل ہوتے ہوئے بھی افراط و تفریط سے یکسر معدوم و محفوظ ہے، عقیدت مند مصنف کا قلم نشۂ ارادت میں سرشار ہونے کے باوصف جادۂ اعتدال سے سر مو انحراف نہیں کرتا، کرامات و الہامات کے ذکرِ فراواں کے دوران بھی احادیث و اقوالِ فقہا سے سندیں اور تائیدیں پیش کرتا جاتا ہے۔

ملا صاحب کی مناقب رزاقیہ ہی وہ تنہا کتاب ہے جسے حضرت سید صاحب بانسوی کی معاصر تاریخ سے یاد کیا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اور بھی معاصر تاریخیں اور سوانح حیات ہوں مگر ہم تک وہ پہونچ نہیں سکیں، ملا صاحب کے شاگرد رشید ملا کمال الدین سہالوی (متوفی ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء) نے بھی اپنے مرشد حضرت سید صاحب بانسوی کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا سراغ اب کہیں نہیں ملتا ہے، صدر الدین محمود انصاری فتحپوری .... کی

تصنیف "انضمام الانساب" (مخطوطہ) میں اس کا حوالہ ہے۔

ملا نظام الدین محمد قدس سرہ اور ملا کمال الدین محمد قدس سرہ نے سید عالی نسب حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی کی کرامتوں کے بیان میں رسالے تصنیف کیے ہیں اور ان کے نام مناقب رزاقیہ رکھے ہیں، میرے جیسے بے مایہ اور تہی دست کی مجال کہاں کہ ملا صاحب کی درج رسائل میں لب کشائی کروں۔

ملا کمال الدین کی تصنیف کردہ مناقب رزاقیہ ہمارے لیے معدوم ہو چکی ہے، بہرحال ملا نظام الدین کی مناقب رزاقیہ موجود ہے اور کئی بار طبع ہو چکی ہے، اعتبار اور اسناد میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے، اس کے بعد مستند اور معتبر ہونے میں ملا ولی اللہ فرنگی محلی کی کتاب عمدۃ الوسائل للنجاۃ کا درجہ ہے۔ ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اپنی تصنیف حضرت سید صاحب بانسوی کے وصال پر پچھتر سال گزرنے سے قبل ہی مرتب کر لی تھی، تعجب نہ ہونا چاہیے اگر عمدۃ الوسائل کے مصنف نے صد ہا کرامات کی تفصیل دیکھنے والوں سے یا دیکھنے والوں سے براہ راست سننے والوں سے سن کر اپنی کتاب میں درج کی ہو۔

پھر بھی "محفلِ علماء" کی تفصیل و وضاحت نہیں ہو پائی، یہ وضاحت "ملفوظ رزاقی" اور "کرامات رزاقیہ" کے مصنف نواب محمد خاں رزاقی شاہجہانپوری نے کی ہے، نواب صاحب نے اپنی تصانیف میں تمام واقعات اپنے ان بزرگوں سے جن کو حضرت سید صاحب کے سلسلے سے قریبی تعلق تھا، اور اپنے مرشد زادوں سے سن کر درج کیے ہیں، نواب صاحب کے پیر و مرشد حضرت شاہ غلام علی بانسوی (متوفی ۱۲۲۶ھ) تھے جو حضرت سید صاحب بانسوی کے فرزند کے فرزند تھے، ملفوظ رزاقی کا بیان ہے:۔

ایک روز حضرت سید صاحب بانسوی قصبہ مروان میں تشریف رکھتے تھے، ستی ندی پر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو فرما رہے تھے کہ نام کا ایک طالب علم اپنے استاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے عقلی دلائل کی بنا پر انکار کر رہا ہے، قریب ہو کر

اس کا ایمان زائل ہو جائے، فوراً پہنچو اور اس کے ایمان کو قائم اور سلامت رکھنے کی تدبیر کرو، حضرت سید صاحب حکم خداوندی کے بموجب مولوی ابی الفتح کے مکان پر قصبۂ نیوتنی (جو قصبہ موہان سے قریب ہی ہے) اچانک وضع میں تلوار حمائل کیے چند تیر اور کمان ہاتھ میں اٹھائے گھوڑے پر سوار تشریف لے گئے۔

اس کے بعد ملفوظ رزاقی کے مصنف نے صدور کرامت کا واقعہ اسی طرح لکھا ہے جس طرح مناقب رزاقیہ اور عمدۃ الوسائل میں ہے، ملفوظ کے مصنف کے بیان سے معلوم ہوا کہ مولوی ابو الفتح کی محفل تھی، جسے "در محفل علما" کے الفاظ سے استاذ الہند ملا نظام الدین نے مناقب رزاقیہ میں ذکر کیا ہے، مناقب رزاقیہ کے ایک محشی میاں سید شاہ غلام جیلانی بانسویؒ کے الفاظ میں "جناب ملا شیخ ابو الفتح عثمانی حنفی چشتی نیوتنوی مرید جناب شاہ پیر محمد لکھنویؒ" ہیں۔

ملفوظ رزاقی کے بیان کے مطابق صدور کرامت نیوتنی ضلع اناؤ (یوپی) میں ہوا، عجب نہیں کہ اس واقعہ کی شہرت لکھنؤ تک پہونچی ہو جو نیوتنی سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے، ایسی نادر الوقوع کرامت کا ذکر جو دلائل عقلیہ کی رو سے قابل قبول نہیں ہو سکتا، استاذ الہند ملا نظام الدین کے ایسے معقولی اور فلسفی کے درس میں طلبہ نے بطور استعجاب کیا ہو اور ملا صاحب نے ایسے خوارق عادت امور کے صدور کو عقلی دلائل سے ثابت کر دیا ہو، طلبہ ملا صاحب کے دلائل سے ساکت ہو گئے ہوں، مگر مطمئن نہ ہوئے ہوں، اور اسی بے اطمینانی کا اظہار اپنی قیام گاہ شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلے پر کر رہے ہوں کہ حضرت سید صاحب بانسویؒ وہاں پہونچ گئے یا پہلے سے موجود تھے اور انھوں نے طلبہ کو کرامت کا مشاہدہ کرا دیا۔ دوسرے دن طلبہ نے درس میں اس کا ذکر کیا اور رات کا واقعہ بیان کیا، ملا صاحب ان بزرگ کا حلیہ وغیرہ دریافت کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے۔

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ملا نظام الدین چالیس سال کی عمر میں حضرت سید صاحب بانسویؒ کے مرید ہوئے، اس بنیاد پر ملا صاحب سنہ ۱۱۳۱ھ میں مرید ہوئے، کیونکہ ان کی پیدائش کا

تخمینی سال سنہ ۱۰۹۱ھ ہے، تذکرہ نویسوں کا یہ اندازہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ ملا نظام الدین کے استاد ملا غلام نقشبند کی حیات میں یہ واقعہ پیش آ چکا تھا، اور ملا غلام نقشبند کا انتقال سنہ ۱۱۲۶ھ میں ہوا ہے، ملفوظ رزاقی کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت سید صاحب بانسویؒ کی اس کرامت کا جب شہرہ ہوا تو علوم عقلیہ کے ماہرین وطالبین نے ملا غلام نقشبند سے رجوع کیا، ان رجوع کرنے والوں میں ملا کمال الدین سہالوی بھی تھے (جو اس وقت تک حضرت سید صاحب کے سلسلۂ ارادت سے وابستہ نہیں ہوئے تھے)، ملا کمال الدین اس بنا پر اس کرامت کے منکر تھے کہ جو معجزہ پیغمبر سے ظہور میں آتا ہے وہ کسی ولی سے کرامت کے طور پر ظہور نہیں پا سکتا۔ ملا غلام نقشبند اس غلط خیال کی دلائل عقلیہ سے تردید فرما رہے تھے، یہ مباحثہ شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر ہو رہا تھا، جہاں ملا غلام نقشبند، شاہ پیر محمد صاحب کے سجادہ نشین کی حیثیت سے قیام پذیر رہتے تھے، یہ ٹیلہ دریائے گومتی کے کنارے واقع ہے، دریا کے دوسرے کنارے پر تقریباً ٹیلے کے مقابل ایک بزرگ شاہ دوست محمد دوستیؒ رہتے تھے، شاہ دوستیؒ کے حضرت سید صاحب بانسویؒ سے گھریلو روابط تھے، سید صاحب جب لکھنؤ تشریف لاتے تو شاہ دوستی صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔ ٹیلے پر ملا کمال الدین اور ملا غلام نقشبند میں تکرار و مباحثہ جاری تھا کہ حضرت سید صاحب بانسویؒ کشف سے معلوم فرما کر شاہ دوستی کے یہاں سے ٹیلے پر تشریف لائے اور ملا کمال الدین کے مقابل بیٹھ کر فرمایا۔

- تمھیں اس امر میں شبہ ہے؟ بحکم اللہ دیکھو کہ یہی چادر ہے، دیکھیے:

اس واقعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ملا نظام الدین کے مرید ہونے کا واقعہ سنہ ۱۱۲۶ھ سے پہلے کا ہے۔ کتنا پہلے کا ہے، یہ جاننا پیش نظر سواد تاریخی کی بنیاد پر ممکن نہیں ہے، بہر حال ملا صاحب چالیس سال کی عمر میں نہیں، بلکہ ۳۰ سال کی عمر سے پہلے ہی حضرت سید صاحب کے مرید ہو چکے تھے اور تقریباً گیارہ سال اپنے پیر طریقت کے وجود ظاہری سے مستفیض ہوتے رہے، یہاں تک کہ سنہ ۱۱۳۶ھ میں پیر و مرشد نے وصال فرمایا، اس وقت ملا صاحب کی عمر ۴۵ سال کی تھی۔

ملا صاحب کے پیر و مرشد حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے کم و بیش پچاسی
سال میں رحلت فرمایا، ان کے ارشاد کا آخری عہد ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے مائل بہ زوال
دور کے مطابق تھا۔ ملک کے نظام سیاسی کی یہ ابتری اپنے ساتھ مسلک و عقیدے کی بدنظمی بھی
رکھتی تھی، حصولِ اقتدار کی ہر چہار جانب سے کشمکش نے اصول و نظریات کو جن سے نظام معاشرت
کا قوام تیار ہوتا ہے .... پس پشت ڈال دیا تھا، پوری سوسائٹی فکر و عمل کی صحت و توانائی
سے محروم ہو کر ظاہر پرستی اور رسم پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی، تصوف کی بنیادیں بھی کھوکھلی ہوتی معلوم
ہو رہی تھیں اس لیے کہ اس کی روح مردہ ہو گئی تھی، اور نام ہی نام رہ گیا تھا، اعتدال کی جگہ
رسمی انتہا پسندی جس کو صاف لفظوں میں ناحق پرستی کہہ سکتے ہیں، رائج ہو گئی تھی، یہ زمانہ تھا
جب حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کو جو نہ موروثی سجادہ نشین تھے نہ آباً عن جدٍ پیرزادے،
کج رو اور کج فہم معاشرے کی اصلاح کا فرض سونپا گیا، اور اس طرح سونپا گیا کہ بظاہر حالات
اس سمت ان کے متوجہ ہو جانے کی کوئی وجہ نہ تھی، کم عمری میں اپنے ننہالی وطن بانسہ (ضلع
بارہ بنکی) سے برائے تعلیم و تعلم ردولی (ضلع بارہ بنکی) بھیجے گئے تھے راستہ میں ایک درویش سیاح سے ملاقات نے ان کے سفر
کی سمت بدل دی اور پڑھنے پڑھانے سے دست بردار ہو کر اس منزل کی طرف قدم بڑھا دیئے جہاں سے
ان کو وہ فرض انجام دینا تھا جو انھیں تفویض کیا گیا تھا، ملا نظام الدین مناقب رزاقیہ میں
تحریر فرماتے ہیں:-

بچپن میں حروف و خط (لکھائی پڑھائی) سے شناسائی نہیں حاصل کی، بجز اس کے کہ
خورد سالی میں قرآن شریف پڑھا تھا، اور زبان فارسی سے اس طرح شناسائی پیدا کی تھی
جیسا کہ ہند میں رواج تھا کہ بچوں کو فارسی زبان سے مانوس کراتے ہیں یوں کہ پہلے
حروف کے لفظ اور نقوش سے واقف کراتے ہیں اور جب سمجھ اس سے مانوس ہو جاتی ہے
تو ان نقوش سے جو الفاظ بنتے ہیں ان کو سمجھاتے ہیں، پھر ان الفاظ کے مطالب و معانی
بتاتے ہیں۔ حضرت سید صاحب بانسویؒ اس طرز تعلیم کا جو ابتدائی مرتبہ ہے اس سے مانوس

نہیں ہوئے یا یہ کہ کتابی کوئی ابجد مانوس ہو گئے ہوں اس کے بعد پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ
بیچ سے ٹوٹ گیا اور ملکۂ نوشت و خواند ہونے سے پہلے ہی جتنی حرف شناسی وغیرہ ہوئی
تھی وہ فراموش ہو گئی اب علاوہ عربی اور فارسی تحریر سے اس کا مطلب سمجھ لینے سے آپ کو
کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ عملاً حضرت سید صاحب بانسویؒ اُمّی (ان پڑھ) تھے، اور جو کچھ
کمالات آپ کے حصہ میں آئے وہبی تھے جس میں کسب و اکتساب کا کوئی دخل نہیں تھا۔
کسب و اکتساب علوم ظاہری سے بے نیاز شیخ طریقت حضرت سید صاحب بانسویؒ کا
آفتابِ ارشاد اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے کہاں؟ اس زمانے کے کسب و
اکتساب علوم عقلیہ و دینیہ کے سب سے بڑے مرکز اور اس مرکز کے سب سے بڑے سرداروں پر!
حکمت و فلسفہ اور منطق اور کلام کے امام الوقت کے ذہن و قلب کو اس طرح منور کرنے میں
کوئی حکمتِ الٰہی ضرور ہونا چاہیے، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس حکمتِ الٰہی کو ان الفاظ میں
بیان کرتے ہیں:-

"ظاہر ہے کہ حضرت مجدد صاحب (یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ) کی تعلیم ان تناقضوں کو
جو وحدت الوجود کے مسئلے میں پیدا ہو گئے تھے، دور کرنے کے لیے کافی تھی، اور حضرت
شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ کے ارشادات نے اس مسئلے کو (وحدت الوجود کے مسئلے کو) بکمال
ظاہر کر دیا، ساتھ اس کے ایک تغافل سا پیدا ہو گیا۔ جس سے ایک جماعت منکر وحدت الوجود
ہو گئی، اور اس نے متشابہ معتقد اپنا صلاحیت ظاہری قرار دیا، دوسری جماعت [illegible]
وحدت الوجود میں مستغرق ہو گئی کہ اس سے آداب شریعت ظاہری نظر انداز ہو گئے۔ سماع و
رقص و شاہد پرستی کا اندیشہ غالب ہو گیا، حضرت سید صاحب بانسویؒ کے صحبت یافتہ
علمائے کرام ایسے ہوئے جنھوں نے ان دونوں راہوں کے بین بین طرز اختیار کیا اور
خذ ما صفا و دع ما کدر پر عمل کیا، ساتھ ہی اس کے کہ علوم ظاہری رکھتے تھے علم

باطن کے بھی ماہر ہو گئے، وہ وحدت الوجود کے قائل ہونے کے باوجود ان کا معیارِ عرفان
اتنا وسیع تھا کہ مقامات تفرقہ و جمع میں کسی طرح بے امتیاز نہیں ہونے پاتے تھے۔

(فیوضِ حضرت بانسہؒ)

حضرت سید صاحب بانسویؒ کے فیضِ صحبت سے ملا نظام الدین نے تصوف کی حقیقت کو
کس طرح پالیا اس کو اس واقعہ کے ضمن میں معلوم کیا جا سکتا ہے جو ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے
بیان کیا ہے:۔

ملا نظام الدین کے زمانے میں ایک صاحب لکھنؤ تشریف لائے جو تصوف کی گفتگو
بڑی خوش بیانی اور دلنشیں انداز سے کرتے تھے، ایک دنیا ان کی گرویدہ ہو گئی اور خلقت
ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ان صاحب کی خوبیاں بھی لوگ ملا صاحب سے بیان کرنے
لگے، کچھ حیرت انگیز واقعات اور نادر حکایتیں ان صاحب سے منسوب کر کے لوگ
ملا صاحب کی خدمت میں بیان کرنے لگے۔ مگر ملا صاحب کچھ بولتے ہی نہ تھے، جب ان
صاحب کا حد سے زیادہ تذکرہ عامۂ خلائق نے ملا صاحب سے کیا تو ملا صاحب نے
بالآخر فرمایا:۔ تصوف وہ فن ہے جو شرح و بیان کی تاب نہیں لا سکتا۔ در اصل ظاہر کے
بجائے اپنے باطن کی نگہداشت اور دوسرے وسائل کے بجائے صرف ذاتِ خداوندی
پر اعتماد کا نام تصوف ہے، اور جس کو یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں پھر وہ قیل و
قال کے جھگڑے میں کہاں پڑ سکتا ہے۔ وہ تو اپنے حال کی طلب و جستجو اور انجام کی فکر و
اندیشے میں محو ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ملا صاحب نے اپنے بھتیجے اور اسرارِ باطنیہ کے واقف ملا احمد عبد الحق
قدس سرہ سے فرمایا۔ تم جاؤ اور ان صاحب کا حال و قال دیکھ کر مجھے بتاؤ، اگر وہ صاحبِ
باطن ہوئے اور ان کی باطنی کیفیات کا اثر تم پر بھی ہوا تو پھر میں بھی ان سے
ملنے جاؤں گا۔ ملا عبد الحق نے جا کر دیکھا تو بولنے رنگین گفتگو، پر فریب خیالات کی گڑ

اور عوام کی غلط رہبری کے سوا وہاں کچھ نہ تھا، واپس آ کر اپنا تاثر عم بزرگوار سے بیان کر دیا۔ بھتیجے
کی بات سن کر ملا صاحب نے فرمایا:۔ صوفی در اصل وہی ہے جو اپنے باطن کو آلائشِ شرک
سے پاک رکھے اور دکھاوے کے میل کو اندر آنے نہ دے، وہ صوفی نہیں کہلائے
گا جو اپنے باطن کو حق ہی سے صاف کر ڈالے اور باطل یعنی دکھاوا اسے اس کو
ناپاک کرے، اللہ کے بندے ہمیشہ اپنے باطن کو اوصافِ ذمیمہ سے پاک رکھنے کی
کوشش کرتے رہتے ہیں اور شرع شریف کی پاسداری اور خدمت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں،
ظاہری شرع پر ہمیشہ عمل در آمد کرتے رہنا ان کا عمل ہے، اور قلب کی صفائی اور
ذاتِ خداوندی پر کامل اعتقاد، جس کی کیفیت کی تفصیل بارہا بیان ہو چکی ہے ان کا شعار اور
ان کی پہچان ہے۔ (عمدۃ الوسائل قلمی)

اور یہی تصوف ملا صاحب کو اپنے مرشد کے فیضِ نظر سے نصیب ہوا اور شریعت کی بجا آوری،
خدمتِ باطن پر کڑی نگرانی اور اہلِ باطن سے انتہائی عقیدت یعنی بظاہر دو متضاد پہلوؤں سے
مکمل ہم آہنگی ملا صاحب اور ان کے بعد سلسلۂ قادریہ رزاقیہ سے وابستہ رہنے والے ان کے
رشتہ داروں اور خاندان والوں کا مقصود بنا رہا۔

ملا نظام الدین اپنے مرشد کے دربار میں کس مرتبے کے مستحق قرار پائے، اس کی تفصیل ظاہر
ہے کہ ملا صاحب کے قلم سے نہ نکل سکتی تھی نہ ملتی ہے، وہ خود اپنے کو ہر جگہ "بندۂ درگاہ" ہی لکھ کر ذکر کرتے
رہے، کرامات اور الہامات کے ذکر میں ملا صاحب نے تحریر فرمایا ہے:۔

(سامعِ غیب کی آوازیں سننے کے بکثرت واقعات میں سے) ایک واقعہ یہ ہے کہ بعض مرید
جب اپنے گھر سے آستان بوسی کے ارادے سے روانہ ہوتے تو حضرت سید صاحب بانسویؒ
اپنے دولت کدے میں فرماتے "خبر دیت خبر دیت (خبر دیتا ہے خبر دیتا ہے خبر دینے والا)
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ آ رہے ہیں (آ رہے ہیں) یعنی جو ایمان لائے
اور جنہوں نے اچھے عمل کیے (آیت کا ترجمہ) خود ہی سے فرماتے کہ فلاں آ رہا ہے اور آپ کی

محفلِ حالی کے وہ نہ زباں اس طرز سے اس حد تک مانوس ہو گئے تھے کہ جب حضرت سید صاحبؒ فرماتے تھے کہ "خبر دیت خبر دیت کہ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات آمدت ہیں" تو حاضر باش حضرات فوراً کہنے لگتے کہ فلاں فلاں آ رہے ہیں، اور وہ اسی دن یا دوسرے دن حاضرِ خدمت ہو جاتے، حضرت سید صاحبؒ کو غیب سے یہ خبر اس وقت ملتی جب وہ جن کے بارے میں خبر دی گئی ہے اپنے گھر سے روانہ ہو کر راستے میں ہوتے یا پھر قصد مصمم کر چکے ہوتے۔ (مناقبِ رزاقیہ)

مناقبِ رزاقیہ کے شارح ملا عبد الاعلیٰ (حفید ملا نظام الدین) نے اپنی شرح محاسنِ رزاقیہ میں تحریر کیا ہے :-

ملا احمد حسین، ملا حسن، ملا محمد ولی اور ملا محمد یعقوب غفر اللہ لہم (شاگردانِ ملا نظام الدین اور بھتیجے اور پوتے بھی) سے بالاتفاق میں نے سنا ہے کہ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سے جن یاروں کی آمد کی خبر حضرت سید صاحبؒ دیتے تھے وہ خود ملا نظام الدین اور ان کے برادر زادہ ملا احمد عبد الحق ہیں۔ (محاسنِ رزاقیہ قلمی)

اس سے ظاہر ہے کہ ملا صاحب نے ازراہِ کسرِ نفسی کنایتہً یہاں بات کہی اور اسی کے آگے اپنے پیر بھائی حضرت میر اسماعیل بلگرامیؒ کے بارے میں جب اسی طرح کے الہام کا ذکر کیا تو ملا صاحبؒ نے ان کے نام کی صراحت کر دی کہ "دقیقہ میر محمد اسماعیل متوجہ ایں صوب می شود خبر می دہد کہ سید عالی نسب می آید" یعنی جب میر اسمٰعیل بلگرامیؒ اپنے یہاں سے حاضری کے قصد سے روانہ ہوتے تو حضرت سید صاحبؒ فرماتے۔ خبر دیت خبر دیت کہ سید عالی نسب آمدت ہیں۔

بہر حال ملا صاحب اپنے مرشد کے دربار میں مقرب بھی تھے اور معزز بھی اس درجہ معزز کہ زبانِ فیض ترجمان سے اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا مصداق قرار پائے۔

سید صاحبؒ کا عہد | ملا نظام الدین کے مرشد حضرت شاہ عبد الرزاق بانسویؒ کا وصال چہار شنبہ ۶ شوال ۱۱۳۶ھ مطابق ۵ جون ۱۷۲۴ء کو (۱۰۰) سال یا (۹۰) سال ایک روایت کے مطابق

(۹۰) سال کی عمر میں ہوا، ملا نظام الدین سے یہی روایت منقول ہے، اسی کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت سید صاحبؒ کی ولادت کا سال ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء ہوا، سید صاحبؒ کا ننہیالی وطن بانسہ ضلع بارہ بنکی ددھیال، دریاباد (ضلع بارہ بنکی) سے متصل ایک قصبہ محمود آباد کے ایک گاؤں رسول پور میں تھا، سید صاحبؒ کا مولد یہی گاؤں ہے جہاں سے ان کے والد ماجد سید عبد الرحیم ترکِ وطن کر کے اپنی سسرال چلے آئے تھے، سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے سیدنا امام محمد الباقر تک پہونچتا ہے، سید صاحبؒ کے مورثِ اعلیٰ بدخشاں سے ہندستان آئے تھے، کس عہد میں آئے تھے؟ یا جو مورثِ اعلیٰ آئے تھے، ان کا نام کیا ہے؟ یہ امور جس طرح ہر خاندان کی تاریخ میں "اختلافی" رہے ہیں، یہاں بھی مختلف فیہ ہیں۔

باہر سے آنے والے خاندان عموماً اپنی منزلِ مقصود ہندستان کی راجدھانی کو قرار دیتے تھے، سید صاحبؒ کے اجداد میں جو بزرگ پہلے پہل ہندستان آئے وہ بھی وہیں پہونچے، جہاں سے ان کے گھنے کے ایک صاحب کو صوبہ دار اودھ کے پاس جو راجہ سورج پور کی بغاوت کو فرو کرنے کی جد و جہد میں مرکز سے طالبِ امداد تھا، بھیجی جانے والی کمک کے ہمراہ اودھ کی طرف بھیجا گیا، تذکرہ نگاروں نے ان کا نام سید معز الدین ابن سید معین الدین بتایا ہے، اسی مہم میں داد شجاعت دینے پر سلطانِ وقت سے "مبارز خاں" کا خطاب پایا اور سورج پور کی ریاست بھی عطا ہوئی، دیگر قرائنِ تاریخی کے پیش نظر ایک قریبی اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ ۸۰۰ھ / ۱۴۰۰ء کے بعد سید صاحبؒ کا خاندان سورج پور میں جاگیردار کی حیثیت سے مقیم ہوا، سید صاحبؒ کے والد ماجد کی ولادت بھی رسول پور میں ہوئی، جہاں سورج پور کے ایک معرکے میں مغلوب ہو کر اور خاندان کے بیشتر افراد کی شہادت کے بعد ان کی والدہ آ گئی تھیں، رسول پور سے سید صاحبؒ کے والد ماجد اپنی سسرال بانسہ (ضلع بارہ بنکی) اس لیے منتقل ہوئے کہ ان کی اہلیہ کو کچھ زمینداری کے حصے ملی تھی جس کا انتظام کرنا تھا، سید صاحب کا ننہیال قدوائیوں میں تھا۔

بہر حال سید شاہ عبد الرزاق بانسویؒ کی ولادت، مغل حکمراں شاہجہاں کے دورِ حکومت (۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء تا ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء) میں ہوئی، اس وقت شاہجہاں کو تخت نشین ہوئے دس سال ہو چکے

تھے، یہ وہ عہد تھا جب علومِ عقلیہ و نقلیہ کے اساطین و مجتہدین، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ملا
عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا عبدالسلام دیوی وغیرہ تعلیم و تدریس کے دریا بہا رہے تھے، مجدد صاحب
الف ثانی کے وصال کو چند ہی سال گزرے تھے ان کے خلفا اور فرزندوں کی اصلاحِ عقائد و
رسوم کی وہ سرگرمیاں جاری تھیں جن کے محرکِ اصلی خود مجدد صاحب تھے، ملک محمد جائسی، اور
دارا شکوہ بن شاہجہاں کا میلانِ تصوف بھی اپنے اپنے رنگ میں کار فرما تھا، شریعت و طریقت کی
ساری خدمت انجام دینے والے شاہ پیر محمد لکھنوی (چشتی) اور مولوی عبدالرشید جون پوری،
کی ایسی شخصیتیں بھی بقیدِ حیات تھیں، علوم و فنون کے زمزم اور عرفان و سلوک کے ادعاے پٹے
ہندستان کی فضا گونجی ہوئی تھی جب زمیندار سید عبدالرحیم کے اس صاحبزادے کی ولادت ہوئی،
جس کی نشوونما زمیندارانہ ماحول میں ہوئی اور قرآن شریف و ابتدائی نوشت و خواند کے بعد، مزید
تعلیم کی غرض سے یہ صاحبزادے بانسہ سے قصبۂ ردولی (ضلع بارہ بنکی) کے لیے ایک ملازم کے ہمراہ
روانہ کیے گئے، اس وقت صاحبزادے کی عمر دس گیارہ سال کی تھی، راستہ میں ملازم نے ان کو ایک درخت
کے نیچے یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ وہ قریب کے گاؤں سے، جہاں اس کی رشتہ داری ہے، کچھ کھانے کا سامان
لے کر ابھی آتا ہے، وہ وہاں رنگ رلیوں میں اس طرح کھو گیا کہ قریب شام کمسن صاحبزادے کو
تنہائی کا خوف پریشان کرنے لگا، غیبی امداد کے طور پر ایک سیاح درویش شاہ عنایت اللہ ادھر آ گئے،
اور ہراس و پریشانی میں مبتلا نوعمر بچے کو ڈھارس دلائی، اور پوچھا کہ یہ کون سی کتاب لیے بیٹھے ہو؟
صاحبزادے نے جواب دیا "یوسف زلیخا" درویش نے کہا "تمھیں اس سے کیا سروکار کہ یوسف حسینؑ
جمیل تھے اور زلیخا ان پر فریفتہ و شیدا؟ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے کام کے لیے خلق کیا ہے"۔

درویش کے ان الفاظ نے صاحبزادے پر جادو کا سا اثر کیا، علاوہ اور امور باطنیہ کے جو اس
درویش کی مختصر صحبت میں سید صاحبؒ کو حاصل ہوئے، انھوں نے علومِ ظاہری سے دست برداری
اختیار کر لی اور دکن کی سمت چلے گئے، اس لیے کہ درویش نے چلتے وقت وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ
ملاقات دکن میں ہو گی، وہاں سپاہیوں میں ملازمت کر لی، کئی سال کے بعد وطن واپس ہوئے، والد کا

انتقال ہو چکا تھا، بھائیوں نے نکاح کر دیا، کچھ دن قیام کر کے سید صاحب پھر دکن کی سمت تشریف
لے گئے اور اس دفعہ اشارۂ غیبی کے تحت احمد آباد (گجرات) جا کر میر سید عبدالصمد خدانما رحمۃ اللہ علیہ
(وفات ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) سے قادریہ سلسلے میں مرید ہوئے اور مدارجِ سلوک ان کی رہنمائی میں طے فرمائے۔
بعض پیر بھائیوں نے میر صاحب سے درخواست کی کہ سید عبدالرزاق کو چلہ کشی کے ذریعہ مزید تربیت
دی جائے، میر صاحب نے فرمایا "دوسروں کو چلہ کشی سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ان کو گھوڑے
کی پیٹھ پر رہ کر حاصل ہو جائے گا" میر صاحب کا مزار احمد آباد میں ہے۔

درویش سے ملاقات اور میر عبدالصمد خدانما سے بیعت کا بیان خود حضرت سید صاحب نے
اپنے مریدوں سے کیا، ملا نظام الدین نے لکھا ہے کہ درویش شاہ عنایت اللہ کے بارے میں میں نے
حضرت سید صاحبؒ سے عند التذکرہ پوچھا کہ "اب وہ درویش کہاں ہیں؟" سید صاحبؒ نے پہلے
فرمایا "واللہ اعلم" تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ وہ عرب میں وفات پا گئے، سید صاحب مرید اور
خلیفہ ہونے کے بعد بھی کسبِ حلال کی خاطر ملازمت کرتے رہے، پھر مرشد کے حکم پر وطن واپس
آ کر رشد و ہدایت کے وہ فرائض انجام دینے لگے جن کے لیے قضائے الٰہی نے ان کو منتخب کیا
تھا، مرشد نے وطن جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ دلی میں سید حسن رسول نما سے ملاقات
کرتے جانا، حضرت رسول نما (وفات ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء) سے دلی میں ملے اور انھوں نے رخصت فرماتے
وقت نصیحت کی "اے مرد سپاہی! ایک ہی بات ہے جو تم کو تمھارے مرشد سے پہونچی اور مجھ کو میرے
پیر سے، لیکن حصولِ مطالب بقدرِ سعی ہر ایک کے ہے، ایسا نہ چاہیے کہ خوب شکم سیر ہو کے کھائے
اور پیر پھیلا کے سوئے اور کسی فقیر کو بدنام کرے" حضرت سید صاحبؒ وطن میں قیام پذیر ہو گئے،
اور سلسلۂ قادریہ رزاقیہ کے نام سے موسوم سلسلۂ ارشاد کے بانی ہوئے، یہ وہ عہد تھا جب سلسلۂ
قادریہ کا کوئی ایسا متفق علیہ شیخ یہاں نہیں تھا جو اس اہم فریضہ کو کما حقہ ادا کر رہا ہو۔

تصوف ایک روحانی ضرورت ہے، جسے بعض ظاہر بیں طریقت کہہ کر شریعت سے متصادم
قرار دیتے ہیں، بڑے بڑے صوفیا، حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ،

امام غزالیؒ اور مولانا جامیؒ وغیرہ طریقت اور شریعت کی موہوم کشمکش کو رفع کرنے کی کامیاب کوشش کرتے رہے ہیں، پھر بھی تصوف کی تحریک میں یہ توازن کم رہتا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

سلسلۂ قادریہ رزاقیہ، اس سلسلے میں قابلِ لحاظ ہے کہ اس کے بانی اور اس کے پیرووں نے اس توازن کو قائم کرنے میں یادگار خدمات انجام دی ہیں، حضرت سید صاحبؒ، غلبۂ حال میں کبھی کبھی 'اہمالِ نماز' کے ظاہری طور پر مرتکب نظر آتے تھے، جس کی تفصیل و توجیہ ملا نظام الدین نے 'مناقب رزاقیہ' میں بیان کی ہے، لیکن شریعت کے خلاف بڑے سے بڑے درویش سے بھی کوئی بات سن کر اظہار ناگواری فرماتے تھے، اور اچھی بات سن کر بہت مسرور ہوتے تھے، ملا صاحب نے لکھا ہے کہ ایک ملامتی درویش شاہ مرتضیٰ نے شیخ محمدی کی ضیافت کی، ملامتی درویش نے شیخ کو پیالۂ شراب پیش کیا، شیخ نے انکار کیا، شاہ مرتضیٰ نے کہا "بزبان خمر بدل ذکر خدا" شیخ محمدی نے فرمایا "بزبانِ عطر بدل ذکر خدا" اس واقعہ کا سید صاحب اکثر ذکر فرماتے اور اس بہتر جواب کو جو شیخ محمدی نے برجستہ دیا تھا پسند فرماتے تھے اور اکثر تحسین فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بجزو دکن میں پیش آیا کہ ایک وجودی درویش نے حضرت سید صاحب سے کہا تم بھی کہو "ہمہ اوست" (سب اللہ ہے) حضرت نے فرمایا کہ مجھ پر یہ حال طاری نہیں ہے، درویش نے بددعا دی، سید صاحب نے فرمایا کہ بہ برکت حضرت غوث اعظم کچھ بھی نہ ہوگا، ملا صاحب نے لکھا ہے کہ بعد ایک مدت کے سید صاحب نے اس درویش کو عالمِ ملکوتیہ میں دیکھا کہ اس کے چہرے سے مسرت کے آثار ظاہر ہیں مگر اس کا سر اس کے ہاتھ میں ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ لوگوں نے اسے قتل کر دیا تھا، سید صاحب اس درویش کی قوت کی تعریف فرماتے تھے۔

ملا محمد رضا: استاذ الہند ملا نظام الدین کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کا تذکرہ استاذ الہند کے شوق کے ذکر کے ضمن میں متعدد بار آیا ہے، یہی چھوٹے بھائی استاذ الہند پر سب سے زیادہ طعنہ زن تھے مگر

کہاں جا کر مرے ہوئے خاندان کی عزت کا بھی پاس لحاظ نہیں کیا! پھر ان کا خود کیا انجام ہوا؟۔

ملا رضا گرم مزاج تھے، بھائی پر جن کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، محض اعتراض اور خاندان کی ناموس سے غفلت کا الزام لگا کر دل کی بھڑاس نکال لیتے تو ایک بات بھی تھی، وہ خود علم اور نخوت ناموس خاندانی کے زعم میں ملا صاحب کے "نا خواندہ پیر" کو بھی برا بھلا کہا کرتے تھے حالانکہ قصوروار تھے تو بھائی کہ ناموس خاندانی کا لحاظ نہیں کیا، پیر و مرشد کا اس میں کیا قصور تھا؟ مگر وہ بھائی سے زیادہ بھائی کے پیر کو جلی کٹی سنایا کرتے تھے، کثرت مجاہدہ سے ملا صاحب کے پیر و مرشد کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اس صورت حال کو ملا صاحب نے "مناقب رزاقیہ" میں جس خوبی سے بیان کیا ہے وہ عقیدت و حسنِ تعلیل کے شاہکار سے کم نہیں ہے:۔

در آخر عمر بسبب ریاضت کہ موجب	آخر عمر میں بہ سبب کثرت ریاضت کے جو
گرمی دماغ باشد یک چشم جانب یمین	دماغ کی علت کا باعث ہوا کرتی ہے،
از غیرت دوئی میان رفتہ راہ خود گرفت۔	حضرت سید صاحب بانسوی کی داہنی آنکھ
	نے "دوئی" کو درمیان سے ہٹا کر
	اپنی راہ لے لی تھی۔

ملا محمد رضا اس پہلو کو بھی بڑی بے ادبی سے زبان پر لایا کرتے تھے جس سے عقیدت مندوں کے قلب یقیناً مجروح ہوتے تھے، ملا نظام الدین بڑے بردبار اور حلیم تھے ہی، اس کے ساتھ شیخ کامل کے فیض سے روشن ضمیر بھی، چھوٹے بھائی کی اس قسم کی جسارتوں پر چپ سادھ رہتے، لیکن بھتیجے (ملا احمد عبد الحق) جو ان ہی شیخ کامل کے مرید اور خلیفہ تھے، بہرحال ملا نظام الدین نہ تھے، وہ اپنی ناگواری ظاہر کیے بغیر کیسے رہ سکتے تھے، چھوٹے چچا سے بس اتنا کہتے تھے، "کہیں اس 'جاہل اور کانے فقیر' کا جادو آپ پر بھی نہ چل جائے، مجھے تو کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے۔"

اور ہوا بھی ایسا ہی! ملا محمد رضا بھی "پیر فقیر نا خواندہ" ہو کر رہے!

۱؎ مخطوطہ کتب خانہ درگاہ حضرت بانسہ ۲؎ یہ جملہ و مضطرب جام بحوالہ بانسہ شریف

تا گفتند و مرید شدند و بیعت ساختند و خرقۂ خلافت ہم عطا شد، نوبت بایں درجہ رسید کہ رسن دیگر اسباب اسپ حضرت سید قدس سرہ بر فرق خود نہادہ بسر بازار پیش پیش سواری می دوید و چناں شیفتہ و والہ مرشد خود شدند کہ از دیگر کاروبار در ماندند ۱؎

روانہ ہوگئے، بیعت کی، مرید ہوئے، خرقۂ خلافت بھی پایا، مرشد سے عقیدت کی انتہا یہ ہوئی کہ ان کے گھوڑے کا سامان اپنے سر پر رکھ کر سواری کے آگے دوڑتے پھرتے تھے، اپنے پیر کے ایسے عاشق اور والہ و شیدا ہوئے کہ تمام دوسرے کاموں کو درس و تدریس انتظام جائداد اور نگہداشت اہل و عیال سب کو یکسر چھوڑ بیٹھے۔

یہ سب ہوا کیسے؟ ناموس خاندانی کے اتنے بڑے علم بردار آخر کیوں "بھاگم بھاگ" بانسہ شریف جانے پر مجبور ہوگئے؟ وہ خود اس پر سب سے بہتر روشنی ڈال سکتے تھے، اگر اس نئی صورت حال کے بعد بھی وہ اسی طرح درس و تدریس و تصنیف و تالیف کے کام کیے رہتے جس طرح اس سے قبل کرتے تھے، مگر وہ تو سب کچھ تج کر صرف "پیر" کے ہو کر رہ گئے تھے، پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا، بال بچوں سے بے نیاز ہوگئے، مولانا عبد الباری فرنگی محلی (وفات ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے سلسلہ بسلسلہ سُن کر لکھا ہے:۔

"ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری جا رہی ہے، دو آدمیوں کے کاندھوں پر چڑھ کر دیکھنا چاہا، دونوں ہٹ گئے یہ کہہ کر کہ جن کے یہاں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لیے جاتے ہیں ان کو تو تم کو نا جانا لگتے ہو کیا کہو گے دیکھو کر" آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پلنگ سے گرے پڑے ہیں اور کولا اکھڑ گیا ہے، اسی حال میں کہ کولا اکھڑا ہوا اور بہ اضطراب کشاں کشاں) بانسہ شریف حاضر (روانہ) ہوئے، حضرت سید صاحب قدس سرہ یہ فرما کر گھر کے اندر چلے گئے کہ "بڑا سنگ آدمی آتا ہے" ۲؎

۱؎ وصان الانساب (مخطوطہ فرنگی محل) ۲؎ "تاریخ فرنگی محل" مسودہ بقلم مصنف (مخطوطہ فرنگی محل)

ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کے بیان کے مطابق حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم پر ملا محمد رضا، مرید ہونے بانسہ شریف روانہ ہوئے تھے، خواہش مند بیعت، اور اس کے مطلوب و مرجع شیخ کے درمیان جو مراحل گزرے اُن کا بیان بھی فائدے سے خالی نہیں:۔

روانۂ حضرت بانسہ گشت ہمیں کہ از مکان خود بیروں گشت حضرت شیخ قدس سرہ در بانسہ فرمود مرا از عالم غیب خبری دہد کہ "دوست خدا" می آید، و مکرر ایں کلمہ بر زبان آوردند ہرگاہ قریب بہ بانسہ رسید، بہ خانۂ اندرون خانہ رفت و دروازہ محکم ساخت چوں بہ دروازہ رسید در را محکم یافت از دست بکوفت۔
حضرت از اندروں فرمود۔ کیست؟
عرض کرد: "محمد رضا"
فرمود: وے خانداں عالی دارد و مقتدائے زمانِ خود ہست، او را با فقیر جاہل چہ نسبت؟
و دیگر حرفہائے طعن کہ آں حضرت سابق گفتہ بر زبان آوردند ۱؎۔

ملا محمد رضا در حقیقت حضور رسالت مآب کے حکم پاک پر بانسہ شریف کی طرف روانہ ہوئے، ادھر ملا محمد رضا اپنے گھر (فرنگی محل) سے نکلے بانسہ روانہ ہوئے، ادھر حضرت سید صاحبؒ نے بانسہ شریف میں فرمانا شروع کر دیا "خبر دیتے جبرئیل کہ دوست خدا آتا ہے" حضرت سید صاحبؒ نے بار بار یہ الفاظ زبان مبارک سے فرمائے، جب ملا محمد رضا بانسہ شریف کے نزدیک پہنچے تو حضرت سید صاحبؒ باہر سے اٹھ کر گھر کے اندر چلے گئے، دروازہ بند کرا لیا، ملا محمد رضا در دولت پر حاضر ہوئے، دروازہ اندر سے بند پایا، (ہاتھ سے دروازے کو دھپ دھپایا دھیا کہ اس زمانے میں اندر اطلاع کرنے کا رواج تھا)
سید صاحب:۔ دستک کس نے دی، کون؟
دستک دینے والا:۔ محمد رضا۔
سید صاحب:۔ وہی محمد رضا جو ایک اونچے

۱؎ عمدۃ الوسائل النجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے زمانے کے
عالم و پیشوا ہیں؟ ان کو ایک جاہل فقیر سے
کیا سروکار؟

اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی [illegible]
جو ملا محمد رضا ان کے بارے میں اس سے قبل
کہا کرتے تھے۔

ملا محمد رضا نے اس سوال جواب کے بعد جب وہ کلمات بھی سنے جو ان ہی کی زبان سے سید صاحبؒ کے بارے میں اکثر نکلا کرتے تھے تو بجائے اظہار معذرت و ندامت کے، اپنے مزاج کے عین مطابق جواب دیا۔

آرے، مرا چنین انکارے بود، اما چہ کنم بموجب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات مامور گشتہ ام کہ یک مرا باین مسافت بعیدہ فرستادہ است، شمارا ہم آگاہ سازد و در توجہ بحال من کردہ بود۔

یقیناً! مجھے آپ کے بارے میں ایسا ہی انکار تھا!! لیکن کیا کروں؟ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی روحانیت سے مامور و حاضری ہوا ہوں! جس ذات بابرکات نے اتنی دور سے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ آپ کو بھی اس معاملے سے مطلع فرمائے گی اور میرے حال پر توجہ فرمانے پر آمادہ کرے گی۔“

معاملہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہوا، اور ملا محمد رضا کی اس صاف گوئی پر حضرت سید صاحبؒ یقینی (!) کہ فوراً باہر تشریف لے آئے ہوں! حالی خانہ (!) اور حکمت عملی کی سرسری کیفیت میں مبتلا مریض سے محض اتنی پوچھ گچھ تشخیص و ازالۂ مرض کے لیے کہاں کافی تھی؟ مریض پہلی بار معالج روحانی کے مطب میں حاضر ہوا ہے، اور ایک حاذق معالج ہی کا فیصلہ صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح

۱؎ عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

طبیب اصلی کو مدافعت مرض کے لیے اُبھارنا انسب ہوگا!

گویند کہ آں روز بجناب شیخ قدس سرہٗ بود و از آں جناب محض اغماض و انکار بود شاید منتظر الہام غیبی بودہ باشد۔۱؎

اگر کہا یہ ہو کہ ملا محمد رضا تین شبانہ روز حضرت سید صاحبؒ کے در دولت پر حاضر رہے اور حضرت کی طرف سے سوائے بے التفاتی اور انکار کے اور کسی رویے کا ان تین دنوں میں اظہار نہیں ہوا، ہو سکتا ہے کہ سید صاحب کسی اشارۂ غیبی کے منتظر ہوں۔

”اشارۂ غیبی“ کے انتظار کا قیاس اپنی جگہ صحیح، لیکن صاحبانِ ارشاد و سلوک کے علاج کا ایک رُخ یہ بھی تو ہوا کرتا ہے کہ شوق و طلب کی آنچ کو تیز سے تیز تر ہونے دیا جائے کہ عیوب نفسانی بھی تیز بھٹی میں زنگ کی طرح نیاً منیا ہو جائیں اور انسان ’پاک صاف‘ ہو جائے ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد — او ز حرص و عیب ”کلی پاک“ شد (مولانا روم)

ملا محمد رضا کی حالت بتدریج علاج کے بجائے ”کلی پاک“ ہونے کی متقاضی تھی، اس لیے شیخ کامل نے اس چنگاری کو جو اشارۂ غیبی (روحانیت سرور کائناتؐ) سے ملا رضا کے دل میں سلگی تھی، سلگنے دیا کہ وہ بڑھ کر ساری کثافتوں کو نیست و نابود کر دے۔

ان تین شبانہ روز میں شوق و طلب کی شعلہ سامانیوں اور اغماض و انکار کے ہلکے اور ٹھنڈے چھینٹوں کے دوران قیاس یہی چاہتا ہے کہ شعلے اور بھڑکے ہوں، بہر حال مرحلۂ سلوک کے اس بہت سخت مقام، میں تین شبانہ روز گزر جانے کے بعد حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ: تمہیں لکھنؤ چل کر مرید کریں گے۔ اس مژدۂ جانفزا پر ملا رضا کی یہ بے چینی یقیناً حق بجانب ہوگی کہ حضرت جلد از جلد لکھنؤ کا تہیہ فرمائیں، عجلت کے لیے دست بستہ التجا بھی کی ہو تو عجب نہیں، حضرت سید صاحبؒ کا سفر عام طور پر ٹانگن گھوڑے پر ہوتا تھا، اور اس زمانے کے دستور کے مطابق سائیس ہمراہ سواری چلتا تھا کہ گھوڑے کا سامان اُس کے پاس ہوتا، روانگی لکھنؤ میں تاخیر بظاہر اس لیے ہو رہی تھی کہ

۱؎ عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

سائیس موجود نہ تھا، اور در اصل اس تاخیر کو بھی سلوک و طریقت کا ایک مرحلہ ہی قرار دینا چاہیے، خاص کر پندار و نخوتِ علم و نسب و حسب کے مٹانے کے لیے امتحان میں کامیابی کا فیصلہ اسی وقت کیا جانا درست ہے جب ؎ وہ کہتے ہیں نہ سمجھوں گا تجھے مجذوب! میں عاشق

کہ جب تک کوچہ و بازار میں رسوا نہ دیکھوں گا"

ملا رضا نے سائیس کے فرائض انجام دینے کی پیش کش کی، یعنی سواری کا سامان اپنے سر پر رکھ کر لکھنؤ چلنے کو حاضر ہوں، اور اس طرح لکھنؤ تک جانے میں ملا محمد رضا نے سلوک کے کیا کچھ مدارج و مراحل طے کر لیے، اس کا حال کون جان سکتا ہے؟ ہاں! عرفان نصیب تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ پھر تو ملا رضا کا معمول ہی بن گیا تھا کہ:-

ہمہ تمام درنگ ازمیاں برخاستہ اسباب اسپ شیخ قدس سرہ بر سر خود نہادہ خریدا ہمراہ رکاب می دوید ہر چند شیخ قدس سرہ ازیں حرکت ممانعت می کرد از غایت عشق و محبتش نمی گزاشت و دریں عرصہ نزول فتوحاتِ غیبیہ و علوم لاریبیہ از جناب رب العزت بر قلب صافیش جلوہ گر شد۔ ؎

ناموسِ خاندانی اور نخوتِ علمی کے تمام وسوسوں سے دامن جھاڑ کر ملا محمد رضا کا یہ معمول ہو گیا کہ حضرت سید صاحبؒ کے گھوڑے کے ساز و سامان کو اپنے سر پر رکھے ہمراہ رکاب دوڑتے۔ حضرت سید صاحبؒ منع فرماتے لیکن شیخ سے انتہائی عشق و محبت پیدا ہو جانے کی بنا پر ملا رضا اس سے باز نہیں آتے تھے اسی ریاضت کے دوران میں ان کے قلبِ صافی پر جو شیخ کی نظر التفات سے قبل آلودہ غرور و نخوت تھا، غیبی فتوح اور لاریبی علوم کا حضرت رب العزت کی طرف سے انکشاف ہوتا رہا۔

؎ عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

ملا محمد رضا جو استاذ الہند کے پہلو بہ پہلو درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے تھے صرف مدرس ہی نہیں تھے مصنف بھی تھے اور معقولی بھی، سُلّم العلوم — منطق کے ایک مشہور متن — کے شارح بھی، ان کی یہ شرح کم از کم ڈیڑھ سو برس بعد تک موجود تھی، شمس العلماء مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) نے مولانا مفتی محمد نعمت اللہ فرنگی محلی (وفات ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) سے ایک مکتوب کے ذریعہ استفسار کیا تھا کہ:-

شنیدہ ام کہ ...... شرح سُلّم العلوم حضرت ملا محمد رضا ہمراہ ملازمان است، نقل دیباچہ و خاتمۂ کتاب ہم از تفضیل ملازمان یابم....

سننے میں آیا ہے کہ ...... حضرت ملا محمد رضا کی شرح سُلّم العلوم آپ کے پاس ہے، آپ کی شفقت و کرم سے اس شرح کے دیباچہ اور خاتمہ کی ایک نقل کا امیدوار ہوں۔

مفتی صاحب نے اس کے جواب میں غالباً (بڑودہ سے) تحریر کیا تھا:-

شرح سُلّم حضرت ملا محمد رضا نزد حکیم مرزا غازی (لکھنوی) معائنہ کردہ بودم ؎

ملا محمد رضا کی شرح سُلّم (میرے پاس نہیں ہے) میں نے اس شرح کو حکیم مرزا غازی (لکھنوی) سے لے کر دیکھا تھا۔

مفتی صاحب کے جواب خط پر ۱۲ صفر ۱۲۸۶ھ کی تاریخ درج ہے، (مطابق مئی ۱۸۶۹ء) جس کا مطلب یہ ہوا کہ ملا محمد رضا کے مفقود الخبر ہونے کے ڈیڑھ سو سال بعد تک ان کی شرح سلم العلوم پائی جاتی تھی۔

ملا محمد رضا شیخ کامل کے مرید ہونے اور اس عالی بارگاہ سے "دوستِ خدا" کا خطاب پانے کے بعد دنیا سے یکسر بے تعلق ہو گئے، حالانکہ دنیاوی امور میں ان کا انہماک اس حد تک رہ چکا تھا کہ اپنے بھائی ملا نظام الدین کو معاملاتِ دنیاوی کے بکھیڑوں سے آزاد کر کے تمام امورِ خانگی و خاندانی کے خود ذمہ دار بن گئے تھے:-

مختار امور خانگی مولوی محمد رضا بود و بعد ازاں مولوی عبد الحق ؎

(ملا نظام الدین بلکہ پورے خاندان کے) امور خانگی کے مجاز و مختار مولوی محمد رضا تھے، ان کے

؎ منقول از بیاض مولانا محمد نعیم ؎ صحائف رزاقیہ شرح مناقب رزاقیہ (مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

بھائی مولوی عبدالحق (برادر زادہ) ہوئے۔

"میں رسے" سے مراد یہی ہے ملا رضا کے تارک الدنیا ہونے کے بعد! علاوہ "امورِ خانگی" کے ہونے کے ملا رضا "سیاستِ مُدُن" میں بھی عملی دلچسپی لیتے تھے:-

در مزاج وے شرع غالب بود در عالم دنیاداری جہاد کردہ بود بر ناظم لکھنؤ [1]

ملا رضا کے مزاج میں شرع کا عنصر غالب تھا اس زمانے میں جب وہ امورِ دنیا میں دلچسپی لیا کرتے تھے، ایک دفعہ کسی مسئلہ شرعیہ میں برہم ہو کر لکھنؤ کے حاکم کے خلاف جہاد بول دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضرت سید صاحبؒ (وفات ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء) سے ارادت سے قبل کا یہ زمانہ تھا یعنی! سلطنتِ اودھ برہان الملک سے بھی قبل کا زمانہ!۔

ملفوظ: الخیری | دنیا و ما فیہا سے قطع تعلق کے بعد ملا رضا نے ذکر و شغل، مجاہدہ و ریاضت اور حضوریٔ شیخ سے سروکار رکھا:-

چوں باختیار سید در معاملہ دید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم را فرا ہم گرد زدہ بیا! از شیخ قدس سرہ عرض کرد کہ چہ حکم می فرمایند، شیخ فرمود بمدینہ منورہ برو [2]

جب ملا رضا کے انہماک امورِ روحانیہ کا معاملہ انتہا کو پہونچ گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ حال میں دیکھا کہ حکم فرما رہے ہیں کہ "ہمارے پاس آجاؤ" ملا رضا نے حضرت سید صاحبؒ سے عرض کیا اور پوچھا کیا حکم ہے؟ سید صاحبؒ نے فرمایا: مدینہ منورہ جاؤ۔

ملا محمد ولی اللہ کا بیان ہے کہ جب ملا رضا نے سید صاحب سے یہ معاملہ عرض کیا تو:-

شیخ قدس سرہ فرمود: اندکے توقف باید کرد [3]

حضرت سید صاحب نے جواب میں فرمایا کہ "ابھی کچھ دن توقف سے کام لو"

---

[1] ایضاً حاشیہ صفحہ گذشتہ [2] ایضاً [3] عمدۃ الوسائل النجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

شیخ قدس سرہ کے حکم پر وہ ٹھہر گئے، اس اثناء میں حضرت خواجہ قطب الدین (بختیار کاکیؒ) اور حضرت نظام الدین (سلطان الاولیاء) قدس سرہما کی روحانیت سے ملا محمد رضا کو حاضری کا فرمان ملا پھر شیخ سے معاملہ عرض کیا، شیخ نے جواب میں سکوت اختیار فرمایا! آخر خود بردو خواجگانِ چشت کی روحانیت سے ملاقی ہوئے یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد ملا محمد ولی اللہ لکھتے ہیں:-

سر برداشت و فرمود: محمد رضا! ترا رضا ادم زود و خود را بزیارات بہ پرساں و بعبادت فائز بہرہ اندوز. در حال پیادہ، با یکس کہ از خود رفیق حضرت گشتہ بے زاد و راحلہ روانہ دہلی شد.

حضرت سید صاحبؒ نے (جو ملا رضا کی عرض پر سکوت اختیار فرمائے ہوئے تھے) سر اٹھایا اور فرمایا: اجازت ہے، فوراً روانہ ہو جاؤ اور زیارتِ بزرگانِ چشت و حضرت سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات سے فیض حاصل کرو' اسی لمحہ ملا رضا پاپیادہ بے زاد و راحلہ، دہلی کی سمت چل کھڑے ہوئے، صرف ایک صاحب ہمراہ تھے جو خود ہی رفیقِ سفر بن گئے تھے۔

پھر کس حال میں آگے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ تک کس حال میں پہونچے؟ اس کی تفصیل نہیں ملتی، بس اتنا پتا ہے کہ مدینہ منورہ پہونچ گئے۔

و انجا مدتے ماندہ گاہ گاہ خبرے می آمد بعدہ مفقود الخبر شد، غالب است کہ آنجا فوت کردہ مدفون شدہ [1]

مدینہ منورہ میں کافی مدت تک رہے جہاں سے کبھی کبھی ان کے بارے میں کوئی اطلاع بھی رشتہ داروں کے پاس آجاتی تھی، اس کے بعد ان کی خیر خبر ملنا بند ہو گئی، گمان غالب ہے کہ مدینہ منورہ ہی میں ان کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے

ملا ولی اللہ کا کہنا ہے کہ ایک عرصے تک ملا رضا کی جب کوئی خیر خبر معلوم نہیں ہوئی تو اُن کے گھر والے

---

[1] محاسن مناقب شرح مناقب رزاقیہ (مخطوطہ مسلم یونیورسٹی)

پریشان ہو کر حضرت سید صاحب بانسوی کی خدمت میں ملتجی ہوئے۔

حاجتے سرِ تفکر در رضا بعد ازاں فرمود فرزاد	سید صاحب بانسوی تھوڑی دیر سر جھکائے
عالم غیب خبری دہد کہ محمد رضا ایں وقت در	رہے پھر فرمایا خیریت خیریت کہ اس وقت محمد رضا
بغداد بمسجد جامع وضوی نماید و مردم انتظار	بغداد شریف کی جامع مسجد میں وضو کر رہے ہیں
او می کنند تا پس او نماز گزارند ؎	اور نمازی انتظار کر رہے ہیں کہ وہ وضو کر لیں تو ان کے
	پیچھے سب نماز پڑھیں۔

یہ حضرت سید صاحب بانسوی (وفات ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۲ء) کی حیات کا زمانہ تھا۔ ملا محمد رضا کی وفات کب ہوئی اس کا علم کسی کو نہ ہو سکا۔ گمان غالب ہے کہ استاذ الہند ملا نظام الدین (وفات ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) کی حیات ہی میں ان کی وفات ہو گئی تھی۔ ملا محمد رضا کے دو صاحبزادے ملا احمد حسین (جن کو استاذ الہند نے متبنّٰی بنایا تھا جن کا ذکر اوپر گزر چکا) اور ملا عبد العلی تھے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ ملا عبد العلی بن ملا محمد رضا ایک بیٹی چھوڑ کر جوانی میں انتقال کر گئے، ملا احمد حسین سے ملا محمد رضا کی نسل چلی۔ ملا احمد حسین کے ایک ہی صاحبزادے تھے مولوی محمد سعد الدین اور تین بیٹیاں تھیں۔ مولوی سعد الدین روزگار کے سلسلے میں وطن سے باہر رہے، ان کی اولاد اپنے ننھیال شہمہ (ضلع بارہ بنکی) میں رہی اور زمیندارانہ طرز زندگی گزارتی رہی، پھر اولاد کی دو شاخیں ہو گئیں، ایک اب تک ننھیال میں آباد ہے ایک فرنگی محل (لکھنؤ) منتقل ہو گئی۔ ان سطور کا راقم اسی شاخ سے ہے جو فرنگی محل میں آباد ہے۔

(محمد رضا انصاری بن مولوی محمد سخاوت اللہ بن مولوی محمد ہدایت اللہ بن مولوی محمد شرافت اللہ بن مولوی محمد کرامت اللہ بن مولوی عبد الرب عرف محمد شاکر بن مولوی سعد الدین بن ملا احمد حسین بن ملا محمد رضا بن ملا قطب الدین شہید۔)

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند

۱؎ تتمۂ وسائل النجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

درسِ نظامی

درسِ نظامی، تسلیم شدہ ہے کہ استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کی نسبت سے "درسِ نظامی" یا "درسِ نظامیہ" کہلاتا ہے، علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں:۔

"درسِ نظامیہ اگرچہ خاص ہندوستان کا کارنامۂ فخر ہے لیکن نظام الملک نے بغداد میں جو مدرسۂ اعظم "نظامیہ" کے نام سے قائم کیا تھا اس کی عالمگیر شہرت نے اس قدر دست درازی کی کہ اس سلسلے کو بھی اپنی فہرستِ اعمال میں داخل کرنا چاہا، چنانچہ ہمارے زمانے کے اکثر ناواقفوں کو دھوکا ہوا، یہاں تک کہ ایک اردو تصنیف میں صراحتاً یہ دعویٰ کیا گیا۔"

(مقالاتِ شبلی)

البتہ اس کا سراغ لگانا آسان نہیں کہ سب سے پہلے کس نے ملا نظام الدین کی طرف اس کو منسوب کیا!

درسِ نظامی ایک خاص طریقۂ درس کا نام ہے، نہ کہ مخصوص کتابوں کا۔ اس درس کے تحت شروع ہی سے متعدد ایسی کتابیں پڑھائی جانے لگی تھیں جو بانیٔ درسِ نظامی کے تلامذہ کی تصانیف تھیں اور ان کے سامنے یا ان کے بعد تصنیف ہوئی تھیں، اور بیشتر کتابیں تو وہی تھیں جو بہت پیشتر سے پڑھائی جا رہی تھیں۔

درسِ نظامی کی ایک خصوصیت یہ ہے اور اسی بنا پر اس پر اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس میں معقولات کی تدریس پر ہی سارا زور صرف کر دیا گیا ہے اور علومِ شرعیہ قریب قریب نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ کسی بھی نصاب کے سلسلے میں اس نزاع کی کیا کوئی گنجائش ہو کہ کن علوم و فنون پر زیادہ توجہ کی گئی ہے اور کن پر کم؟ دیکھنا صرف یہ چاہیے کہ جس

مقصد کے لیے نصاب مقرر کیا گیا ہے وہ مقصد اس سے حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ جہاں تک کتبِ "معقولات" کی زیادتی کا سوال ہے بانیٔ درسِ نظامی کو اس "بدعت" کا بانی نہیں ٹھہرایا جا سکتا، ہندوستان میں بانیٔ درسِ نظامی سے بہت پہلے سے معقولات کا خوب چلن ہو چکا تھا۔ ثبوت کے لیے محدث الہند شاہ ولی اللہ دہلوی نے جس درس کے مطابق تعلیم حاصل کی اس کی تفصیل ان ہی کی تصانیف میں دیکھی جا سکتی ہے۔ شاہ صاحب ملا صاحب کے ہم عصر تھے۔

"معقولات" کی کثرت کی معقولیت کو بھی جو حلقے مانتے ہیں وہ بھی اس پہلو سے معترض نظر آتے ہیں کہ منطق و فلسفہ کے نام پر اتنی بہت سی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، پھر بھی جسے منطق و فلسفہ کہتے ہیں وہ نہیں آتا! منطق و فلسفہ بحیثیت علوم درسِ نظامی کی غرض و غایت نہیں، علومِ آلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے دست کار کے اوزار، اگر وہ دست کار کے کام میں مددگار ہیں تو وہ ان کو ضرور استعمال کرے گا، نام ان کا کچھ رکھ لیا جائے! منطق و فلسفہ کے نام سے جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ فنی لحاظ سے منطق و فلسفہ نہ سہی لیکن جس غرض سے وہ پڑھائے جاتے ہیں وہ ان سے حاصل ہوتی رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ نصاب میں شامل معقولی کتابوں، ان کی شرحوں، شرحوں کے حواشی اور حاشیوں کے منہیات کا جو تہ در تہ سلسلہ نظر آتا ہے اس کو بعض نکتہ رس علماء نے "ذہنی ورزش" کے صحیح اور مناسب ترین نام سے تعبیر کیا ہے۔

کسی مخصوص علم یا فن کو اپنی غرض و غایت ٹھہرا لینے والوں سے قطع نظر، ہندوستان کے مسلم معاشرے کا، جب تک قاضیوں اور شرعی عدالتوں کا چلن رہا، عام درسی تقاضا یہی تھا کہ مسائلِ شرعیہ سے کما حقہ واقفیت اور "نوازل" و "حوادث" کے سلسلے میں صحیح استنباط کا "ملکہ" پیدا ہو، "ملکہ" پیدا کیا جانا جب مقصود و مطلوب ٹھہرا تو تدریس و تعلیم کے زاویے کو درست رکھنے کا دارومدار کسی خاص فن اور خاص علم کی مخصوص کتابوں پر نہیں رہا، ملکہ

کی تعریف اگر وہی ہے جو بعض حضرات نے کی ہے کہ :-

"چوں حاصل شد خوانده و ناخوانده برابر است و چوں حاصل نہ شد خوانده و ناخوانده برابر است"

ملکہ اُس صلاحیت و استعداد کا نام ہے جو اگر حاصل ہو جائے تو جو کچھ پڑھا ہو اور جو نہیں بھی پڑھا ہے وہ دونوں یکساں (یعنی پڑھا ہوا) ہو جاتے ہیں۔ اور اگر حاصل نہ ہو تو پڑھا اور اَن پڑھ دونوں یکساں رہتے ہیں۔

تو یہ بحث اور بھی بے محل ہو جاتی ہے کہ کیا پڑھایا جاتا ہے اور کیا نہیں! اسی "ملکہ" کو پیدا کرنے کے لیے بانیِ درسِ نظامی، اُن کے جانشین (بحر العلوم) اور اُن کے جانشینوں نے درسی کتابوں میں کمی اور بیشی کو ہمیشہ روا رکھا، اگر علامہ شبلی نعمانی کا یہ خیال درست ہے کہ۔

"درسِ نظامی اگرچہ ملا نظام الدین صاحب کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے، یعنی ملا نظام الدین کے والد سے جن کا نام ملا قطب الدین شہید تھا"

تو ملا قطب شہید سے بحر العلوم اور اُن کے جانشینوں تک درسی کتابوں میں کمی بیشی کے جواز کی سند تاریخی طور پر آج بھی دستیاب ہے، بحر العلوم کے فرزند اکبر ملا عبد الاعلیٰ نے جو خاندان زنگی محل کے پہلے تذکرہ نگار بھی ہیں، رسالۂ قطبیہ میں لکھا ہے :-

باید دانست کہ داب تدریس ہر یک موافق زمانہ و استعداد جدا است ، چرا کہ مولانائے شہید از ہر یک فن یک کتاب جیدی خوانیدند و شاگرداں محقق می شدند ، و مولانا عارف از ہر علم دو دو کتاب و بعضے از کیار ، ایک یک درس می دادند ، و مولانائے کامل بعضے را یک یک ، و بعضے را دو دو و بعضے را سہ سہ از کتب جیدہ حسب استعداد متعلمین تعلیم می کنند و کاتب الحروف حسب استعداد طلبۂ زماں داب تدریس بسیار مستحسن مقرر ساختہ کہ متعلم را از آں ، استعداد و توجہ اخذِ مطلب کتاب وغیرہ لوازم علم خوب می شود و فراغت از تحصیل علم زود می شود ،

جان لیا چاہیے کہ ہر ایک اُستاد کے پڑھانے کا انداز زمانہ اور حصول استعداد کے لحاظ سے جداگانہ رہا ہے ، اس لیے کہ ملا قطب شہید ہر فن کی ایک ہی ایک کتاب ، جو اپنے موضوع پر بہترین ہوتی پڑھاتے تھے اور اُن کے تلامذہ صاحب تحقیق ہو جاتے تھے ، ملا نظام الدین ہر علم کی دو دو کتابیں اور بعض ذہین طلبہ کو ایک ایک کتاب پڑھاتے تھے ، بحر العلوم بعض طلبہ کو ایک ایک ، بعض کو دو دو اور بعض کو تین تین کتابیں ہر علم و فن کی پڑھاتے تھے ، یعنی طلبہ کی استعداد کے مطابق کتابوں کی تعداد کا تعین کرتے تھے ، راقم (ملا عبد الاعلیٰ) نے اپنے زمانے کے طلبہ کی استعداد کے پیش نظر تدریس کا ایک بہت ہی خوب انداز مقرر کیا ہے جس سے طالب علم میں کتاب کا مطلب سمجھنے اور علم و فن کے دوسرے پہلوؤں کے حصول کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور تحصیل سے جلد فراغت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

درسِ نظامی ـــــ خواہ ملا نظام الدین اس کے بانی مانے جائیں یا اُن کے والد ماجد ـــــ اپنے زمانے میں ، اسی ملکہ اور استعداد کے پیدا کرنے کی طرف ایک ترقی پسندانہ اقدام تھا ، اقدام کس نوعیت کا تھا؟ اس کا اندازہ علامہ شبلی نعمانی نے اس طرح لگایا ہے :-

" (۱) اختصار ، یعنی ہر فن کی ایک دو مختصر کتابیں لے لی گئیں۔

(۲) اختصار کے اصول پر اکثر کتابیں ناتمام درس میں رکھی گئیں ، یعنی صرف

اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا۔

(۲) ہر فن میں وہی کتاب رکھی گئی جو اس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے، اس سے مقصد یہ تھا کہ غور کی قوت پیدا ہو جائے کہ پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ سکے۔"

(مقالات شبلی)

یعنی درس کا نظام ایسا بنایا گیا کہ مقصود بالذات علوم وفنون پر گرفت مضبوط تر کرنے کے لیے جن "علوم آلیہ" کی جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس پر وقت صرف کیا جائے

"داب تدریس" میں "موافق زمانہ واستعداد" رد و بدل کرنا، خود درس نظامی کے ہیولی میں شامل نظر آتا ہے، اس لیے زمانہ اور حالات کے انقلاب کے ساتھ اگر اس درس میں تبدیلی کی جاتی ہے تو اس کے قدر دانوں کو ذرا بھی شاق نہ گزرنا چاہیئے اور نہ تبدیلی کے مطالبے کو کسی معاندانہ رویہ پر محمول کرنا چاہیے، خواہ اس مطالبے کے اظہار میں بعض پر جوش طبیعتوں کی طرف سے ایسا ہی انداز اختیار کیوں نہ کیا گیا ہو جو معاندانہ نظر آتا ہو۔

تدریسی نظریات مسلسل تجربوں کے نتیجے میں بہت کچھ بدلے ہیں اور برابر بدلتے جا رہے ہیں اور آج کی تیز رفتار دنیا میں تبدیلی کی رفتار بھی بہت تیز ہو گئی ہے، درس نظامی کو اگر اس پہلو سے دیکھا جائے کہ اس تعلیمی و تدریسی تجربے کو کتنے طویل عرصے تک استحکام حاصل رہا اور اس کی مقبولیت کی وسعت کہاں سے کہاں تک پہونچ گئی تو یہی پہلو اس کا طرۂ امتیاز نظر آئے گا۔ ہندوستان میں دینی علوم کی تدریس و تعلیم، مسلمانوں کے یہاں آباد ہونے کے بعد سے برابر رہی ہے، تاریخ و تذکروں کے صفحات میں، بہت سی ان کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں جو پڑھائی جاتی رہی ہیں، لیکن کسی منظم نصاب کے عام رواج کا کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا، "درس نظامی" ہی غالباً پہلا "منظم نصاب" ہے جس سے ہم متعارف ہیں، جو اٹھارھویں صدی عیسوی (بارھویں صدی ہجری) میں پورے ملک میں رواج پذیر ہوا۔

مشہور مستشرق اور محقق مسٹر ڈبلو کانٹ ویل اسمتھ نے اپنے مضمون "علماء ان انڈین پالٹکس" .

میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے، گو اس بیان کے بعض پہلوؤں میں تاریخی تسامح بھی ہے مثلاً فرنگی محل سنہ ۱۶۹۳ء میں از روئے فرمان شاہی "خاندان ملا قطب شہید سہالوی کو رہنے کے لیے ملا تھا جس کے آٹھ دس برس کے بعد وہاں ملا نظام الدین کے ہاتھوں "درس گاہ (مدرسہ) کا قیام عمل میں آیا، نیز اگرچہ "سنی مدرسہ" اس لحاظ سے تھا کہ "سنی علوم دینیہ" بھی اس میں پڑھائے جاتے تھے، لیکن مجموعی طور پر اس کا درس "سنی یا شیعہ یا غیر مسلم کسی کے لیے بھی خارج از دست رس نہ تھا، بہرحال مسٹر اسمتھ لکھتے ہیں :-

.... OF THE GROWTH OF THE LATTER ONE GETS ONE OR TWO THINGS SUCH AS THE EXPANDING SIGNIFICANCE OF THE FARANGI MAHAL LUCKNOW SET UP AS A TYPICAL ONE-MAN SCHOOL IN 1698 BUT DEVELOPING IN EITHTEENTH CENTURY INTO PERHAPS INDIA'S FIRST NATION-WIDE SUNNI MADARSAH INSTITUTION AND THE SPREAD OF ITS CURRICULUM AS AN STANDARDIZED DARS-E-NIZAMI WHICH CAME TO PREVAIL AS DOMINANT FIRMULA--TION FOR FORMATION OF RELIGIOUS SCHOLARS.

P 47 POLITICS & HISTORY IN INDIA
THE ULEMA IN INDIAN

POLITICS

K. WELLSMITH.

"آخر الذکر کے ارتقا کے طور ہمیں دو ایک چیزیں ملتی ہیں، مثال کے طور پر فرنگی محل لکھنؤ کی بڑھتی ہوئی اہمیت ہے جس کی خصوصیت یہ تھی کہ ۱۶۹۰ء میں صرف ایک شخص نے تنہا اسے قائم کیا تھا۔ لیکن جو اٹھارہویں صدی عیسوی میں ایک ایسا ادارہ بن گیا جو قومی پیمانے پر ہندوستان کا قریب قریب اولین سنی مدرسہ تھا اور اس کا نصاب ایک ایسے معیاری "درس نظامی" کی شکل میں رائج و شائع ہو گیا جو مذہبی علماء کی تعلیم و تعلیم کا ایک اہم اور ہمہ گیر طریق کار بن گیا۔"

(صفحہ ۲۴ کتاب "پالی ٹکس اینڈ ہسٹری ان انڈیا"
میں مضمون "دی علماء ان انڈین پالی ٹکس" از
ڈبلو۔ کانٹ ویل اسمتھ)

جہاں تک علوم دینیہ کا تعلق ہے وہ درس نظامی میں اس طور سے تھے کہ بغیر کسی دقت کے غیر سنی ان کے بغیر اس درس گاہ سے پورا پورا استفادہ کر سکتا تھا۔ قیام مدرسہ سے اس وقت تک جب تک یہ درس گاہ جاری رہی شیعہ بلکہ غیر مسلم بھی برابر اس سے استفادہ کرتے رہے۔ بعض حلقے اسی بنا پر اس درس کو "سیکولر" (لا مذہبی) درس کہتے ہیں۔ اور دوسرے حلقے اسی لیے معترض رہے ہیں کہ اس درس میں "علوم دینیہ" کو قریب قریب نہ ہونے کے برابر جگہ دی گئی ہے۔

اعتراض و نکتہ چینی سے قطع نظر، دیکھنا یہی ہے کہ اس درس کے فارغ حضرات سے دینی علوم کی خدمت بن پڑی یا نہیں، اگر علوم دینیہ کی تدریس میں اس قدر قلت کے باوجود، درس نظامی کے فارغین نے علوم دینیہ و شرعیہ کی کسی اور درس گاہ یا استاد سے استفادہ کے بغیر کچھ خدمات انجام دی ہیں، اور تاریخ بتاتی ہے کہ دی ہیں، تو ایسی نکتہ چینی فعل عبث ہی قرار دی جائے گی۔

تمام دوسری نکتہ چینیوں پر "رد" کے بغیر ——— تاکہ یہ کتاب تاریخ و تذکرے کے

دائرے سے نکل کر "اصول تعلیم" کی فنی بحث میں نہ جا پڑے ——— اس ایک نکتہ پر گفتگو مرکوز رکھنا مناسب ہوگا کہ درس نظامی کے بانی اور اس درس کے فارغین نے علوم شرعیہ کی کیا خدمتیں انجام دیں؟ درس نظامی میں حدیث و تفسیر کے ایسے علوم شرعیہ کی تدریسی پہلو سے کمی فطری ہو؟ اگر اس کو وقتی خامی بھی مان لیا جائے، تب بھی یہ کہنا حق بجانب نہ ہوگا کہ "بانیٔ درس نظامی" بھی ان علوم شرعیہ سے ناآشنا تھے، جیسا کہ مرحوم سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون "ہندوستان میں علم حدیث" میں یہ رویہ روا رکھا ہے۔ بقول ان کے:-

"...... تعجب ہے کہ اس قدر طویل زمانے تک ہندوستان کی یہ مشرقی درس گاہ حدیث کے ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی، بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ درس نظامی میں صرف مشکوٰۃ داخل تھی اور وہی پڑھائی جاتی تھی۔ یہ بھی سنا ہے کہ فرنگی محل میں صحیح بخاری کے چند پارے موجود تھے مگر وہ صرف تبرکاً رکھے رہتے تھے......"

(مقالات سلیمان۔ جلد دوم)

اس عبارت سے تین الزامات ۔ بانیٔ درس نظامی ملا نظام الدین پر وارد ہوتے ہیں:-

(۱) اس قدر طویل زمانے تک درس گاہ فرنگی محل ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی۔

(۲) درس نظامی میں حدیث کی صرف ایک کتاب رکھی گئی۔

(۳) نسخہ صحیح بخاری فرنگی محل میں موجود تھی مگر پڑھنے کے لیے نہیں صرف تبرک کے لیے۔

تاریخی اور واقعاتی پہلو سے صرف دوسرا "اعتراض" درست ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جہاں تک درس نظامی کا معاملہ ہے اس میں حدیث کی صرف ایک ہی کتاب "مشکوٰۃ" جو صحاح ستہ کا بہترین خلاصہ ہے، رکھی گئی، یہ بحث الگ ہے کہ اس ایک کتاب سے وہی نتائج حاصل ہوئے یا نہیں جو صحاح ستہ کا پورا دورہ کرا دینے سے حاصل ہوتے ہیں!

رہا صحیح بخاری کے تبرکاً رکھے رہنے کی بات، تو فرنگی محل کے پہلے تذکرہ نگار اور بانیٔ درس نظامی ملا نظام الدین کے حقیقی پوتے ملا عبد الاعلیٰ (وفات [illegible]) نے رسالہ قطبیہ

(مخطوطہ) میں اپنے مرشد شاہ شاکر اللہ سندیلوی (وفات ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) کے احوال میں جو ملا نظام الدین کے شروع سے آخر تک شاگرد تھے جو واقعہ لکھا ہے وہ "بخاری شریف کے تبرکاً رکھے رہنے" کی بے سند روایت کی صراحتاً نفی کرتا ہے:-

وقتیکہ از تحصیلِ علوم ضروریہ فارغ
شدند صحیح بخاری را شروع کردند چوں
باین حدیث رسیدند کہ من قال لا الٰہ
الا اللّٰہ دخل الجنۃ بلاحساب
از استاد عرض کردند کہ قول این کلمہ بطوریکہ
می گویم باعث دخولِ جنت بلاحساب
نیست والا اجزائے اعمال مفقود می شود
پس طریقۂ قول این کلمہ دیگر است؟ استاد
فرمودند بلے! عرض کردند کہ آں را تعلیم
فرمایند...... الخ.

شاہ شاکر اللہ سندیلوی جب علوم ضروریہ
(درس نظامی) کی تحصیل سے فارغ ہوئے
تو انھوں نے صحیح بخاری پڑھنا شروع
کیا اور جب اس حدیث پر پہونچے کہ
"جس شخص نے لا الٰہ الا اللّٰہ کہا وہ
بے حساب کتاب جنت میں داخل ہوگا"
تو استاد سے عرض کیا کہ یہ کلمہ جس طرح
میں کہتا ہوں بلاحساب کتاب جنت
میں دخول کا سبب نہ ہوگا۔ ورنہ جزائے
اعمال کا سارا نظام بے معنی ہو جائے گا۔
تو کیا اس کلمہ کو کہنے کا کوئی دوسرا طریقہ
بھی ہے؟ استاد نے فرمایا "ہاں!"
عرض کیا کہ "وہ ہی طریقہ مجھے سکھا دیجئے"۔

رسالۂ قطبیہ میں تو بغیر نام لیے صرف "استاد" لکھ دیا گیا ہے، خیال ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کسی اور استاد سے پڑھتے ہوں گے، نہ کہ ملا نظام الدین سے، لیکن اسی مصنف نے اپنی دوسری تصنیف میں استاد کا ذکر نام کے ساتھ کرکے اس خیال کو خارج از بحث کر دیا۔ ان کی اس دوسری تصنیف کا نام "محاسنِ رزاقیہ" ہے۔ (اپنے جد ملا نظام الدین کے رسالۂ "مناقبِ رزاقیہ" کی شرح کے طور پر تصنیف کی تھی اور مخطوطہ کی شکل میں مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ میں موجود ہے) اس میں اپنے مرشد کے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے، انھوں نے لکھا ہے:-

"مولوی نظام الدین فرمودند کہ آرے!
آں را طریقِ دیگر است"۔

(بخاری پڑھانے والے استاد) ملا
نظام الدین نے جواب میں فرمایا کہ "ہاں!
دوسرا طریقہ اس کلمہ کو کہنے کا ہے!"

رسالۂ قطبیہ میں درج تفصیل کے مطابق پھر ملا نظام الدین نے شاہ شاکر اللہ کو "لا الٰہ الا اللّٰہ" کا طریقۂ ذکر بتایا اور شاہ صاحب اس پر عامل ہو کر تارک الدنیا ہو گئے، جنگلوں اور ویران جگہوں پر رہنے لگے، پھر استاد ملا نظام الدین سے درخواست کی کہ ان کو داخلِ بیعت کرلیں، استاد نے فرمایا کہ "تمھارا حصہ میر اسماعیل بلگرامی کے پاس ہے"۔ اور شاگرد کو اپنے پیر بھائی "میر اسماعیل بلگرامی" (وفات ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء) سے بیعت کرنے کی ہدایت کی، وہ ان کے مرید ہو گئے۔

تفصیل سے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ فرنگی محل، ملا نظام الدین ہی کے مسند درس بچھنے سے مشہور ہوا، وہی اس "مشرقی درس گاہ" کے بانی تھے، جب ان ہی کے زمانے میں صحیح بخاری کے پڑھانے کی شہادت صفحاتِ تاریخ میں ثبت ہو تو پھر اس قدر طویل زمانے تک "اس کے تلامذۂ قدس سے ناآشنا رہنے" کا اطلاق آخر کس زمانے پر کیا جائے گا؟

اسی مضمون میں علامہ ندوی نے تسلیم کیا ہے کہ بانیٔ درس نظامی کے فرزند ملا بحر العلوم کی تصانیف میں حدیث سے واقفیت کے ثبوت ملتے ہیں۔ ملا بحر العلوم نے شروع سے آخر تک صرف اپنے والد ماجد سے پڑھا تھا، پڑھنے کے بعد درسیات کا مذاکرہ اپنے والد ماجد کے شاگرد رشید ملا کمال الدین سہالوی سے کیا، تو اگر حدیث سے ناآشنائی کا وہی ماحول فرض کر لیا جائے جس کی طرف علامہ ندوی کا مذکورہ اقتباس اشارہ کر رہا ہو تو مزید حیرت اس پر ہوگی کہ بانیٔ درس نظامی کے از اول تا آخر شاگرد بحر العلوم، نہ صرف حدیث سے واقفیت کے

ثبوت پیش کرتے ہیں، بلکہ "اصولِ حدیث" پر ایک تصنیف بھی فرماتے ہیں! بحر العلوم کی یہ تصنیف رضا لائبریری رامپور (یو۔پی) میں موجود ہے۔ جس کا تعارف لائبریری کے ناظم مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے الفاظ میں یہ ہے :-

"میں نے مولانا بحر العلوم کا رسالہ دیکھا وہ اصولِ حدیث ہی پر ہے، اور بے حد مختصر ہے، کل تین ورقوں میں سارے فن کو سمو دیا ہے، چونکہ دیباچے میں اپنا اور اپنے والد ماجد اور دادا مرحوم کا نام صراحت سے لکھا ہے لہٰذا اس کے تالیفِ بحر العلوم ہونے میں شک نہیں، شروع کے صفحہ میں بالائی بائیں گوشے میں کاتب نے "الجزء الاول من تفہیم الحدیث تصنیف مولانا عبد العلی مد ظلہ" لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں اس کی کتابت ہوئی تھی، آخر میں لکھا ہے "قوبل بالمسودة ونقل عنها" اس سے موجودہ نسخے کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔"

(نجی مکتوب مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۶۰ء)

اگر خود بانیٔ درسِ نظامی کی تصانیف پر واقفیتِ حدیثِ نبوی کے پہلو سے نظر ڈالی جائے تو ان میں سے بھی حدیث سے واقفیت کے ثبوت دستیاب ہو سکتے ہیں، علامہ سید سلیمان نے ملا نظام الدین کی صرف ایک مطبوعہ تصنیف "مناقبِ رزاقیہ" سے واقفیتِ حدیث کا ایک ثبوت تلاش کیا جو مسئلۂ تیمم کے سلسلے میں ہے، یعنی :-

"واکثر احادیثِ صحاح موئدِ قولِ امام شافعی وغیرہ است۔" (مناقبِ رزاقیہ)

ملا صاحب کی دیگر تصانیف جن میں واقفیتِ حدیث کے ثبوت مل سکتے ہیں، ہنوز مخطوطے کی شکل میں ہیں جیسے شرح منار مسمّیٰ بالصبح الصادق (اصولِ فقہ) شرح مسلم الثبوت (اصولِ فقہ)، رسالۂ احوالِ وضوء النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور شرح تحریر الاصول۔ الصبح الصادق میں قرآن شریف کے بتواتر منقول ہونے کی بحث میں ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

وهو مخالف لما روي من قبل، وهو الاحرى بالقبول لان صحيح البخاري اصح الكتب الخ.

اور یہ (روایت) اس روایت کے مخالف ہے جو اس سے قبل نقل ہوئی، اور یہی روایت قبول کرنے کی زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے جو تمام کتبِ حدیث میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔

رسالۂ احوال وضوء النبیؐ دست رس سے باہر ہے مگر جیسا کہ اس رسالے کے ذکر میں پہلے خیال ظاہر کیا جا چکا ہے کہ احادیث کی روشنی ہی میں وضو کے مسنون طریقے پر اس رسالے میں روشنی ڈالی گئی ہوگی، اصل رسالہ اگرچہ دست رس سے باہر ہے، مگر اس کا ایک اقتباس، مفتی مظہر کریم دریابادی (وفات ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) کے مجموعۃ الفتاوی (مخطوطہ) میں نظر آیا، یہ مخطوطہ مفتی صاحب کے پوتے مولانا عبد الماجد دریابادی کے پاس محفوظ ہے، وضو میں گردن کے مسح کے متعلق ایک استفتے کے جواب میں ملا نظام الدین کے رسالۂ وضو کا یہ اقتباس نقل ہوا ہے :-

في مسح الرقبة في رسالة مولانا نظام الدين محمد قدس سره.

ملا نظام الدین قدس سرہ کے رسالۂ وضو میں ہے۔

"هدي ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم مسح الرقبة لما في مسند الفردوس عنه صلى الله عليه وعلى آله وسلم قال ومن مسح على القفا مع الرأس حفظ عن الغل يوم القيامة. لكن سنده ضعيف وجاء في رواية اخرى

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ گردن کا مسح فرماتے تھے۔ جیسا کہ حدیث کی کتاب مسند الفردوس میں آنحضرتؐ کا ارشاد منقول ہو کہ جس شخص نے سر کے ساتھ گردن (گدی) کا مسح کیا وہ بروز حشر عذاب کے طوق کو گردن میں ڈالے جانے سے بچ گیا، لیکن اس حدیث

ذکر الشمنی وحکی ابن ہمام عن الترمذی عن وائل بن حجر أنہ مسح علی رأسہ ثلاثا ومسح اذنیہ ثلاثا وظاہر رقبتہ وعن کعب بن عمرو الیامی انہ علیہ السلام وعلی آلہ مسح الرقبۃ مع مسح الرأس، فائدۃ. وہو مستحب عند ابی حنیفۃ و علیہ بعض الشافعیۃ وقال الشیخ ابن ہمام عند البعض بدعۃ وینظر الیہ (کذا) قول صاحب السفر السعادۃ لم یثبت حدیث صحیح فی مسح الرقبۃ. واللہ اعلم۔

کی سند ضعیف ہے اور دوسری حدیث میں جس کا ذکر شمنی نے کیا ہے آیا ہے اور ابن ہمام نے ترمذی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ وائل بن حجر روایت کرتے ہیں کہ پھر آنحضرت نے تین بار سر کا مسح اور تین بار دونوں کانوں اور گردن کا مسح کیا۔ کعب بن عمر یامی سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ السلام نے سر کے مسح کے ساتھ گردن کا بھی مسح کیا۔ فائدہ: گردن کا مسح امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیوں کے نزدیک مستحب ہے۔ شیخ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ بعض دوسروں کے نزدیک بدعت ہے۔ صاحب سفر السعادۃ کا یہ قول کہ گردن کے مسح کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بانی درس نظامی ملا نظام الدین کی تصانیف کے یہ وہ چند اقتباسات ہیں جو اول نظر میں بطور نمونہ لیے گئے ہیں، ان سے اتنی وضاحت بہرحال ہو جاتی ہے کہ درس نظامی میں حدیث کی صرف ایک کتاب شامل کرنے کے باوجود ملا صاحب پر اور درس گاہ فرنگی محل پر حدیث شریف سے بے نیازی یا ناآشنائی کا الزام خلاف واقعہ ہے۔

خاندان علمائے فرنگی محل کے ذکر میں احادیث نبوی سے تعلق و ربط کا ضمنی تذکرہ

تاریخ کے صفحات میں اس وقت سے ملتا ہے، جب ہندوستان میں حدیث سے بے نیازی کا الزام تراشنے کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا، مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اس الزام تراشی کی تاریخ اور وجہ کا ذکر اپنی تصنیف "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" میں بڑی بریمی کے ساتھ کیا ہے:-

"پچھلے دنوں چونکہ عمل بالحدیث کا دعوی کر کے ایک فرقہ اس ملک میں اٹھا اور اسلام کے طویل الذیل ابواب .... میں صرف صلوٰۃ کے باب سے اس نے کل تین یا چار مسئلوں قراءۃ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع الیدین، وضع الیدین علی السرہ کا انتخاب کر کے چیخنا شروع کیا کہ اس ملک کے مسلمانوں کو حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ ان چار مسئلوں میں ان کا طریقۂ عمل حدیث کے خلاف ہے۔" (صفحہ ۱۷۵)

"..... کہنے کو تو کہا جاتا ہے کہ اس سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیمت پیدا کرنی مقصود ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ سعدی کا مطلب کچھ اس کے سوا ہے۔ یعنی برطانوی عہد میں عمل بالحدیث کے نام سے مسئلہ چہارگانہ کا جو فتنہ اٹھایا گیا اور ان ہی چار مسئلوں کی اشاعت کا نام حدیث کی اشاعت رکھا گیا در پردہ ہندوستان کی حدیث کی سرگرمیوں کو اس فتنہ کی طرف منسوب کرنا مقصود ہے۔" (صفحہ ۱۸۱)

"ہندوستان کے قدیم نصاب پر اعتراض کیا گیا کہ اس میں حدیث کی تعلیم کے لیے صرف ایک کتاب تھی، تفسیر میں صرف جلالین پڑھائی جاتی تھی .... لیکن کیا ان چند گنی چنی کتابوں کا درس ان علوم میں تبحر اور وسعت نظر پیدا کرنے کے لیے کافی نہ تھا؟" (صفحہ ۲۰)

"مشکوٰۃ جیسی کسی متن حدیث کی کتاب کو حل و بحث کے طریقے سے پڑھ لینے کے بعد آگے صحاح کی کتابوں کے پڑھانے کا مطلب بطور تبرک سمجھئے یا روایت کی درستگی سمجھئے اور کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا تھا جو یوں بھی مناولہ وغیرہ طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے کیونکہ کتابوں کی تدوین کے بعد اسناد کی درستگی کا مسئلہ بھی تبرک کے

سوا کیا رہ گیا ... ؟" (صفحہ ۲۱۰)

"مناولہ: یہ محدثین کا ایک طریقہ تھا کہ جس کی قابلیت پر اعتماد ہوتا پڑھائے بغیر کتابوں کی روایت کرنے کی اجازت عطا فرماتے تھے۔" (حاشیہ صفحہ ۲۱۰)

"پھر جو چیزیں یوں ہی استاد کی اعانت کے بغیر لوگوں کی سمجھ میں آ رہی ہو اس کو خواہ مخواہ اُستادوں سے پڑھنے کی کیا حاجت ہے؟" (صفحہ ۲۱۸)

"الزام تراشی" کے آغاز سے یعنی عہد برطانیہ سے بہت پہلے علمائے فرنگی محل کی احادیث سے اعتنا کے جو حوالے ملتے ہیں اُن میں سب سے قدیم اس 'محضر' کا حوالہ ہے جو ملا قطب الدین سہالوی کے واقعۂ شہادت (۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء) کے بعد علماء و عمائدین کے دستخطوں کے ساتھ عالمگیر کو پیش کیا گیا تھا، اس میں ملا قطب الدین شہید کے بارے میں یہ شہادت دی گئی ہے، جو بلاشبہ چشم دید ہے کہ:۔

در اوقات فراغ از درس و عبادت	درس اور عبادت سے فرصت کے
بہ تصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ	اوقات میں علوم تفسیر و حدیث و فقہ
و اصول می پرداختند	و اصول فقہ میں تصانیف کرتے تھے۔

اس محضر میں ملائے شہید کے کتب خانے کی تباہی کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

نہ صد جلد مجتمع بود ...... در آں میان	اس کتب خانے میں نو سو کتابیں تھیں
مصحف مجید چہار جلد و مشکوٰۃ و غیرہ	(جو حملہ آوروں نے جلا دیں) ان میں
از کتب حدیث الخ۔	قرآن شریف کے چار نسخے اور مشکوٰۃ
	وغیرہ حدیث کی کتابیں تھیں......
	(وہ سب جل گئیں)۔

واقعۂ شہادت کے بعد ملا قطب شہید کا کنبہ سہالی سے فرنگی محل (لکھنؤ) منتقل ہوا (۱۱۰۵ھ/۱۶۹۴ء میں) اور سات آٹھ سال کے بعد فرنگی محل میں (جہاں ڈچ تاجر کا کارخانہ کبھی قائم تھا) پہلی بار

ملا نظام الدین کی سند درس بھی، جن کے پاس اپنے والد ماجد کے جلے ہوئے کتب خانے کی چند کتابیں رہ گئی تھیں جن میں علامہ سید سلیمان ندوی کی باسند روایت کو اگر قبول کر لیا جائے تو بخاری شریف کے پندرہ پارے بھی ہوں گے جو تبرکاً رکھے ہی نہیں رہتے تھے بلکہ کم از کم ایک شاگرد شاہ اکرام سندیلوی نے ملا نظام الدین سے اس کا درس لیا بھی تھا!

صحاح ستہ کو 'دورہ' کے طور پر پڑھانے سے سوائے اس کے اور کیا مقصد ہو سکتا تھا کہ جس طرح قرآن شریف ناظرہ پڑھایا جاتا ہے اسی طرح صحاح ستہ ناظرہ پڑھا دی جائیں، ایک ایک دن میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ صفحے دورے کے دوران پڑھانے کے بعد سند حدیث دینا بس وہی معاملہ ہے جسے مولانا گیلانی نے 'تبرک' سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ درس حدیث (بطور دورۂ حدیث) در اصل "تعلیم حدیث" نہیں ہے بلکہ اس خوش اعتقادی کی تسکین ہے کہ:۔

"جس قدر وقت تعلم حدیث میں صرف ہوتا ہے وہ عبادت میں صرف ہوتا ہے اور فی الواقع ہے بھی یوں ہی، دوسرے سند کا لینا اہل حدیث کے نزدیک ایک اہم امر ہے اور اس کے لیے ساری کتابوں کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے، ورنہ ایسی صورت میں اگر یہ کیا جائے کہ کچھ کتابیں کم کر دی جائیں، وقت زیادہ صرف ہوتا ہے تو کون سنے؟ مگر غور سے دیکھیے تو پہلے امر کا (عبادت میں وقت صرف ہونے کا) جبر نقصان تو یوں ممکن ہے کہ بعد حصول استعداد کے، کتب حدیث کا دیکھنا، طلبہ کو درس حدیث کا دینا، حدیث کی تصانیف میں وقت صرف ہونا، سب حدیث کی خدمت ہے اور وہ یقینی عبادت ہے۔ دوسرے امر کا جواب یہ ہے کہ سند کے بہت سے اقسام ہیں، کبھی سماعاً ہوتی ہے یعنی استاد سے حدیث کا سننا...... دوسرے شیخ کے سامنے پڑھنا یا کسی دوسرے کو استاد کے سامنے پڑھتے سننا...... جس کو عرض بولا کرتے ہیں...... وہ کبھی بطریق مناولت ہوتی ہے یعنی شیخ کتاب شاگرد کو دے اور کہے کہ میں نے اس کتاب کو

روایت کرنے کی اجازت دی، اور اپنی سند بیان کرے .... دیکھئے خاتمۃ المحدثین
شاہ عبدالعزیز دہلوی جن کے جانب ہندوستان کے اکثر اہل حدیث کے اسناد کا انتہا
ہے اپنے حدیث پڑھنے کی کیفیت 'عجالۂ نافعہ' میں تحریر فرماتے ہیں: باید دانست کہ
ایں فقیر ایں علم و جمیع علوم را محض از خدمت والد ماجد خود اخذ کردہ است بعضے ایں علم را
مثل مصابیح و مشکوٰۃ و مسوّی شرح مؤطا کہ از تصانیف ایشاں است، و حصن حصین و
شمائل ترمذی از خدمت ایشاں قرأۃً و سماعاً بہ تحقیق و تفتیش اخذ نمودہ، و قدرے از
اوائل صحیح بخاری نیز بطریق روایت از ایشاں شنیدہ، و صحیح مسلم و دیگر صحاح ستہ را بہ
ایشاں سماع غیر منتظم دادہ۔" (ص ۹۹)

یہ اقتباس ہے مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی" (شاگرد رشید مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی")
کی تصنیف "تنظیم نظام التعلم والتعلیم" کا، یہ تصنیف جلسہ ندوۃ العلماء (کانپور) میں اصلاح نصاب
قدیم کے لیے مقرر کردہ کمیٹی کے ایما پر کی گئی تھی، اس کمیٹی کے ایک ممبر مولانا محمد حسین الہ آبادی
بھی تھے۔

اسی تصنیف میں مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی نے "درس ترتیب دادہ ملا نظام الدین صاحب
قدس سرہٗ العزیز" کے تحت جن علوم و فنون و کتب کا تذکرہ کیا ہے ان میں مشکوٰۃ (حدیث) کے ساتھ
یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ملا نظام الدین:۔

"فصوص اور بخاری شریف بھی کبھی پڑھاتے۔" ص ۲۳

بانی درس نظامی کے "ترانۂ قدس" سے تعلق خاطر کے جو حوالے اوپر گزرے ان کے بعد اب
صرف 'تبرک' والی بات رہ جاتی ہے، علامہ سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا ہے کہ ملا نظام الدین کو
سند حدیث حاصل نہیں تھی، ملا صاحب کے شاگردوں میں ایک نام ملا محمد مغربی تلسانی کا آتا ہے،
مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

"ایک کتاب کی پشت پر میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ استاذ الاساتذہ نے حدیث کی سند

اپنے شاگرد ملا محمد مغربی تلسانی سے حاصل فرمائی تھی۔" (تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۱۶۲)

ملا نظام الدین کے ایسے فاضل و عالم کے بارے میں اس قیاس کو بھی خارج از امکان قرار نہیں
دیا جانا چاہیے کہ انھوں نے اپنے ایک اُستاد حضرت شاہ غلام نقشبند" سے بھی سند حدیث حاصل کی ہو۔
جبکہ حضرت شاہ غلام نقشبند" درس حدیث بھی دیتے تھے اور سند حدیث بھی، کم از کم اس کا ایک حوالہ تو
"تذکرہ مشاہیر کاکوری" میں ملا عبدالرقیب کے احوال میں ملتا ہی ہے۔

"... اور احادیث کی سند ملا غلام نقشبند لکھنوی سے حاصل کی۔"
(تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۲۴۰)

شاہ صاحب کی سند کہیں نظر سے گزرا ہے کہ مشہور محدث، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی
سے ان کے فرزند شاہ نورالحق (شارح صحیح بخاری مسمی بہ تیسیر القاری، فارسی مطبوعہ) کے
واسطے سے تھی۔

رہ گیا معاملہ تفسیر کا، درس نظامی میں تفسیر کی دو ہی کتابیں جلالین اور تفسیر بیضاوی داخل
تھیں، لیکن ان کا درس کس انداز کا ہوتا تھا؟ وہی انداز جو حدیث کی ایک کتاب مشکوٰۃ شریف
کا تھا کہ ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ دیگر کتب تفسیر پڑھنے اور سمجھنے میں دقت نہ ہو، ابھی
حضر کا حوالہ گزرا کہ ملا قطب الدین شہید جن علوم کی تصانیف میں وقت صرف کرتے تھے ان میں
ایک تفسیر بھی لکھی تھی، مگر ان کی کوئی تصنیف اب موجود نہیں ہے۔

ملا نظام الدین اور بحر العلوم نے بے شک تفسیر میں کوئی مخصوص کتاب نہیں لکھی، لیکن
ملا نظام الدین کے بلا واسطہ شاگرد ملا ولی اللہ فرنگی محلی کی ایک ضخیم تفسیر معدن الجواہر (فارسی
مخطوطہ) آج بھی موجود ہے جو جسے بھی بڑے سائز پر پانچ ہزار صفحات کی ہے، اور ابھی حال
میں مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذخیرۂ مخطوطات میں شامل ہوئی ہے، یہ کئی
جلدوں میں ہے، اس کی ایک جلد جو پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے مقدمۂ تفسیر کے طور سے ہے،
اس تصنیف کا اختتام ۱۲۳۱ھ میں ہوا ہے، ملا نظام الدین کی وفات سے صرف اسی سال

جد اور بحر العلوم کی وفات کے محض سوا سال بعد۔ ظاہر ہے کہ ایسی ضخیم تصنیف کا آغاز سال اختتام کے چند سال قبل تو ضرور ہوا ہو گا۔ اس طرح یہ تفسیر ملا نظام الدین کے شاگردوں اور جانشینوں کی حیات ہی میں تصنیف ہونے لگی تھی۔ ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے صرف درسِ نظامی پڑھا تھا، اور شاگرد ابنِ ملا نظام الدین ہی سے سب کچھ اخذ کیا تھا۔ تفسیر معدن الجواہر کا تعارف مجلہ "علوم القرآن" (فیکلٹی دینیات مسلم یونی ورسٹی) کے دوسرے شمارے میں (بابت ۱۹۸۶-۸۷ء) راقم سطور نے کرایا ہے، یہ تفسیر درسِ نظامی کی جامعیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین سے فاتحۃ الفراغ پڑھنے والے ایک عالم مولوی رستم علی قنوجی بن مولوی علی اصغر قنوجی گزرے ہیں (۱۱۰۰ھ تا ۱۱۷۸ھ) جنھوں نے مطولات تک درسیات اپنے والد ماجد سے حاصل کیے۔ ان کی وفات کے بعد ملا نظام الدین سے استفادہ کیا، کس حد تک استفادہ کیا؟ اس کی تفصیل تو نہیں ملتی، یہ بہرحال ملتا ہے کہ:-

"فاتحۂ فراغ ۱۱۲۱ھ بخدمت ملا نظام الدین لکھنوی خواندہ۔" (تذکرۂ علمائے ہند از مولوی رحمان علی)	سند فراغت ملا نظام الدین لکھنوی سے ۱۱۲۱ھ میں حاصل کی۔

ملا صاحب سے فاتحۂ فراغ پڑھنے والے مولوی رستم علی قنوجی نے ایک تفسیر عربی میں تصنیف کی تھی جس کے بارے میں تذکرۂ علمائے ہند کے مصنف کا کہنا ہے کہ:-

تفسیر صغیر کہ مدعا بعبارت جلالین ہم در شتہ است۔	ان کی لکھی ہوئی تفسیر جو تفسیر صغیر کے نام سے موسوم ہے عبارت کے حسن اختصار میں تفسیر جلالین کے ہم پلہ ہے۔

تفسیر صغیر (مخطوطہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی) کے ذخیرۂ مخطوطات میں ہے۔ اس میں سال تصنیف کی صراحت نہیں ہے، مقدمہ میں صرف یہ اشارہ ملتا ہے کہ مصنف نے جب وہ خود تفسیر کا درس لے رہا تھا اسے تصنیف کیا تھا، اس تفسیر کو 'درسِ نظامی' کے حساب میں شمار

کر سکتے ہیں، اگر 'فاتحۂ فراغ' بانیِ درسِ نظامی سے پڑھنے کو کچھ بھی علمی اہمیت دی جا سکتی ہو۔

بہرحال، 'درسِ نظامی' ایسا درس ہے جس میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق اس طرح نہیں ہے، جس طرح آج کے زمانے میں ایک طرف دنیاوی علوم کے فارغ ہیں تو دوسری طرف دینی علوم کے فارغ، اور ان دونوں گروہوں میں اتنی دوری ہے کہ ایک دوسرے کی جگہ لینے کا اہل ہی نہیں ہوتا۔

درسِ نظامی میں دینیات کا مختصر نصاب شامل کرکے اور دیگر علوم غیر دینیہ پر زیادہ توجہ کرکے ایک طرف یہ فائدہ ملحوظ رکھا گیا کہ 'دینیات' کی طرف رجحان رکھنے والوں کی راہ سے تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، دوسری طرف دنیاوی عہدے حاصل کرنے کے خواہش مندوں کو بھی اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ نازک ترین عہدے (سفارت اور قانون، وکالت وغیرہ) کے پوری طرح اہل ثابت ہوں۔

ضمیمہ

مرزا قتیل کی کتاب "ہفت تماشا" کا ایک اقتباس صفحہ ۲۰۴-۲۰۵ پر نقل ہوا ہے جس کی عبارت کا مفہوم مطابقِ واقعہ نہیں ہے، اس نقص کی طرف اقتباس کے ساتھ ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

مطبوعہ "ہفت تماشا" کی اس غلطی کی تصحیح کے لیے اس کتاب کے کسی مخطوطہ کی طرف رجوع ضروری تھا۔ مگر کسی مخطوطہ تک رسائی نہ ہو سکی، برٹش میوزیم (لندن) کے کیٹلاگ میں "ہفت تماشا" کا مخطوطہ نظر پڑا، مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) کے لائبریرین سید محمد حسین رضوی نے راقم سطور کی درخواست پر اس کا "میکروفلم" لندن سے منگوا دیا، یہ مخطوطہ "کرنیل جارج ولیم ہملٹن صاحب بہادر" کی ملکیت میں رہ چکا ہے، مخطوطہ پر نام اس طرح مکتوب ہے "ہفت تماشا تصنیف محمد حسن المتخلص مرزا قتیل علم فارسی" اس کا سالِ کتابت ۱۲۶۶ھ، ۲۰ رجب المرجب ہے، گویا مصنف کی وفات کے تقریباً تیس سال بعد اس کی کتابت ہوئی! تصحیح طلب "اقتباس" مخطوطہ میں جس طرح ہے وہ بھی الجھن کو رفع نہیں کرتا۔ مخطوطہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

"ملا نظام الدین پسرِ ملا قطب الدین سہالوی استاد استادِ ملا محب اللہ بہاری بود در زمانِ دولت محمد شاہ بادشاہ سرآمدِ علما وجود، چنانچہ حالا ہم سلسلۂ فضلا و طلبہ باو انتہا می پذیرد، ملا کمال الدین سہالوی شاگردش کتابے موسوم بہ عروۃ الوثقیٰ نوشتہ کہ تمامی علما در کشف غوامض و حل دقائق آں حیراند۔ اگر استاد اول علمائے زمانۂ حال ملا نظام الدین مرحوم است کہ فرنگی محل را در لکھنؤ از ذات او شرف است لیکن

پیر طریقت شان ہمیں ملا نظام الدین بود کہ ملا برکت اللہ آبادی و مولوی فضل اللہ ملک العلماء یعنی مولوی حمد اللہ سندیلوی و ملا حسن فرنگی محلی و ملا حسن چڑیاکوٹی و ملا عالم سندیلوی تلامذۂ او بود، ملا حسن ہمشیر زادۂ ملا بود، باقی ہمہ اجانب، بالجملہ ملا حمد اللہ در آخر کہ چندے مورد عنایت ملائے مذکور شدہ بود نزد ملا نظام الدین ہم می رفت لیکن ہرچہ می یافت از کمال الدین یافت!"

مطبوعہ "ہفت تماشا" اور مخطوطہ میں ذرا فرق ضرور ہے، نشان زدہ الفاظ مطبوعہ سے مختلف ہیں مگر معناً کوئی بڑا فرق نہیں، البتہ مطبوعہ میں "پیر طریقت شان ملا کمال الدین بود" ہے اور مخطوطہ میں "ہمیں ملا نظام الدین بود"۔ مخطوطے میں آگے جن شاگردوں کے نام لیے گئے ہیں وہ ملا نظام الدین کے نہیں ملا کمال الدین کے شاگرد ہیں!۔ اگر کسی طرح عبارت کو درست کیا جائے تو "پیر طریقت شان" میں "شان" کی ضمیر علمائے زمانۂ حال کی طرف پھیرنا پڑے گی، مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ زمانۂ حال کے علماء کے استاد اول ہیں تو ملا نظام الدین مرحوم ہی مگر ان علماء کے رہنمائے علمی ملا کمال الدین تھے، جن کے ایسے ایسے شاگرد ہیں! اس طرح عبارت کی صحت کے بعد مطبوعہ "ہفت تماشا" کا جملہ "ہمیں ملا کمال الدین بود" زیادہ مناسب رہے گا، مخطوطہ کا "ہمیں ملا نظام الدین بود" بالکل میل نہیں کھاتا۔

مرتبہ جناب ضیاء الدین انصاری

مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

کتابیات

*

مخطوطات

(عربی) ۱. خیر العمل بتراجم علماء فرنگی محل: از مولانا ابوالحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی۔ (در مدینہ منورہ)

۲. تفسیر صغیرہ: از مولوی رستم علی قنوجی (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

۳. سبعیات: مکتوبہ مولانا عبد الحلیم سہالوی (جدّ ملا نظام الدین بانی درس نظامی) نزد مؤلف

۴. مقصود القاصدین: 〃 〃 〃 〃

۵. ہدایہ (اخیرین): 〃 〃 〃 (فرنگی محل گلشن مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

(فارسی) ۶. آمد نامہ: از مولانا فضل امام خیر آبادی (نزد مؤلف)

۷. اغصان الانساب: از رضی الدین محمود فتح پوری (〃 〃)

۸. بحر زخار: (دو جلد) از وجیہ الدین اشرف لکھنوی (〃 〃)

۹. رسالۂ قطبیہ: از ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی۔ (〃 〃)

۱۰. عمدۃ الوسائل للنجاۃ: از ملا ولی اللہ فرنگی محلی (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

۱۱. فرحۃ الناظرین: از محمد اسلم انصاری (〃 〃 〃 〃)

۱۲. قرۃ الابصار فی نسب قطب الاقطاب: از مولانا عبد الباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی (نزد مؤلف)

۱۳. لطائف اکبری: (دو جلد) از خواجہ سید حسن مودودی لکھنوی۔ (نزد مؤلف)

۱۴. مجموعۃ الفتاوی: از مفتی مظہر کریم دریابادی۔ (نزد مولانا عبد الماجد دریابادی)

۱۵. محاسن رزاقیہ: از ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

۱۶. معدن الجواہر: از ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی۔ (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

۱۷. وقائع قادر خانی: از عبد القادر رامپوری (〃 〃 〃)

۱۸. ہفت تماشا: از مرزا محمد حسین قتیل (مائکرو فلم مولانا آزاد لائبریری)

(اردو) ۱۹. حالات تواریخی چودھریان گڑھی: (نزد مؤلف)

۲۰. تاریخ فرنگی محل: از مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ۔ (〃 〃)

مطبوعات

(عربی) ۲۱. آثار الاول من علماء فرنگی محل: از مولانا عبد الباری فرنگی محلی۔ (مطبع مجتبائی لکھنؤ ۱۳۳۱ھ)

۲۲. رحلۃ ابن بطوطہ (۲۳) سبحۃ المرجان: از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی۔

۲۴. عُقدۃ وثیقۃ: از عماد الدین عثمانی لکھنوی۔ (طبع ہو چکی ہے نزد مؤلف اس کا مخطوطہ ہے)

۲۵. نثر المرجان فی رسم نظم القرآن: از ملا محمد غوث مدراسی (مطبوعہ حیدرآباد دکن)

۲۶. نزہۃ الخواطر: جلد ۵ و ۶۔ از سید حکیم عبد الحی حسنی رائے بریلوی (دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

(فارسی) ۲۷. اغصان اربعہ: از ملا ولی اللہ فرنگی محلی (مطبع کارنامہ فرنگی محل ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء)

۲۸. انوار الرحمٰن لتنویر الجنان: از مولوی محمد نور اللہ (مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۳ء)

۲۹. تاریخ بدایونی: از ملا عبد القادر بدایونی۔

۳۰. تذکرۂ علمائے ہند: از مولوی رحمان علی۔

۳۱. دریائے لطافت: از انشاء اللہ خان انشاؔ (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن)

۳۲. سروِ آزاد: از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی۔

۳۳. مآثر الکرام: از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (مطبوعہ حیدرآباد دکن)

۳۴. ملفوظ رزاقی: از نواب محمد خان شاہجہانپوری۔

۳۵. مناقب رزاقیہ: از شاہزادہ الہند ملا نظام الدین (شاہی پریس لکھنؤ، طبع دوم ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء)

(اردو) ۳۶. آرائش محفل:

۳۷. تاریخ خطۂ پاک بلگرام : از شریف الحسن بلگرامی۔

۳۸. تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت : (حصہ دوم) از سید ہاشمی فرید آبادی (مطبوعہ کراچی)

۳۹. تذکرہ مشاہیر کاکوری : از شاہ حافظ علی حیدر قلندر کاکوروی (مطبع المطابع لکھنؤ ۱۹۲۷ء)

۴۰. تذکرہ علمائے فرنگی محل : از مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی (مطبوعہ اشاعۃ العلوم، فرنگی محل ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۰ء)

۴۱. تنظیم نظام التعلم والتعلیم : از مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی (مطبع انوار احمدی الہ آباد)

۴۲. حیات شبلی : از علامہ سید سلیمان ندوی۔ (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۴۳. خانوادۂ قاضی بدر الدولہ : از ڈاکٹر یوسف کوکن

۴۴. دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی : از ڈاکٹر ابن حسن مرحوم (مطبوعہ لاہور)

۴۵. "صدر یار جنگ" : از شمس تبریز خان (مطبوعہ تحقیقات و نشریات، لکھنؤ)

۴۶. فتاویٰ جواز یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ : از محمد حسن کرکہ مجموعہ (مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۵ء)

۴۷. فیوض حضرت بانسہ : از مولانا عبد الباری فرنگی محلی (مطبع اشاعۃ العلوم فرنگی محل ۱۳۳۵ھ)

۴۸. کرامات رزاقیہ : از نواب محمد خان شاہجہان پوری

۴۹. گذشتہ لکھنؤ : از مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی

۵۰. گلستان طریقت : از مولوی محمد حسین متین فرنگی محلی (مطبع نجم العلوم فرنگی محل لکھنؤ ۱۳۲۱ھ)

۵۱. مقالات سید سلیمان ندوی : (جلد دوم) از علامہ سید سلیمان ندوی (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۵۲. مقالات شبلی : از علامہ شبلی نعمانی۔ (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۵۳. ہندستان میں مذہب اسلام پر نظر ثانی کی ضرورت : از مسٹر اے اے فیضی (مکتبہ جامعہ نئی دہلی)

۵۴. ہندستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت : از مولانا سید مناظر احسن گیلانی (ندوۃ المصنفین دہلی)

انگریزی ۵۵. پروموشن آف لرننگ ان انڈیا ڈیورنگ محمڈن رول : از نریندر لا

۵۶. سفرنامہ برنیر :

۵۷. کیٹلاگ برٹش میوزیم : (فارسی مخطوطات)

مقامات

اور

ادارے

نوٹ: اشخاص و مقامات کے وہ نام "اشاریہ" میں شامل نہیں کیے گئے ہیں جو فہرست مضامین میں سرخی یا ذیلی سرخی کے تحت درج ہو چکے ہیں۔

آلِ انصار کی تاریخ اور انصاری برادری کی معروف شخصیّات کی سوانح عمریاں منگوانے کے پتے

سیٹھ آدم جی عبداللہ بمبئی والے تاجر کتب فوّلکھا بازار لاہور

ملک بشیر احمد تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

مکتبہ اہلسنّت جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور فون ۷۶۳۲۲۷۸

جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ
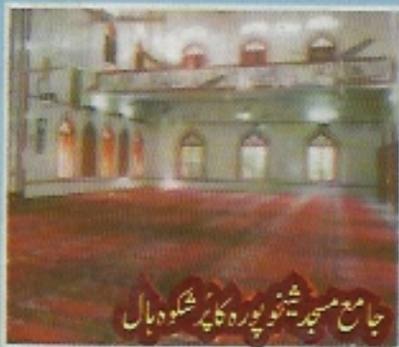
سائیں عاشق بھٹو شیخ ہندی مارکیٹ

بھاٹی چوک لاہور
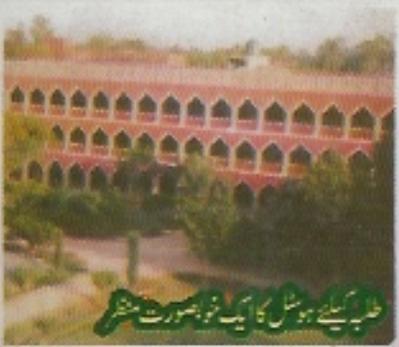
منگوانے کا پتہ: سیٹھ آدم جی عبداللہ بمبئی والے تاجر کتب نولکھا بازار لاہور